الرَّفِيقُ الفَصِيح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ٦
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ و کمپوزنگ
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ٦

افادات

حضرت علّامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب.....**الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۶**

افادات.........حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

مرتب.........محمد فاروق غفرلہ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ.........مجیب الرحمٰن لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت.........۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

صفحات.........۵۸۶

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوۃ المصابیح

جلد ششم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد ششم

فہرست

الرفیق الفصیح لحل مشکاۃ المصابیح ٦

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	باب فضل الاذان واجابة المؤذن	
	﴿اذان اور مؤذن کے جواب دینے کی فضیلت﴾	۷۳
۲۸	فضائل اذان کی بنیادیں	۷۴
۲۹	اذان کے جواب کی حکمت	۷۵
	(الفصل الاول)	
۳۰	حدیث نمبر ﴿۶۰۳﴾ مؤذن کی فضیلت	۷۵
۳۱	حدیث نمبر ﴿۶۰۴﴾ اذان سے شیطان کا بھاگنا	۷۷
۳۲	اشکال مع جواب	۷۹
۳۳	حدیث نمبر ﴿۶۰۵﴾ اذان دینے والے کے لئے گواہی دینا	۸۰
۳۴	حدیث نمبر ﴿۶۰۶﴾ اذان کا جواب دینا	۸۲
۳۵	حدیث نمبر ﴿۶۰۷﴾ اذان کے جواب کی فضیلت	۸۲
۳۶	حدیث نمبر ﴿۶۰۸﴾ اذان کے بعد کی دعاء	۸۸
۳۷	سوال و جواب	۹۰
۳۸	حدیث نمبر ﴿۶۰۹﴾ اذان! ایمان کی علامت ہے	۹۱
۳۹	حدیث نمبر ﴿۶۱۰﴾ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ	۹۲
۴۰	حدیث نمبر ﴿۶۱۱﴾ اذان و اقامت کے درمیان نوافل	۹۴
۴۱	مغرب کی اذان کے بعد نماز ہے یا نہیں؟	۹۲
	(الفصل الثانی)	
۴۲	حدیث نمبر ﴿۶۱۲﴾ امام ضامن ہے	۹۷
۴۳	"الامام ضامن" سے نکلنے والے چار اہم مسائل	۱۰۰

نمبر شمار	مضمین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضمین	صفحہ نمبر
۱۳۷	حدیث نمبر ﴿۶۵۹﴾ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا	۲۱۵
۱۳۸	قبرستان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ	۲۱۶
۱۳۹	حدیث نمبر ﴿۶۶۰﴾ قبر کو سجدہ گاہ مت بناؤ!	۲۱۷
۱۴۰	حدیث نمبر ﴿۶۶۱﴾ نفل نماز گھر میں پڑھنا چاہئے	۲۱۸
	(الفصل الثانی)	
۱۴۱	حدیث نمبر ﴿۶۶۲﴾ مدینہ والوں کا قبلہ	۲۲۰
۱۴۲	حدیث نمبر ﴿۶۶۳﴾ مسجد بنانے کا ذکر	۲۲۱
۱۴۳	فائدہ	۲۲۳
۱۴۴	حدیث نمبر ﴿۶۶۴﴾ مسجد کی تعمیر اور صفائی ستھرائی	۲۲۳
۱۴۵	حدیث نمبر ﴿۶۶۵﴾ مسجد کی بلند و بالا تعمیر	۲۲۴
۱۴۶	مساجد کی تزئین کا حکم	۲۲۶
۱۴۷	حدیث نمبر ﴿۶۶۶﴾ مسجدوں کی تعمیر پر فخر کی ممانعت	۲۲۷
۱۴۸	حدیث نمبر ﴿۶۶۷﴾ مسجد کی صفائی ستھرائی کا اجر	۲۲۸
۱۴۹	اشکال مع جواب	۲۲۹
۱۵۰	نسیان قرآن کا حکم	۲۳۰
۱۵۱	حدیث نمبر ﴿۶۶۸﴾ تاریکی میں مسجد آنے والوں کے لئے بشارت	۲۳۰
۱۵۲	حدیث نمبر ﴿۶۶۹﴾ مسجد کا خیال رکھنا ایمان کی دلیل ہے	۲۳۲
۱۵۳	اشکال مع جواب	۲۳۳
۱۵۴	فائدہ	۲۳۳
۱۵۵	حدیث نمبر ﴿۶۷۰﴾ مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت	۲۳۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

تمت وبالفضل عمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الاذان

اذان، اقامت، فضائل اذان، اجابت اذان، متعلقات اذان و اقامت

اس باب میں اذان کی مشروعیت، حکم، فضیلت اذان و اقامت، اجابت اذان و اقامت، و دیگر متعلقات اور ان کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اسمیں کل سینتالیس (۴۷) احادیث مبارکہ بیان کی گئی ہیں۔

رقم الحدیث:...... ۵۹۰؍ تا ۶۳۷۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الاذان

(اذان کا بیان)

یہاں چند بحثیں ہیں، جن کا شروع میں بیان کر دینا بہت مفید ہے۔

(۱)......المناسبة بما قبله۔

(۲)......الاذان لغة وشرعا۔

(۳)......متى شرع الاذان۔

(۴)......كيفية المشروعية ومايرد من الايراد والجواب۔

(۵)......حكم الاذان واختلاف العلماء۔

(۶)......حكمة الاذان۔

اذان سے متعلق مباحثِ ستہ

بحث اول: جب مصنفؒ مواقیت صلوۃ سے فارغ ہوئے تو اب جماعت اور اذان کا بیان شروع کرتے ہیں، جماعت کی نماز کے لئے چونکہ لوگوں کے اجتماع کی ضرورت ہے، اس لئے مصنفؒ ابواب الجماعۃ سے قبل ابواب الاذان بیان کر رہے ہیں، کیونکہ اذان

لوگوں کے جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔

بحث ثانی: اذان کے لغوی معنی اعلان واطلاع کے ہیں، "**قال اللہ تعالیٰ اذان من اللہ ورسولہ**" دراصل یہ "اَذَن" (**بفتحتین**) سے مشتق ہے، جس کے معنی استماع کے ہیں، اورشرعاً اذان کہتے ہیں، "**الاعلام بوقت الصلوۃ بالفاظ مخصوصة**" یعنی وقت صلوۃ کی مخصوص الفاظ کے ذریعہ اطلاع کرنا۔

بحث ثالث: بعض غیر صحاح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی مشروعیت صلوۃ کے ساتھ **لیلة الاسراء** میں ہوئی، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایات صحیح نہیں، صحاح کی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز بدون اذان واقامت اداء فرماتے تھے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت الی المدینہ فرمائی تو اولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ١ھ میں مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، اسکے بعد اذان کے سلسلے میں مشورہ ہوا اور ١ھ وقیل ٢ھ میں اذان مشروع ہوئی۔

بحث رابع: جاننا چاہئے کہ مشروعیت اذان کے بارے میں دوحدیثیں ہیں۔(۱) حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جو متفق علیہ ہے، بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔(۲) عبداللہ بن زید کی حدیث خواب والی جس کی تخریج اصحاب السنن امام ابوداؤد وترمذی وغیرہ نے کی ہے، امام ترمذیؒ نے "**باب بدأ الاذان**" میں یہ دونوں حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، امام ابوداؤد نے صرف ثانی حدیث ذکر کی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں عبداللہ بن زید کی حدیث کی تخریج امام بخاریؒ نے نہیں کی، **لانه لم یکن علی شرطه**.

بحث خامس: اذان **عند الجمهور والائمة الثلاثة** اور ایسے ہی حنفیہ کے قول راجح میں سنت مؤکدہ ہے، حنفیہ کے یہاں دوسرا قول وجوب کا ہے، نیز فقہاء نے لکھا

ہے کہ اذان کو سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں لیکن شعائر اسلام میں سے ہے، لہٰذا اگر کسی بستی والے اس کے ترک پر اتفاق کرلیں تو امام ان کے ساتھ قتال کرے گا، اور داؤد ظاہری، اوزاعی، عطاء کے نزدیک فرض ہے، عطاء اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص بغیر اذان کے نماز پڑھے تو اس پر اعادہ واجب ہے، نیز اذان حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک منفرد کے لئے مستحب ہے، اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک بھی قول راجح میں، اور اس میں ایک قول یہ ہے **لایستحب لانہ لاستدعاء الجماعۃ وقیل یستحب لمن یرجو حضور الجماعۃ والا فلا.**

بحث سادس: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے حکمت اذان میں چار چیزیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱)......اس میں شعائر اسلام اور کلمۃ التوحید کا اظہار ہے۔

(۲)......دخولِ وقتِ صلوۃ کی اطلاع ہے۔

(۳)......مکان صلوۃ کی نشاندہی۔

(۴)......نماز باجماعت کے لئے دعوت۔

نیز علماء نے لکھا ہے کہ اذان اپنے اختصار اور قلت الفاظ کے باوجود امہات مسائل دین کے اہم بنیادی مسائل پر مشتمل ہے۔ (الدر المنضود جلد۲)

اذان واقامت کی شرعی حیثیت

پانچوں نمازوں کے لئے اذان سنت موکدہ ہے، اسی طرح جمعہ کے لئے دو اذانیں سنت موکدہ ہیں، ان کے علاوہ کسی دوسری نماز کے لئے اذان کہنا مسنون نہیں ہے، درمختار میں ہے: **"وهو سنة مؤكدة للفرائض الخمس ولا يسن لغيرها"** (شامی:۱/۲۵۷)

﴿الفصل الاول﴾

اذان کی مشروعیت

﴿۵۹۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَکَرُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمَاعِیْلُ فَذَکَرْتُهٗ لِاَیُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۸۵، باب بدء الاذان، حدیث نمبر:۶۰۳، مسلم شریف: ۱/۱۶۴، باب الامر بشفع الاذان الخ. حدیث نمبر:۳۷۸۔

حل لغات: النَّاقُوْسَ، نصاری کا گھنٹہ جسے وہ اپنی نماز کے وقت بجاتے ہیں، ج: نَوَاقِیْسُ. یشفع شَفَعَ (ف) شفعًا، الشیءَ، جوڑا بنانا، یوتر مصدر ایتار، العَدَدَ ایک کرنا، طاق کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا، تو یہود و نصاریٰ کا ذکر آیا، پھر حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہیں، اسمٰعیل نے کہا کہ اس کا ذکر ایوب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ اقامت (قد قامت الصلوۃ) کے علاوہ۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں تھے تب اذان نہیں ہوتی تھی، مدینہ طیبہ میں بھی شروع دور میں اذان کا سلسلہ نہیں تھا؛ چنانچہ بعض لوگ مسجد میں بہت

پہلے آجاتے تھے، اور بعض لوگوں کو مسجد آنے میں تاخیر ہو جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز کی اطلاع دینے کی غرض سے مشورہ کیا، کسی نے ناقوس بجانے اور کسی نے اونچی جگہ پر آگ جلانے کا مشورہ دیا؛ چونکہ ناقوس نصاریٰ کا شعار تھا اور آگ روشن کرنا یہود کا شعار تھا؛ لہٰذا کوئی بات مشورہ میں طے نہیں پائی، اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے خواب دیکھا اس میں اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ بتایا گیا تھا، حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے تہجد کی نماز کے وقت اس خواب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**انہا لرؤیا حق ان شاء اللہ تعالیٰ**" اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال تم سے بلند آواز والے ہیں، ان کو اذان کی تعلیم دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے سیکھ کر اذان دی، جب حضرت عمرؓ نے اذان سنی تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں نے بھی خواب میں وہی دیکھا ہے جو عبداللہ بن زیدؓ نے بیان کیا ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ اس رات میں گیارہ صحابہؓ نے اس طرح کا خواب دیکھا تھا۔

ذکروا النار والناقوس: یعنی نماز کا وقت جاننے کے لئے آپس میں مشورہ کیا، تو کچھ لوگوں نے آگ جلانے کا مشورہ دیا اور کچھ لوگوں نے ناقوس بجانے کا۔

''ناقوس'' ایک بڑی لکڑی پر چھوٹی لکڑی سے مارنے پر جو آواز نکلتی ہے، اس کا نام ناقوس ہے، نصاریٰ اسی سے اپنی نماز یا عبادت کے لئے بلاتے تھے۔

فذکروا الیھود والنصاری: لوگوں نے اس مشورہ کی مخالفت کی: کیونکہ یہ دونوں طریقے اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے، آگ روشن کر کے عبادت کے وقت کی اطلاع دینا، یہودیوں کے یہاں رائج تھا، دوسری روایات میں آیا ہے کہ یہودی سنکھ بجا کر

عبادت کے لئے بلاتے تھے، دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں، اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ یہود میں دو فرقے ہوں ایک فرقہ آگ جلا کر عبادت کے لئے بلاتا ہو، اور دوسرا فرقہ سنکھ بجا کر عبادت کیلئے بلاتا ہو، اور ناقوس بجا کر عبادت کے لئے بلانا نصاریٰ کا طریقہ تھا، چونکہ یہ غیر مسلم اقوام کا مذہبی طریقہ تھا، اس لئے اس کی مشابہت سے بچنے کو ترجیح دی گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن کوئی فیصلہ نہ ہوا، البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہوئی کہ نماز کے وقت کوئی شخص یہ اعلان کر دیا کرے "**الصلوة جامعة الصلوة جامعة**" اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا۔

خواب حجت شرعیہ نہیں

اشکال: غیر نبی کا خواب حجت شرعیہ نہیں ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کے خواب پر اذان کو کیوں مشروع قرار دیا؟

جواب: (۱)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کے کلمات سن کر اپنے اجتہاد سے اس کی مشروعیت کی اجازت دی، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان "**انها لرؤيا حق ان شاء الله**" سے ثابت ہو رہا ہے۔

(۲)...... پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اذان کے کلمات کی وحی آئی تھی، اس کے بعد خواب دیکھنے والے حضرات حاضر ہوئے تھے، معلوم ہوا اذان کی مشروعیت وحی کے ذریعہ ہوئی تھی، ایسا بھی ممکن ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجتہاد فرمایا ہو، پھر وحی سے اس کی تائید ہوگئی ہو۔

(۳)......جبرئیل علیہ السلام نے معراج میں اذان کے یہی کلمات کہے تھے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذہول ہو گیا تھا، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

خواب ذکر کرنے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ کلمات یاد آ گئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اذان میں جاری کر دیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کی مشروعیت وحی سے ہے نہ کہ خواب سے۔

(۴)......اگر مشروعیت خواب سے ہو تو بھی اشکال نہیں اس لئے کہ خواب فی نفسہ حجت نہیں مگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصدیق کرنے اور اس کو حق قرار دینے سے حجت ہو گیا، پھر اس کے حجت میں ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب کی وجہ

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی خواب کیوں نظر آیا؟

حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، باقی بظاہر اس کی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ نماز کے لئے جمع کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اور مختلف آراء آ رہی تھیں اور کوئی چیز طے نہیں ہو رہی تھی، اس کی فکر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی تھی، مگر عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ فکر بہت زیادہ غالب تھی، یہاں تک کہ مسجد میں معتکف ہو گئے، کہ جب تک کوئی حل نہیں نکلتا مسجد سے نہیں نکلوں گا، ان کے اس فکر اور اہتمام کی وجہ سے ان کو اس شرف خواب سے نوازا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مؤذن کیوں مقرر کیا گیا؟

فامر بلال: اذان کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔

اشــــکـــــال: جب خواب حضرت عبد اللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا تو

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کے لئے کیوں کہا گیا؟

جواب: (۱)......حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز میں کشش اور بلندی تھی، جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپؓ کا انتخاب کیا، چنانچہ حدیث کے کلمات میں "فانه اندیٰ صوتاً منک" ہے۔

(۲)......حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیمار تھے، اس لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا، حدیث میں آتا ہے: "لولا انه كان يومئذ مريضا لجعله رسول الله صلى الله عليه وسلم مؤذنا" [یعنی اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیمار نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہی کو مؤذن بناتے۔

(۳)......مشروعیت اذان کا سہرا اگر عبداللہ بن زیدؓ کے سر ہے تو سب سے پہلے اذان دینے کی سعادت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی اس لئے کہ وہ اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام لانے کی سزا میں گرم ریت پر احجار کے زیر بار ہونے کے ساتھ احد احد کی نداءِ توحید بلند کر چکے تھے۔ (الدر المنضود: ۲/۸۹)

ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة: علامہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ سوائے "لااله الا الله" کے اذان کے ہر کلمہ کو دو دو بار کہا جائے گا، اور اقامت میں شروع و آخر کی تکبیر کے علاوہ تمام کلمات کو ایک بار کہا جائے گا۔

اس حدیث کے تحت شراح حدیث تین بہت اہم مسئلے ذکر کرتے ہیں، ہم ذیل میں ان تینوں مسائل کی مختصر اوضاحت کرتے ہیں، وہ تین مسئلے یہ ہیں:

(۱)......تربیع۔

(۲)......ترجیع۔

(۳)......عدد کلمات اقامت۔

مسئلہ اولیٰ "تربیع" کی وضاحت مع اختلاف ائمہ

تربیع کا مادہ 'ربعٌ' ہے، اس کے معنی ہیں چار۔ یہاں پر زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اذان کے شروع میں "اللہ اکبر" چار مرتبہ کہا جائے گا، یا نہیں کہا جائیگا؟

امام صاحب کا مذہب: امام ابوحنیفہ و احمدؒ کے نزدیک اذان کے شروع میں چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہا جائے گا۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس میں آسمان سے اترنے والے فرشتے نے اذان کی تعلیم دیتے ہوئے چار مرتبہ تکبیر کہی ہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: "قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناقوس یعمل لیضرب بہ للناس لجمع الصلوۃ طاف بی وانا نائم رجل یحمل ناقوسا فی یدہ فقلت یا عبداللہ اتبیع الناقوس فقال وماذا تصنع بہ فقلت ندعوا بہ الی الصلوۃ قال افلا ادلک علی ما ھو خیر من ذالک فقلت لہ بلٰی قال فقال: تقول اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لاالہ الا اللہ، اشھد ان لاالہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللّٰہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں شروع میں چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہا جائے گا۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر صرف دو مرتبہ ہے۔

دلیل: امام مالکؒ کی دلیل یہ حدیث ہے: "یؤذن مثنی مثنی" اسی طرح حدیث باب

بھی امام مالکؒ کی دلیل ہے۔

جواب: امام مالکؒ نے جو حدیث پیش کی ہے "یؤذن مثنی مثنی" اسی طرح حدیث باب یہ سب اجمالی احادیث ہیں، اس کا ان احادیث سے موازنہ کیا جائے گا، جن میں صراحتاً "اللہ اکبر" کے جملے کو چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، نتیجہ یہ نکلے گا کہ تکبیر چار مرتبہ کہی جائے گی، باقی چیزیں دو مرتبہ، نیز جب ثقہ راویوں سے صراحتاً چار دفعہ کی زیادتی ثابت ہے، تو یہ زیادتی معتبر ہوگی۔

مسئلہ ثانیہ: "ترجیع" کی وضاحت مع اختلاف ائمہ

ترجیع کہتے ہیں کہ اذان میں کلمات شہادتین کو دو بار پست آواز سے کہا جائے، پھر دو بار بلند آواز سے کہا جائے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے، امام احمدؒ کا بھی تحقیقی مذہب یہی ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے دلائل: (۱)......حنفیہ اور حنابلہ کا استدلال حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہے، اس میں ملک نازل من السماء نے اذان کی تعلیم پندرہ کلمات کے ساتھ دی ہے، اور وہ روایت اس طرح ہے: "**قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالناقوس یعمل لیضرب بہ للناس لجمع الصلوۃ طاف بی وانا نائم رجل یحمل ناقوس سافی یدہ فقلت لہ بلی قال فقال تقول اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ حی علی الصلوۃ حی**

على الصلوة حی علی الفلاح حی علی الفلاح الله اكبر الله اکبر لا اله الا الله. [چونکہ اذان کی مشروعیت اس خواب سے ہوئی ہے اس لئے اس پر اعتماد زیادہ مناسب ہے۔

(۲)...... اذان بلال رضی اللہ عنہ جس قدر روایات کے ساتھ ہم تک پہونچی ہے تمام میں ترجیع کا ذکر نہیں ہے، خود مشکوۃ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کا ذکر اس باب میں دو جگہ کیا گیا ہے، ایک روایت میں "فامر بلال ان یشفع الاذان" اور دوسری روایت میں "کان الاذان علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مرتین مرتین" ہے، مگر اس میں ترجیع مذکور نہیں۔

"ان یشفع الاذان" سے مراد کلمات اذان دو دو مرتبہ ادا کرنا ہے اور دوسری روایت میں "مرتین مرتین" سے بھی مراد ہے، یہ واضح رہے کہ چوں کہ مسجد نبوی کے مستقل مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے، اس لئے دوسری روایت میں اذان بلال رضی اللہ عنہ ہی مراد ہے۔

(۳)...... اسی طرح حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو مسجد نبوی کے دوسرے مؤذن ہیں ان کی اذان کے کلمات بغیر ترجیع کے نقل ہوئے ہیں۔

(۴)...... مسجد قباء کے مؤذن حضرت سعد القرظی رضی اللہ عنہ کی اذان بھی بغیر ترجیع کے تھی۔

(۵)...... جن روایات میں اجابت اذان بالقول کا ذکر ہے، وہاں بھی بغیر ترجیع کے کلمات اذان کا ذکر ہوا ہے، ان دلائل کے پیش نظر حنفیہ اور حنابلہ ترجیع کو سنت قرار نہیں دیتے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے اور وہ اس کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل مشکوۃ شریف کی اگلی روایت ہے، اس میں شہادتین کا چار مرتبہ

تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع ہے، نیز ابوداؤدشریف میں صراحت ہے:

"تخفض بها صوتک ثم ترفع صوتک بشهادة"

جواب: (۱)......جن روایات میں ترجیع کا ذکر ہے وہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو تعلیماً دوبارہ بلند آواز سے شہادتین کیلئے کہا، جس کو انہوں نے اپنا معمول بنالیا، اصل میں واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک جگہ پر اذان دی گئی، کچھ بچوں نے اذان کی نقل کی، ان میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر اذان دینے کے لئے کہا، تو ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے سب کلمات تو زور سے کہے، لیکن شہادتین کے کلمات آہستہ سے کہے، وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زور سے اعادہ کے لئے کہا، حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ زور سے شہادتین کا تلفظ کیا اور یہی تلفظ کرنا آپ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بن گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصود بلند آواز سے ادا کرنے کی تعلیم تھی، ترجیع کو مسنون قرار دینا نہ تھا، لیکن ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ یہ اذان کی سنت ہے، اس لئے انہوں نے اذان میں ترجیع کو باقی رکھا۔

(۲)......چونکہ ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت ہوگئی تھی، اس لئے انہوں نے اس کو بر بنائے محبت اور بر بنائے یادگار باقی رکھا۔ جیسا کہ ان کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک رکھا تو انہوں نے ان بالوں کو کبھی نہیں کٹوایا، ہمیشہ باقی رکھا کہ جن بالوں پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگا ہو ان کو اپنے سر سے جدا نہیں کرسکتا، یہ غلبہ محبت کی وجہ سے تھا، اسی طرح

اذان کی ترجیع بھی غلبۂ محبت کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو ہمیشہ باقی رکھا۔

(۳)......حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو مسجد حرام کا مؤذن مقرر کیا گیا تھا، مکہ مکرمہ میں اکثر نومسلم تھے، اسلئے ان کے قلوب میں ایمان کو راسخ کرنے کیلئے شہادتین کو مکرر ادا کیا کرتے تھے۔

(۴)......ترجیع والی حدیث بیان جواز کے لئے ہے۔

(۵)......ترجیع والی روایات مقدم ہیں اور عدم ترجیع والی روایات موخر ہیں لہٰذا ترجیع والی روایات منسوخ ہوں گی۔

بہر حال اگر ترجیع سنت ہوتی تو مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو پانچ وقت اذان دی جاتی تھی اس میں ترک ترجیع پر اصرار نہ ہوتا، پھر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بھی مسجد نبوی کی اذان بغیر ترجیع کے رہی۔

اسود بن یزیدؒ اور سوید بن غفلہؒ دونوں تابعی ہیں، اور انہوں نے خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کی اذان نقل کی ہیں، لیکن وہاں ترجیع کا ذکر نہیں۔

اس لئے بقول ابن قدامہؒ حدیث ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناسخ اور روایت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور روایات حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

دونوں مسئلوں کا خلاصہ

امام صاحبؒ کے نزدیک تربیع ہے تو ترجیع نہیں ہے، اس لئے کل کلمات اذان پندرہ ہیں، اور امام مالکؒ کے نزدیک تربیع نہیں ہے اور ترجیع ہے، اس لئے ان کے نزدیک کلمات اذان سترہ ہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک تربیع اور ترجیع دونوں ہیں، اس لئے کلمات اذان ان

کے نزدیک انیس ہیں۔

مسئلہ ثالثہ عدد کلمات اقامت کی وضاحت مع اختلاف ائمہ

تکبیر میں کتنے کلمات کہنا افضل ہے؟ اس مسئلہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقامت کے کلمات سترہ ہیں، پندرہ اذان والے کلمات اور دو مرتبہ "قد قامت الصلوة"

دلیل: "ان النبی صلی الله علیه وسلم علمه الاذان تسع عشرة کلمة والاقامة سبع عشرة کلمة" یہ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس میں صاف طور پر یہ بات مذکور ہے کہ اقامت کے کلمات سترہ ہیں، اذان میں انیس کلمات کا تذکرہ ہے، اس کا ہم سابق میں جواب دے چکے ہیں۔

(۲)......"ان بلالا کان یثنی الاذان ویثنی الاقامة"

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک کلمات اقامت کل گیارہ ہیں، پہلے دو مرتبہ تکبیر، پھر شہادتین ایک ایک بار، پھر حیعلتین ایک ایک بار، دو مرتبہ قد قامت الصلوة، دو بار تکبیر، ایک بار لا الہ الا الله، اس طرح یہ کل گیارہ کلمات ہو گئے، یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں کل دس کلمات ہیں، وہ قدقامت الصلوة بھی ایک بار کہنے کے قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آیا ہے: "فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة" یہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایتار اقامت کا حکم دیا گیا ہے، بعض روایات میں "الاقامة" کا استثنا

موجود ہے، اور بعض میں نہیں ہے، امام شافعیؒ ان روایات کو لیتے ہیں جس میں استثناء ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ تکبیر میں سوائے اقامت کے ہر چیز ایک بار کہی جائے گی، امام مالکؒ ان روایات کو لیتے ہیں جن میں استثناء مذکور نہیں ہے، چنانچہ وہ قدقامت الصلوۃ کو ایک مرتبہ کہنے کے قائل ہیں۔

جواب: (۱)......حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شروع میں ایتار کا حکم تھا اور عہد رسالت میں اسی پر عمل بھی تھا، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اقامت میں ایتار کے بجائے تثنیہ کا ہوگیا تھا۔

(۲)...... یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے۔

(۳)......شفع اور وتر کلمات کے اعتبار سے نہیں؛ بلکہ سانس کے اعتبار سے ہے، مراد یہ ہے کہ اذان کے ہر دو کلمات دو الگ الگ سانسوں میں کہے جائیں، اور اقامت کے دو کلمات ایک ہی سانس میں کہے جائیں، لیکن یہ جواب "الاقــــامة" میں نہیں چل پائے گا، کیونکہ اقامت میں قدقامت الصلوۃ کو بھی ایک ہی سانس میں کہا جاتا ہے، حالانکہ حدیث میں اس کا استثناء معلوم ہو رہا ہے اس کے استثناء کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "مدرج من الراوی" ہے اس لئے یہ معتبر نہیں۔

(۴)......اگر ائمہ ثلاثہ اقامت میں ایتار کے قائل ہیں تو تکبیر کا استثناء کن دلائل سے کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟

تنبیہ : یہ تمام اختلافات جواز اور عدم جواز کے طور پر نہیں ہیں، بلکہ یہ اختلاف راجح اور مرجوح کے طور پر ہیں، یہ مباحث "مرقات، فتح الملہم، معارف السنن اور ایضاح البخاری وغیرہ سے مستفاد ہیں۔

اذان میں ترجیع کا تذکرہ

﴿۵۹۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّاْذِیْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۵/۱، باب صفة الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۷۹۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود مجھ کو اذان دینی سکھلائی؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہو! اللہ اکبر اللہ اکبر (اذان کے کلمات متن میں موجود ہیں، میں ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں) اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے

رسول ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر دوہرانے کے لئے کہا اور فرمایا: کہو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تشــریــح: یہ وہی حدیث ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، جس کا گذشتہ حدیث میں تذکرہ ہوا ہے، واقعہ یہ پیش آیا کہ غزوۂ حنین سے واپسی کے موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موذن نے اذان دی، چند لڑکوں نے اذان کی نقل کی، ان میں سب سے بلند آواز حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے وہ لڑکے حاضر کئے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کی تلقین کی، چنانچہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے پوری اذان دی، ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے انہوں نے کلمہ شہادتین کو آہستہ سے کہا، اس لئے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو شہادتین دوہرانے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے شہادتین کو دہرایا، اور اس دہرانے کی برکت سے ان کے دل میں ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سما گئی، ایک موقعہ پر ابومحذورہ خود کہتے ہیں کہ "**ذهب كل شيء كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم من كراهته وعاد ذلك محبة لرسول الله صلى الله عليه وسلم**" (مسند احمد) اس حدیث میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اسی پہلی اذان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس اذان میں لفظ اللہ اکبر شروع میں چار مرتبہ ہے، احناف اسی کے قائل ہیں، تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اور اس حدیث میں ترجیع کا تذکرہ ہے، یہی شوافع کا مستدل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو ترجیع کا حکم تعلیماً تھا، تشریعاً نہیں تھا، اگر تشریعاً ہوتا تو یہ حکم مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ، مسجد نبوی کے مؤذن ثانی عبداللہ بن ام مکتوم، مسجد قبا کے مؤذن حضرت سعد رضی اللہ عنہم کو بھی ملتا، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اذان میں ترجیع نہیں کرتا تھا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کے خواب میں سنے ہوئے کلمات کے اندر بھی ترجیع کا ذکر نہیں ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

﴿الفصل الثانی﴾

اذان واقامت کے کلمات کی تعداد

﴿۵۹۲﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔ (رواه ابو داؤد والنسائی والدارمی)

حواله: ابوداؤد شریف: ٧٦، باب فی الاقامة، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۰۔ نسائی شریف: ١٠٧، باب الاذان مثنی مثنی، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۱۵۳۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے، اور اقامت کے کلمات سوائے قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ کے ایک بار تھے، قد قامت الصلوٰۃ مؤذن دوبار کہتا تھا۔

تشــریح: اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے کلمات کا تلفظ دو دو بار کیا جاتا تھا، اور اقامت کے کلمات "**قد قامت الصلوٰۃ**" کے علاوہ ایک ایک بار کہے جاتے تھے، اقامت کے مسئلہ میں یہ حدیث امام شافعیؒ کے عین مطابق ہے۔

الاذان مرتین مرتین: اذان میں شروع کی تکبیریں چار بار کہی جائیں گی، اور آخر میں "**لا الٰــہ الا اللہ**" ایک بار، باقی کلمات دو دو بار ادا کئے جائیں گے، امام مالکؒ شروع کی تکبیر دو دو مرتبہ کہنے کے قائل ہیں، نیز امام مالک وشافعی شہادتین دو دو مرتبہ کہنے کے بجائے چار بار کہنے کے قائل ہیں، ان دونوں مسائل کو مع دلیل کے حدیث نمبر: ۵۹۰ر کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔

والاقامۃ مرۃ مرۃ: امام شافعیؒ کے نزدیک اقامت میں کل گیارہ کلمات ہیں، دو بار شروع میں تکبیر دو بار "**لا الہ الا اللہ**" سے پہلے تکبیر دو بار "**قد قامت الصلوٰۃ**" بقیہ کلمات ایک ایک بار، امام مالک قد قامت الصلوٰۃ کو بھی ایک بار کہنے کے قائل ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک اقامت میں دس کلمات ہیں، امام صاحب کے نزدیک اقامت کے کل کلمات سترہ ہیں۔ پندرہ اذان والے اور دو بار قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہے، یہ اختلاف مع دلائل بھی حدیث نمبر: ۵۹۰ر کے تحت گذر چکا ہے وہیں دیکھ لیا جائے۔

حــدیث باب کا جواب: حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے کلمات کا تلفظ ایک ایک بار کیا جائے گا، دو دو بار نہیں کیا جائے گا، احناف کی طرف سے اس کے چند جواب دئے جاتے ہیں:

(۱)......حضرت شیخ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا تعلق ہر اذان سے نہیں، بلکہ صرف اذان صبح سے ہے، آپ کے زمانے میں صبح کے وقت دو

بار اذان ہوتی تھی۔ (۱) تہجد کیلئے آخر شب میں، (۲) فجر کیلئے صبح صادق کے بعد۔ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے تھے، اور ایک مرتبہ عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اذان تو دو بار کہی جائے گی، اور اقامت صرف ایک بار۔

(۲)......اذان دو بار کہنے کا مقصد اذان میں ترسل ہے، یعنی اس کا دو سانس میں تلفظ کیا جائے گا، اور اقامت کو ایک بار کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو حدراً ایک سانس میں کہا جائے گا، حاصل یہ نکلا کہ یہ یہاں مرتین اور مرۃ کیفیت ادا پر محمول ہیں، عدد پر محمول نہیں ہیں، اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، "**یا بلال اذا اذنت فترسل فی اذانک واذا اقمت فاحدر**" (ترمذی شریف)

غیر انہ کان یقول قد قامت الصلوۃ الخ: یہ راوی کا ادارج ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اقامت کا استثنا مفہوم کلام سے ہے، یعنی حدیث سے بظاہر سمجھ میں آ رہا ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات یکساں ہیں، لہٰذا استثنا کر کے بتا دیا کہ تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ زائد ہے۔

حضرت کا یہ قول بہت مناسب اور بہت عمدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا استثناء ہے، اگر تعداد سے استثناء ہوتا تو اللہ اکبر کا بھی استثناء ہوتا، کیونکہ یہ اقامت میں بالاتفاق مکرر ہے۔

اقامت میں سترہ کلمات ہیں

﴿۵۹۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشَرَ كَلِمَةً۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤ والنسائی والدارمی وابن ماجۃ)

حوالہ: مسند احمد: ۲/۴۰۱ . ابوداؤد شریف: ۷۳، باب کیف الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۲۔ ترمذی شریف: ۱/۴۸، باب الترجیع فی الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۹۲۔ نسائی شریف: ۱/۱۰۳، باب کم الاذان من کلمۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۲۹۔ ابن ماجہ شریف: ۵۲، باب الترجیع فی الاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۰۹۔ دارمی: ۲۹۲، باب الترجیع فی الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۱۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اذان انیس کلمات کے ساتھ اور اقامت (تکبیر) سترہ کلمات کے ساتھ سکھائی۔

تشریح: اس حدیث میں اذان وا قامت کے کلمات کی تعداد کا ذکر ہے، حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اذان میں تو انیس کلمات ہیں، اور اقامت میں سترہ کلمات، اقامت کے سلسلہ میں تو حدیث حنفیہ کی مؤید ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اقامت میں سترہ کلمات ہی ہیں، لیکن اذان میں حنفیہ کے نزدیک پندرہ کلمات ہیں، اس لئے اذان کے مسئلہ میں یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔

الاذان تسع عشر کلمۃ: اذان میں انیس کلمات ہیں، اذان میں انیس کلمات اس وقت ہیں جب ترجیع کو شامل کرلیا جائے، یعنی دوبار شہادتین کا تلفظ پست آواز سے کیا جائے، پھر دوبار شہادتین کا تلفظ بلند آواز سے کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کوتعلیماً ترجیع کا حکم دیا تھا، تشریعاً حکم نہیں دیا تھا، لہٰذا حنفیہ کے نزدیک ترجیع اذان کا جزنہیں ہے، اور ترجیع نہ ہونے کی بناپر اذان کے کلمات کی تعداد پندرہ ہے۔

و الاقامة سبع عشرة كلمة: اقامت میں سترہ کلمات ہیں، پندرہ اذان والے کلمات، اور دوبار قد قامت الصلوٰۃ اس طرح اقامت کے کلمات کل سترہ ہوگئے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو تعلیم اذان

﴿۵۹۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِیْ سُنَّةَ الْاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهٖ قَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ تَرْفَعُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ تَخْفِضُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِشَهَادَةِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ فَاِنْ كَانَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ قُلْتَ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۷۲/ ۱، باب کیف الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ کو اذان کا طریقہ سکھلا دیجئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کے

اگلے حصہ پر ہاتھ پھیرا پھر کہا کہو (کلمات حدیث متن میں دیکھئے، یہاں ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے)

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، ان کلمات کو کہتے وقت اپنی آواز کو بلند کرو، اور پھر کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، ان کلمات کو پہلے آہستہ آواز سے کہو پھر کلمات شہادت کے وقت اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، پھر اگر صبح کی نماز ہو تو کہو نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کا تذکرہ ہے۔

فمسح مقدم رأسہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھانے سے پہلے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے سر پر دست شفقت پھیرا؛ تاکہ اس کی برکت سے ان کو اذان کے کلمات ان کے معانی اور دین سے متعلق دوسری باتیں اچھی طرح سمجھ میں آجائیں، حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بال کبھی نہیں کٹوائے، کیونکہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا تھا۔

تخفض بها صوتک ثم ترفع صوتک بشهادة: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو ترجیع کا حکم دیا، یعنی شہادتین کا تلفظ پست آواز

سے دومرتبہ کرو، پھر بلند آواز سے دومرتبہ کرو، ترجیع ہمارے یہاں نہیں ہے، اس لئے ہماری جانب سے سابق میں یہ جواب دیا گیا تھا، کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو تعلیما ترجیع کا حکم تھا، تشریعاً نہیں تھا، لیکن اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ ترجیع کا حکم تشریعاً تھا، لہٰذا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر مؤذنین مثلاً حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعد قرظی رضی اللہ عنہ کی اذانوں میں ترجیع نہیں ہے، لہٰذا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو منسوخ یا مرجوح قرار دیا جائے گا۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ غزوۂ حنین سے واپسی کے موقعہ پر پیش آیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کے بعد بھی بلاترجیع اذان دیتے رہے، معلوم ہوا کہ ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث منسوخ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ترجیع کا حکم کسی وقتی مصلحت کی بنا پر دیا تھا۔

فان کان صلوة الصبح: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے، فجر کی اذان میں ان کلمات کو دو دو مرتبہ کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ تثویب کی وضاحت

﴿۵۹۵﴾ وَعَنْ بِلَالٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُثَوِّبَنَّ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ اِلَّا فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ. (رواہ الترمذی وابن ماجۃ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْاِسْرَائِیْلَ

الرَّاوِیُّ لَیْسَ بِذٰلِكَ الْقَوِیِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ.

حواله: ترمذی شریف: ۴۹/ ۱، باب التثویب فی الفجر. کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۹۸۔ ابن ماجة شریف: ۵۲، باب السنة فی الاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۱۵۔

ترجمه: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''کہ فجر کی نماز کے علاوہ کسی دوسری نماز میں تثویب مت کرو، (ترمذی شریف، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا ہے کہ ''ابو اسرائیل راوی'' محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

تشریح: اصل میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دینے کے بعد بیٹھ جاتے تھے، جب مسجد میں لوگ اکٹھا ہو جاتے، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آواز دے کر آپ کو اٹھاتے تھے، کیا الفاظ استعمال کرتے تھے یہ معلوم نہیں؛ ایک دن اذان دینے کے بعد حسب معمول اٹھانے گئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی ہے، اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ''الصلوٰۃ خیر من النوم یا رسول اللّٰہ'' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی اور آپ کو یہ جملہ پسند آیا؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے اپنی اذان میں کہا کرو'' حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچوں نمازوں میں اس کو شامل کرلیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور کہا کہ صرف فجر کی نماز میں اس کو شامل کرو، بقیہ نمازوں میں نہیں۔

لاتثوبن: تثویب ثوب سے مشتق ہے، کسی کو بلانے کے لئے بار بار کپڑا ہلانا، اصطلاح شرع میں تثویب کہتے ہیں اعلان کے بعد اعلان کرنا۔ (بذل المجہود: ۱/۳۰۶)

حی علی الصلوٰۃ کے بعد، الصلوۃ خیر من النوم کہنا تثویب ہے، کیونکہ ایک

بارحی علی الصلوٰۃ سے نماز کے لئے بلایا گیا ہے اور پھر الصلوٰۃ خیر من النوم سے بھی نماز کی طرف دعوت دینا ہی ہے، یہ تثویب صرف فجر میں ہے اور یہ باالاتفاق مسنون ہے۔

البحر الرائق میں تثویب کی دو قسمیں مذکور ہیں۔(۱) تثویب قدیم۔(۲) تثویب جدید۔

تثویب قدیم تو فجر کی نماز میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" ہے اور یہ باالاتفاق مسنون ہے۔

(۱)......تثویب جدید یہ ہے کہ مؤذن اذان واقامت کے درمیان "الصلوٰۃ جامعۃ" یا "الصلوٰۃ" پکارے، اسی طرح ہر شہر میں اس کے عرف کے مطابق یعنی فجر میں اذان واقامت کے درمیان سونے والوں کو غفلت سے بیدار کرنے کیلئے الصلوٰۃ جامعہ یا اس طرح کے الفاظ کہے جائیں۔

(۲)......پانچوں نمازوں میں تثویب کی جائے۔

(۳)...... جو لوگ ملت اور دین کے کاموں میں مشغول ہوں ان کو شخصی طور پر تثویب کی جائے۔ یہ آخری تیسرا قول مختار ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تثویب کرتے تھے، اس کے علاوہ تثویب بدعت ہے، نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "انہ رای مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد" اس بدعتی کو مسجد سے باہر کردو۔

اذان ٹھہر ٹھہر کر دینا چاہئے

﴿۵۹۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ إِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا اَقَمْتَ

فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْ مَايَفْرُغُ الاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِىْ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِالْمُنْعِمِ وَهُوَ اِسْنَادٌ مَجْهُوْلٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۴۸، باب الترسل فی الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۹۵/۱۹۶۔

حل لغات: تَرَسَّلْ امر حاضر ہے، تفعل سے، مصدر تَرَسُّلاً، فی کلامه وقراءته، ومشیه، ٹھہر ٹھہر کر بولنا، پڑھنا، اورآہستہ آہستہ چلنا، اُحْدُرْ حَدَرَ (ن) حُدُوْرًا، القراٰةَ والاذانَ، جلدی پڑھنا، جلدی اذان دینا، والمعتصر، اعتصر من الشیء کوئی چیز لینا، به، پناہ لینا، الشیء نچوڑنا، یہاں قضائے حاجت کو جانے والا مراد ہے۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: ''جب اذان دو ٹھہر ٹھہر کر اذان دو، جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہو، اور اپنی اذان اور اپنی اقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ کھانے والا، اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور استنجاء کرنے والا اگر قضائے حاجت کے لئے گیا ہو تو وہ قضاء حاجت سے فارغ ہو جائے اور تم لوگ جب تک مجھ کو نہ دیکھ لو نماز کے لئے نہ کھڑے ہو۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس روایت کو ہم عبدالمنعم کے سوا کسی اور سند سے نہیں جانتے اور ان کی اسناد مجہول ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان واقامت کے سلسلہ میں چند امور کی تعلیم دی ہے۔

(۱)......اذان بہت جلدی جلدی نہ کہنا چاہئے۔

(۲)......تکبیر کہنے میں اذان کی طرح بہت ٹھہرنا نہ چاہئے۔

(۳)......اذان وا قامت کے درمیان تھوڑا فاصلہ ضرور رکھنا چاہئے۔

(۴)......امام اگر موجود نہ ہو تو صف میں کھڑے نہ ہونا چاہئے، بلکہ امام کا انتظار کرنا چاہئے۔

اذا اذنت فترسل: ترسل کے معنی ہیں اطمینان سے کوئی کام کرنا، ترسل فی الکلام کا مطلب ہے جلدی جلدی نہ بولا جائے، اور ترسل فی المشی اسی وقت بولا جاتا ہے جب آدمی جلدی جلدی نہ چلے، اذان میں ترسل کا مطلب ہے کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے اذان دینا اور ایک کلمہ کہہ کر ذرا توقف کرنا تاکہ سانس بحال ہو جائے، اور آواز بلند ہو جائے، اور آواز کا بلند ہونا اذان کے مقصد میں داخل ہے، اسلئے کہ اذان اصلاً غائبین کیلئے ہے۔

واذا اقمت فاحدر: تکبیر میں حدر ہے، یعنی تکبیر جلدی کہی جائے گی، مطلب یہ ہے کہ کلمات اقامت کو روانی سے ادا کیا جائے، اس میں نہ ٹھہرا جائے، اور نہ آخری لفظ کو کھینچا جائے، اصل میں اقامت میں آواز کو بلند کرنا مقصود نہیں ہے، چونکہ اقامت حاضرین کے لئے ہے۔

واجعل بین اذانک واقامتک: اذان وا قامت کے درمیان کچھ فصل ہونا چاہئے، اتنا فصل ہونا چاہئے کہ آدمی ضروریات سے فارغ ہو کر جماعت میں شریک ہو جائے، اس کی کچھ مقدار مقرر نہیں ہے، اپنے اپنے یہاں کے حالات کے اعتبار سے باہمی مشورہ سے وقت مقرر کر سکتے ہیں۔

ولا تقوموا حتی ترونی: یہ خطاب اگر قوم سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ میرے آنے سے پہلے نہ کھڑے ہو، اس لئے کہ اس میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے، اور اگر یہ خطاب موذنوں کو ہے تو مطلب یہ ہے کہ میرے آنے سے پہلے اقامت نہ کہو اور کھڑے نہ ہو اس لئے کہ اس صورت میں ایک طرح سے امام کو مجبور کرنا ہے۔

اصلاً اقامت حاضرین کی اطلاع کے لئے ہے؛ لہٰذا امام کے آنے پر تکبیر کہی جائے اور تمام لوگ کھڑے ہو جائیں، یہی قول سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس کے علاوہ بھی چند اقوال ہیں ان کی وضاحت کسی اور موقعہ پر کی جائے گی، بریلوی حضرات امام کے موجود ہونے کے باوجود ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہوتے ہیں، وہ غلط کرتے ہیں کیونکہ اس میں تکبیر کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، کیونکہ تکبیر تو اللہ اکبر سے شروع ہوتی تھی، انہوں نے فقہ کی عبارتوں "یقوم الناس عند حی علی الصلوٰۃ" سے یہ سمجھا کہ اس سے پہلے کھڑا نہ ہونا چاہئے حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے آدمی تکبیر شروع ہونے کے وقت بھی بیٹھا رہا، تو اب ''حی علی الصلوۃ'' پر ضرور کھڑا ہو جائے۔

تعارض مع دفع تعارض

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھنے سے پہلے نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے، کیونکہ اگر دیکھنے سے پہلے کھڑے نہ ہوتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منع کیوں کرتے اور دوسری روایت ہے جس میں مذکور ہے: "ان بلالا کان لا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر سے نکلنے سے پہلے حضرت بلال تکبیر نہیں کہتے تھے، یعنی جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے تھے تبھی تکبیر کہتے تھے۔

دفع تعارض: حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے، اور جوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اقامت شروع کر دیتے، حالانکہ اکثر لوگوں نے ابھی تک دیکھا نہ ہوتا تھا اور کھڑے ہو جاتے تھے،

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو، اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر امام نہ ہو اور تکبیر شروع بھی ہو جائے تو بھی مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

قال لا نعرفه الا من حديث عبد المنعم: امام ترمذی کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کو صرف "عبدالمنعم" نے روایت کیا ہے، کسی اور راوی نے روایت نہیں کیا، امام ترمذی کا یہ قول اپنے علم کی بنیاد پر ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو دوسرے راویوں نے بھی نقل کیا ہے اور یہ مضمون دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

اقامت موذن کہے

﴿۵۹۷﴾ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُذِّنَ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۴۷، باب من اذن فهو يقيم، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۹۹۔ ابوداؤد شریف: ۱/۷۶، باب فی الرجل يؤذن ويقيم آخر، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۴۔ ابن ماجه شریف: ۵۲، باب السنة فی الاذان، كتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۱۷۔

ترجمه: حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو نماز فجر کی اذان دینے کا حکم کیا، تو میں نے

اذان دی، پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ صدائی بھائی نے اذان دی ہے، اور جو اذان دے وہی تکبیر بھی کہے۔

تشریح: ان اخا صداء: زیاد بن حارث کو اخو صداء اس لئے کہا ہے کہ یہ قبیل صدا سے تعلق رکھتے تھے، اور عرب میں دستور ہے کہ جو شخص جس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اس کو اس کا بھائی کہتے ہیں۔

بعض احادیث میں امام کے لئے ''احق بالاقامة'' کا لفظ آیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اقامت جس وقت امام چاہے اسی وقت ہونی چاہئے۔

اقامت میں ائمہ کا اختلاف

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے، لیکن اگر موذن کو ناگوار نہ ہو تو اس سے اجازت لے کر دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے۔

دلیل: یعنی اقامت مؤذن کے لئے کہنا مستحب ہے، اس کی دلیل تو حدیث باب ہے، اور اس بات کی دلیل کہ مؤذن کی مرضی کے ساتھ دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے، اور بہت سے واقعات ہیں جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی، اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوا۔

امام شافعیؒ کا مسلک: امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مؤذن کے بجائے کسی اور کو تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے: ''من اذن فھو یقیم'' وہ اس حدیث کو اولویت پر

محمول نہیں کرتے، بلکہ اقامت کے حق کو مؤذن کے لئے اس حدیث سے مخصوص کرتے ہیں۔

جواب: یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے؛اس لئے کہ حنفیہ تو خود کہتے ہیں کہ موذن کے لئے ہی تکبیر کہنا مستحب ہے، البتہ مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص بھی کہہ سکتا ہے، جب مؤذن کو ناگوار نہ ہو، اور یہاں حضرت زیاد کو تکلیف پہونچ سکتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیاد رضی اللہ عنہ ہی سے تکبیر کہلوائی، حضرت زیاد نے اذان کے کہنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کردیا تھا کہ میں اقامت بھی کہوں گا، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے ہرگز خلاف نہیں، نیز یہ حدیث ضعیف بھی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہیں، جو اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، مسجد نبوی میں بسا اوقات حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اقامت کہتے تھے، ایسے ہی اس کے برعکس بھی ہوتا تھا، اس لئے "من اذن فھو یقیم" محض اولویت پر محمول ہوگا۔اور امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً مباح ہے۔(الدر المنضود:۲/۱۰۴)

﴿الفصل الثالث﴾

اذان مشروع ہونے سے پہلے کا مشورہ

﴿۵۹۸﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلٰوةِ وَلَيْسَ

يُنَادِيْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۸۵/۱، باب بدء الاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۰۴۔ مسلم شریف: ۱۶۴/۱، باب بدء الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۷۷۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مسلمان جب مدینہ منورہ میں آئے تو وہ جمع ہوتے اور نماز کا وقت اندازے سے طے کرتے، نماز کے لئے کوئی شخص آواز نہیں لگاتا تھا، چنانچہ ایک دن اس سلسلہ میں بات چیت ہوئی، بعض لوگوں نے کہا کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح کوئی چیز متعین کرلی جائے اور بعض نے کہا یہودیوں کے سنکھ کی طرح سنکھ اختیار کرلیا جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ کسی آدمی کو متعین کیوں نہیں کردیتے جو بلند آواز سے نماز کا اعلان کردیا کرے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا اے بلال کھڑے ہو اور بلند آواز سے اعلان کردو۔

تشریح: مدینہ طیبہ پہنچنے تک اذان کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، لوگ اپنے اپنے انداز سے مسجد حاضر ہوجاتے تھے، کوئی نماز سے بہت پہلے آجاتا، اور کسی کو آنے میں تاخیر ہوجاتی، اس لئے اس بابت غور ہوا کہ کوئی ایسی چیز طے پایا جائے جس سے تمام لوگ وقت پر جمع ہوجائیں، مشورہ میں کئی چیزیں آئیں؛ لیکن ان میں غیر قوموں سے مشابہت تھی، اس لئے ان چیزوں کو ترک کرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق یہ طے پایا کہ نماز سے پہلے مدینہ کے گلی کوچوں میں ''الصلوۃ جامعۃ'' پکارا جایا کرے، تقریباً بیس دن تک یہ

سلسلہ چلتا رہا، پھر عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کے خواب والا واقعہ پیش آیا، جس کی تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

الصلوة جامعة: یہاں اذان شرعی مراد نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، اور اس کے لئے صرف یہی ایک لفظ کہا جاتا تھا، اور پوری اذان کا مسئلہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب دیکھنے کے بعد طے ہوا۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا اذان سے متعلق خواب

﴿۵۹۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِرَبِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْا بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَكَذَا الْاِقَامَةَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ (رواه ابوداؤد والدارمی وابن ماجة) اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْاِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا

حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لَكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۷۲،۷۱، باب کیف الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۹۹۔دارمی:۲۸۶،۲۸۷/۱، باب فی بدء الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۱۸۷۔ابن ماجہ شریف: ۵۱، باب بدء الاذان، کتاب الاذان والسنۃ فیھا، حدیث نمبر:۷۰۶۔ترمذی شریف:۴۸/۱، باب ماجاء فی بدء الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۸۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا، تاکہ نماز کی جماعت میں لوگوں کو بلانے کے لئے وہ بجایا جائے، تو میرے پاس ایک آدمی نے چکر لگایا درانحالیکہ میں سورہا تھا، وہ آدمی اپنے ہاتھوں میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا، میں نے اس شخص سے کہا کہ اللہ کے بندے کیا تم ناقوس بیچ رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا تم ناقوس کا کیا کروگے؟ میں نے کہا میں اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤں گا، تو اس آدمی نے کہا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے اس سے کہا کیوں نہیں، تو اس نے کہا کہو اللہ اکبر آخیر تک اور اسی طرح اقامت بھی کہلوائی، پس جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا اس سے مطلع کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً یہ سچا خواب ہے اگر اللہ نے چاہا، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ، اور تم نے خواب میں جو کلمات دیکھے ہیں وہ بلال کو بتاتے جاؤ، اور بلال ان کلمات کے ذریعہ سے اذان دیں، اس لئے کہ بلال کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، چنانچہ میں بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوگیا، میں ان کو اذان بتاتا جاتا، وہ اذان دیتے جاتے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سنی، درانحالیکہ وہ اپنے گھر میں تھے؛ چنانچہ وہ اپنی چادر کھینچتے ہوئے

نکلے، اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، بیشک میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے، جو دکھایا گیا ہے، (عبداللہ کو) اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد للہ۔ (ابوداؤد شریف، دارمی، ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ کی روایت میں اقامت کا ذکر نہیں ہے، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، لیکن ترمذی نے ناقوس کی بات نقل نہیں کی ہے۔

تشریح: امر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بالناقوس: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناقوس کی تیاری کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ ارادہ فرمایا تھا، جس کو راوی نے حکم سے تعبیر کیا ہے۔

وکذا الاقامۃ: یعنی اذان ہی کی طرح اقامت بھی سکھائی، یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کی مؤید ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ جتنی مرتبہ اذان میں کلمات کہے جائیں گے اتنی ہی بار اقامت میں بھی کہے جائیں گے، امام مالک وشافعی اذان میں شفعہ اور اقامت میں ایتار کے قائل ہیں۔

فانہ اندی صوتا: اندی کے دو معنی ذکر کئے گئے ہیں۔

(۱)......احسن۔ (۲)......ارفع۔

پہلی صورت میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن کا حسن الصوت ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں رفیع الصوت ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مؤذن ایسا شخص ہونا چاہئے جس کی آواز عمدہ بھی ہو بلند بھی ہو۔

سوئے ہوئے شخص کو نماز کے لئے جگانا

﴿۲۰۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَكَانَ لَايَمُرُّ بِرَجُلٍ اِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ اَوْ حَرَّكَهُ بِرِجْلِهٖ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۷۹، باب الاضطجاع بعدها، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۲۶۴۔

ترجمه: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز کیلئے نکلا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گذرتے اس کو نماز کیلئے پکارتے، یا اپنے پاؤں سے اس کو ہلاتے۔

تشریح: نماز کے وقت سوئے ہوئے شخص کو پکار کر یا ہلا کر جگانا جائز ہے۔

صلوۃ الصبح: فجر کی نماز مراد ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس سے تثویب کی مشروعیت نکلتی ہے۔

تنبیه: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر سے حرکت دیکر بیدار کرنا بھی درست ہے، مگر آج کل پیر سے نہیں اٹھانا چاہئے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیر مبارک کا کسی کو لگ جانا باعث فخر وشادمانی تھا، مگر آج کسی کو پیر سے حرکت دیکر اٹھانے سے اس کو ناگواری ہوگی، وہ اس کو اپنی تحقیر خیال کریگا، اس لئے اس سے اجتناب کیا جائے، البتہ اپنا کوئی چھوٹا ہے یا ایسا بے تکلفی اور محبت کا تعلق ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ اس کو ناگوار نہیں ہوگا جیسے کوئی شوہر بیوی کو جگائے تو پھر مضائقہ نہیں۔

فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کہنا

﴿۱۰۶﴾ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَنْهُ یُؤْذِنُهُ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهٗ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ فَأَمَرَهٗ عُمَرُ اَنْ یَجْعَلَهَا فِیْ نِدَاءِ الصُّبْحِ۔ (رواہ فی المؤطا)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۲۴، باب ماجاء فی النداء للصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو یہ روایت پہنچی ہے کہ مؤذن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تا کہ ان کو فجر کی نماز کی اطلاع دے، تو مؤذن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سوتے ہوئے پایا، چنانچہ مؤذن نے کہا: "الصلوٰۃ خیر من النوم" [نماز نیند سے بہتر ہے] تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ اس کلمہ کو فجر کی اذان میں شامل کرلے۔

تشریح: فامرہ ان یجعلھا: اس جملہ سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اذان فجر میں اضافہ ہوا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کلمہ کو اذان کا جز بنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان گذر چکا ہے۔

یہاں اس جملہ کا مقصد مؤذن کو تنبیہ کرنا ہے، چونکہ یہ کلمہ اذان فجر میں کہنا مسنون تھا، لیکن مؤذن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جگانے کے لئے استعمال کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات ناگوار ہوئی، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موذن کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کلمہ کو سوئے ہوئے شخص کو جگانے کے لئے استعمال نہ کرو، بلکہ نماز فجر کی اذان میں کہو، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو شخص مسلمانوں کے امور میں مشغول رہتا ہو مثلاً خلیفہ، قاضی، مفتی وغیرہ تو ان کے حق میں تھویب مستحسن ہے۔

اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا

﴿۲۰۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَّجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه شريف: ۵۲، باب السنة في الاذان، كتاب الاذان والسنة فيها، حدیث نمبر ۷۱۰۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈال لیا کریں، آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ چیز تمہاری آواز کو بلند کردے گی۔

تشریح: اذان دیتے وقت اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کرلینا چاہئے؛ کیونکہ اس سے آواز بلند ہوجاتی ہے اور دور تک کے لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

وعن عبد الرحمن بن سعد: حضرت سعد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اور مسجد قباء میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقرر کردہ مؤذن تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب تک حیات رہے یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اسی مسجد میں اذان دینے کی خدمت انجام دیتے رہے، آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو قبا سے بلاکر مسجد نبوی میں موذن مقرر کردیا تھا، کیونکہ مسجد نبوی

کے اصل مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھوڑ کر ملک شام کو چلے گئے تھے، اور پھر حضرت سعد اپنی وفات تک مسجد نبوی ہی میں مؤذن رہے۔ انہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام عمار ہے جو تابعی ہیں، حضرت عمار کے بیٹے کا نام بھی سعد ہے، اور سعد کے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن ہے، پس یہ روایت حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں اور وہ (سعد) اپنے والد حضرت عمار سے، اور حضرت عمار اپنے والد حضرت سعد صحابی رضی اللہ عنہ سے، کہ جو سعد بن عمار کے دادا ہوئے، لہٰذا عن ابیه اور عن جده دونوں کی ضمیریں لفظ ابی کی طرف راجع ہیں۔

انه ارفع لصوتک: کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان دینے سے آواز بلند ہو جاتی ہے، اس وجہ سے کہ مؤذن کان میں انگلیاں ڈالنے کے بعد بلند آواز ہی سن پاتا ہے، اور بلند آواز بھی اس کو پست محسوس ہوتی ہے، اور یہ چیز مزید قوت صرف کر کے آواز نکالنے کو تحریک بخشتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اقامت میں کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالی جائیں گی، اس وجہ سے اقامت کا مقصد حاضرین کو اطلاع دینا ہے، اس میں بلند آواز کی ضرورت نہیں ہے، اور یہی معمول بھی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا مستحب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فضل الاذان واجابة المؤذن

(اذان اور مؤذن کے جواب دینے کی فضیلت)

نماز ایک بہت ہی اہم فریضہ ہے، لہٰذا اس سے متعلق اذان واقامت کی بھی بہت فضیلت واہمیت قرآن واحادیث سے ثابت ہے، اذان واقامت شعار دین میں سے ہیں، اور شعائر دین کا احترام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے پاس تقویٰ کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:"ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب"

آج عام طور پر مسلمان اس عظیم شعار کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی بنا پر نہ تو اذان واقامت کا اہتمام کرتا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت ہے، جو اس مقدس فریضہ کو انجام دیتے ہیں، اس باب میں جو احادیث ہیں ان سے مؤذن کی اتنی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس پر یقین ہو جائے تو اس فریضہ میں سبقت کرنے کو ہر ایک بے چین ہو جائے، اور بغیر قرعہ ڈالے اس مسئلہ کا تصفیہ نہ ہو سکے، لیکن ناواقفیت اور یقین کی کمی کی وجہ سے اذان کو کمتر درجہ کے لوگوں کا کام سمجھ لیا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مؤذن کا جواب دینے کی بھی بہت فضیلت بیان کی ہے، لیکن آج اس کی بھی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے، چنانچہ اس جانب بھی مجرمانہ حد تک غفلت برتی جارہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اذان کا جواب دل کے یقین کے ساتھ دیگا وہ جنت میں جائیگا، مؤذن کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے لمبی گردن والے مؤذن ہوں گے، مؤذن کی بخشش کی جاتی ہے اس کی آواز کی درازی تک۔

رحمۃ اللہ الواسعہ میں فضائل اذان اور اجابت مؤذن سے متعلق بہت سی اہم باتیں مذکور ہیں چند کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

فضائل اذان کی بنیادیں

احادیث میں اذان دینے کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں ان کی دو بنیادیں ہیں۔

(۱)...... **پہلی بنیاد:** اذان اسلام کا ایک امتیازی شان ہے، اس کی وجہ سے ملک دارالاسلام محسوس ہوتا ہے، حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح صادق کے بعد حملہ کیا کرتے تھے، یعنی شب خون نہیں مارا کرتے تھے، اور صبح کے بعد بھی اذان سنا کرتے تھے، اگر اذان کان میں پڑتی تو حملہ کرنے سے رک جاتے، یعنی مسلمانوں کو علیحدہ ہونے کا موقعہ دیتے، ورنہ حملہ کرتے۔ (مشکوۃ شریف: ۶۵، حدیث نمبر: ۶۶۲، باب فضل الاذان)

پس جو کام اس درجہ اہمیت کا حامل ہو اس کے فضائل ہونے ہی چاہئیں۔

(۲)...... **دوسری بنیاد:** اذان نبوت کا ایک اہم شعبہ ہے، نبوت کا کام لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہے، اور اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی دعوت دی جاتی ہے، جو اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اور عبادات میں مرکزی عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند اور شیطان کو سب سے زیادہ ناپسند دین کے وہ کام ہیں جن کا فائدہ

دوسروں تک پہنچتا ہے اور جس سے اللہ کا بول بالا ہوتا ہے۔

اذان کے جواب کی حکمت

اذان کے ذریعہ آنے کی لوگوں کو دعوت دینا ہے، اس بلاوے پر مسجد پہنچنا اجابت فعلی ہے، اور منھ سے اذان کا جواب دینا اجابت قولی ہے اور دونوں ہی مطلوب ہیں، اول کی تاکید زیادہ ہے، کیوں کہ اذان سے وہی اصل مقصود ہے، اور ثانی سنت ہے، دونوں طرح سے جواب دینے کا الگ الگ حدیثوں میں حکم دیا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ جماعت میں آنے کا بلاوا ہے، دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت عام ہے، پہلی حیثیت سے اذان سننے والے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اذان سنتے ہی نماز میں شرکت کیلئے تیار ہو جائے، اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے، اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ جب اذان سنے تو اپنے ایمان کی تجدید کرے، اور اذان کے ہر کلمہ کا جواب دے، اور اپنے دل اور زبان سے ان باتوں کی تصدیق کرے۔

﴿الفصل الاول﴾

مؤذن کی فضیلت

﴿۲۰۳﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

حواله: مسلم شریف:۱/۱۶۷، باب فضل الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۸۷۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''کہ مؤذن حضرات قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ لمبی گردن والے ہوں گے۔

تشریح: قیامت کے دن مؤذنوں کا بہت بڑا مقام ومرتبہ ہوگا، اور ان کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب میسر ہوگا۔

(۱)......بعض لوگوں نے اس کے معنی ''اکثرھم اعمالا'' بیان کئے ہیں جیسے ''فلان عنق من الخیر'' بولا جاتا ہے، [فلاں آدمی اچھائی کا ایک حصہ رکھنے والا ہے]

(۲)......بعض لوگوں نے ''اکثرھم رجاء'' معنی ذکر کئے ہیں: کیونکہ جب آدمی کو کسی چیز کے حصول کی امید ہوتی ہے تو وہ گردن اونچی کر کے اسکی طرف دیکھتا ہے، قیامت کے دن جب لوگ غم اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے تو یہ حضرات مؤذنین آرام وراحت کے ساتھ اس بات کے منتظر ہونگے کہ کب انہیں دخول جنت کا پروانہ ملے۔

(۳)......بعض نے ''الدنو من اللہ تعالیٰ'' معنی ذکر کئے ہیں، یعنی قیامت کے دن مؤذن کو اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہوگا۔

(۴)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے سرداروں کو لمبی گردن والوں سے متصف کرتے تھے، یعنی لمبی گردن سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لئے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مؤذن لوگ قیامت کے دن لمبی گردن والے یعنی سردار ہوں گے۔

(۵)......بعض نے اعناق بکسر الہمزہ ذکر کیا ہے، جس کے معنی ''الاسراع'' ہیں، یعنی

جنت کی طرف چلنے کے حوالے سے مؤذن لوگ تیز رفتار ہوں گے۔

(٦)...... چونکہ مؤذن دنیا میں گردن لمبی کر کے اذان دیتا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے مراتب بلند کریں گے، اسی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طول اعناق فرمایا ہے۔ (مرقاۃ:۱۵۵-۱۵۹/۱)

اذان سے شیطان کا بھاگنا

﴿۲۰۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَایَسْمَعَ التَّاذِیْنَ فَاِذَا قُضِیَ النِّدَاءُ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قُضِیَ التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطُرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ یَقُوْلُ اُذْکُرْ کَذَا اُذْکُرْ کَذَا لِمَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَایَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۸۵/ ۱، باب فضل التأذین، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۵۰۸۔مسلم شریف:۱۶۸/ ۱، باب فضل الاذان، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۸۹۔

حل لغات: ضراط، گوز (آواز کے ساتھ سرین سے نکلنے والی ریح) ضرط (ض) ضرطاً، گوز مارنا، ثوّب مصدر تثویب، جا کر لوٹنا، بالصلوة، نماز کے لئے بلانا، یخطُرُ خطرَ (ن) خُطُوْرًا سامنے آنا، بباله، ذہن میں آنا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان آواز کے ساتھ ریح خارج کرتا ہوا پشت پھیر کر بھاگتا ہے، تا کہ اس کو اذان سنائی نہ دے، پھر جب اذان ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جاتی ہے، پھر پشت پھیر کر بھاگتا ہے، پھر جب اقامت ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی اور اس کے درمیان وسوسہ اندازی کرتا ہے، کہ فلاں چیز کو یاد کرو، فلاں بات کو یاد کرو، وہ چیزیں اور وہ باتیں یاد دلاتا ہے، جو نمازی کو یاد نہیں تھیں حتی کہ نمازی اس بات سے غافل ہو جاتا ہے کہ کتنی رکعت نماز پڑھی۔

تشــریح: اللہ تعالی نے اذان وتکبیر میں اتنی ہیبت رکھی ہے کہ شیطان اس کا تحمل نہیں کر پاتا، چنانچہ جیسے ہی اذان وتکبیر شروع ہوتی ہے، وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، لیکن نماز میں حاضر ہو کر نمازی کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے، اس کے ذہن کو اس اہم عبادت سے ہٹا کر دوسرے خیالات میں مشغول کر دیتا ہے، اس حدیث سے جہاں ایک طرف اذان واقامت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان جوں ہی موقع پاتا ہے انسان کو نقصان پہنچانے سے باز نہیں رہتا، لہذا نمازیوں کو خاص طور پر اپنے اس ازلی دشمن کو پہچاننا چاہئے اور اپنی بھرپور قوت صرف کر کے حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہئے تا کہ شیطان کا قابو اس پر نہ چل سکے۔

ادبر الشیطان لہ ضراط: "ضراط" کہتے ہیں مقعد کی راہ سے با آواز بد بودار ہوا کے نکلنے کو، اذان واقامت کے وقت شیطان ریح خارج کرتا ہے، ریح خارج کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کلمات اذان کان میں نہ پڑیں گے، یا پھر استہزاءً ریح خارج کرتا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ریح خارج کرنا حقیقتاً ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کیونکہ وہ بھی جسم رکھتا ہے غذائیں کھاتا ہے، اور دیگر ضرورتیں بھی پورا کرتا ہے، جیسا کہ بہت سی

احادیث سے ثابت ہے، یا پھر یہ شدت نفرت سے مجاز ہے، یا اس چیز سے کنایہ ہے کہ شیطان اپنے نفس کو کسی ایسے چیز میں مشغول کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اذان نہ سن سکے، اکثر لوگوں نے یہاں پر یہی بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ایسی ہیبت رکھی ہے کہ مارے خوف کے اس کے ریح نکل جاتی ہے۔

حتی اذا قضی التثویب اقبل: تکبیر کے ختم ہوتے ہی شیطان پھر حاضر ہو جاتا ہے، نماز میں انسان کے دل میں شیطان طرح طرح کے خیالات ڈالتا ہے، چونکہ شیطان نماز سے تو روک نہیں پاتا، لہٰذا اپنی تسلی کے لئے وسوسہ اندازی کا سہارا لیتا ہے، اور اس قدر وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ بسا اوقات نمازی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، اور کبھی کبھی نمازی سے اسی غفلت کی بناء پر واجبات تک چھوٹ جاتے ہیں، شیطان اس پر بہت خوش ہوتا ہے، لیکن شریعت نے شیطان کو رسوا کرنے کے لئے یہ تدبیر بتائی کہ سجدہ سہو کر لیا جائے، روایت میں الفاظ ہیں: ''کانتا ترغیما للشیطان'' یعنی یہ دو سجدے شیطان کی ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتے ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: شیطان نماز سے تو نہیں بھاگتا جو کہ اتنی اہم عبادت ہے پھر اذان و اقامت سے کیوں بھاگتا ہے؟ اس سے تو اذان کا نماز سے افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب: (۱)...... علامہ عینیؒ نے فرمایا ہے کہ اذان چونکہ شعائر اسلام اور دین کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے، اس کے عظمت کے سبب شیطان بھاگنے پر مجبور ہو جاتا ہے، نیز توحید کے اعلان کے سبب وہ قطعاً مایوس ہو جاتا ہے۔

(۲)...... ابن الجوزی نے فرمایا کہ کلمات اذان میں ایک خاص ہیبت ہے جس کی بناء پر

شیطان بھاگتا ہے۔

(۳)...... بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حدیث میں ہے (اگلی حدیث میں بھی یہ مضمون ہے) کہ موذن کی آواز جتنی دور تک بھی جن وانس کے کان میں پڑے گی، سب کے سب گواہی دیں گے، شیطان اس گواہی سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑا ہوتا ہے، چونکہ اقرار شہادت کا یہ معاملہ دیگر اعمال میں نہیں ہوتا، اس وجہ سے دیگر اعمال کی انجام دہی کے وقت شیطان نہیں بھاگتا ہے۔ (عینی، فتح الباری، مرقاۃ)

ہر عمل کی تاثیر جداگانہ ہوتی ہے، اس سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ سنا مکی، جمال گھوٹہ دست آور ہیں، خمیرہ مروارید نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنا مکی اور جمال گھوٹہ خمیرہ مروارید سے افضل یا زیادہ قیمتی ہیں۔

اذان دینے والے کے لئے گواہی دینا

﴿۶۰۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ وَلَا شَیْءٌ اِلَّا شَھِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۶/ ۱، باب رفع الصوت بالنداء، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک

جو بھی جن انسان یا اور کوئی بھی ہوگا اور اس آواز کو سنے گا تو قیامت کے دن اس مؤذن کے لئے گواہ بنیں گے۔

تشریح: یہاں یہ حدیث مختصراً منقول ہے، بخاری شریف میں مزید الفاظ ہیں، یہ حدیث درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ کو جنگل میں بکریاں چراتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جنگل کی فضا تمہیں بہت راس آئی ہے، اور اس میں مصلحت بھی ہے کہ بکریوں کے لئے وہاں آسانی رہتی ہے، اگر جنگل میں رہتے ہوئے نماز کا وقت آجائے تو تم اذان دے لینا، اور اذان دینے میں یہ خیال نہ کرنا کہ یہاں کون ہے، جس کو بلانے کے لئے زور سے پکارا جائے، تم اذان بلند آواز سے ہی دینا، اس میں بہت فوائد ہیں، جہاں تک تمہاری آواز جائیگی وہاں تک کے لوگ تمہارے حق میں قیامت کے دن گواہ بن جائیں گے، درحقیقت اس حدیث میں مؤذنوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ اذان دیتے وقت اپنی آواز کو ممکنہ حد تک بلند کریں، کیونکہ آواز جتنی بلند ہوگی اتنی ہی دور تک جائے گی، اور جتنی زیادہ دور تک آواز جائیگی اتنے ہی زیادہ گواہ قیامت کے دن مؤذنوں کے حق میں ہونگے۔

مدی الصوت: "مدی" کے معنی انتہا اور غایت کے ہیں، آواز کی پہنچنے کی انتہا یہ ہے کہ اس کی بھنک لوگوں کے کانوں میں پڑ جائے، اگر یہ کہا جاتا ہے کہ موذنوں کی اذان جن کو سنائی دے گی وہ گواہی دیں گے تو اس میں صرف وہی لوگ شامل ہوتے جو اذان کو سنتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر جس کے کان میں بھنک بھی پڑ جائے وہ بھی گواہی دے گا، مفہوم کو وسیع کر دیا ہے، اس میں جو قریب کے انسان و جنات ہیں وہ تو داخل ہیں ہی وہ انسان و جنات بھی داخل ہو گئے جو دور ہونے کی وجہ سے اذان کے آواز صاف طور سے نہیں سن سکیں گے، صرف اذان کی آواز کی بھنک پڑے گی لیکن وہ بھی گواہی دیں گے۔

اس گواہی کو بعض علماء نے مجاز پر محمول کیا ہے کہ زبان حال سے ساری مخلوق باری تعالیٰ کے جلال و جمال کی شہادت دیتی ہے، روایات میں اسی کو بیان کیا گیا ہے، لیکن اکثر علماء اسکو ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ظاہر پر محمول کرنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہے۔

اذان کا جواب دینا

﴿۲۰۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَاتَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۶۶، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۸۴۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم لوگ جب مؤذن کو سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم لوگ بھی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو؛ اس لئے کہ جو شخص میرے اوپر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس درود کی برکت کے ذریعہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو، اور وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا، اور مجھے امید ہے کہ میں ہی وہ بندہ ہوں تو جس شخص نے

میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے شفاعت واجب ہوگئی۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا حکم کیا ہے:

(۱)......اذان کا قولی جواب دو۔

(۲)......میرے اوپر درود بھیجو۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے بندے کا خود مقام ومرتبہ بڑھتا ہے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

(۳)......میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو، یعنی جنت کے اس مقام کی دعا کرو، جہاں اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب میسر آئے گا، جتنا قرب کسی اور درجے والے کو نصیب نہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقیناً یہ جنت کا درجہ نصیب ہوگا، لیکن دعاء کرانے کا مقصد یہی ہے کہ دعا کے نتیجے میں بندہ کا خود فائدہ ہو جائے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش کا مستحق بن جائے۔

اذا سمعتم المؤذن: یعنی جب تم مؤذن کی اذان، یا اس کی آواز سنو: **"فقولوا مثل مایقول"** تو مؤذن کے کلمات نقل کرو، یعنی مؤذن کی اذان کا جواب دو۔

اجابت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......اجابت فعلی۔

(۲)......اجابت قولی۔

اجابت فعلی تو یہ ہے کہ اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد حاضر ہوا جائے، یہ لازم اور ضروری ہے، اور اجابت قولی یہ ہے کہ جو کلمات مؤذن کہے انہی کو دہرایا جائے، تمام کلمات کو تو بعینہا دوہرایا جائے گا، اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ البتہ حیعلتین کے بارے میں دو

قسم کی روایات ہیں، جس کی بناء پر فقہاء کا آپس میں اختلاف بھی ہے، روایات میں حـــــی علـی الصلوٰۃ اور حـی علی الفلاح کے جواب میں انہی کلمات کو دہرانا بھی منقول ہے، اور حوقلتین یعنی "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہنا بھی منقول ہے۔

اہل ظواہر وامام شافعیؒ کے نزدیک حیعلتین کے جواب میں انہی کلمات کا اعادہ افضل ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیعلتین کے جواب میں حوقلہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

امام شافعیؒ وغیرہ حدیث باب "قولوا مثل ما یقول المؤذن" سے استدلال کرتے ہیں، اس میں کوئی استثناء نہیں ہے، احناف کی دلیل اگلی حدیث ہے، جس میں استثناء موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "حـی عـلـی الـصـلوٰۃ" کے جواب میں "لاحـول ولاقوۃ" فرمایا، نیز بخاری شریف میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں لاحول کہنے کا ذکر ہے، اس کے علاوہ جب مؤذن "حـی عـلـی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" سے لوگوں کو نماز و کامیابی کی طرف بلا رہا ہے، اگر لوگ بھی انہی کلمات کو دہرائیں گے تو یہ بے معنی بات ہوگی، بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہوگا، لہٰذا یہ الفاظ نہ کہنا چاہئے بلکہ اس وقت نفس اور شیطان کے دھوکے سے بچنے کے لئے لاحول کہنا ہی مناسب ہے، اور جہاں تک حدیث باب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور ہماری حدیث مفسر ہے، لہٰذا اس پر عمل کیا جائے گا، یا اکثر کے اعتبار سے مثل کہا گیا ہے۔

اور "الـصـلوٰۃ خیر من النوم" کہنے کے وقت "صـدقـت وبـررت وبالحق نطقت" کہنا چاہئے [تو نے سچ کہا تو بھلائی والا ہے اور تیری زبان سے حق بات ادا ہوئی]

ثم صلوا علی : اذان کے بعد میرے اوپر درود بھیجو۔

صـلـی اللہ علیہ: اللہ تعالیٰ اس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر

درود بھیجنے کے بہت فضائل آئے ہیں، روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین قسم کی بشارتوں کا اعلان ہے۔

(۱)......اللہ کی طرف سے اس پر دس مرتبہ رحمت کی بارش برسائی جائے گی۔

(۲)......اس کے دس گناہ معاف کردئے جانے کا فیصلہ ہوجائے گا۔

(۳)......اس کے لئے دس درجات بلند کئے جانے کا فیصلہ ہوگا۔

روایت کے الفاظ ہیں:"**عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی علی صلوۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات وحطت عن عشر خطیئات ورفعت لہ عشر درجات**" (نسائی)

ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ: وسیلہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ درود شریف کے بعد میرے لئے جنت کے سب سے بلند اور اعلیٰ درجہ کے لئے دعا کرو، جنت کے سب سے بلند درجہ کو وسیلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ کے بہت قریب پہنچاتا ہے، وسیلہ کے معنی ہیں مقصد تک پہنچانے کا ذریعہ۔

وارجو ان اکون: اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ مقام بالیقین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملے گا، کیونکہ اس درجے کے لائق اور مستحق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امید کے ساتھ ذکر کرنا درحقیقت انکساری اور تواضع کے طور پر ہے۔

حلت علیہ شفاعتی: اس کی سفارش لازم ہوگئی، یعنی وہ اس بات کا مستحق ہوگیا کہ اس کی سفارش کی جائے اور یہ سفارش دعا کے بدلے کے طور پر ہوگی۔

اذان کے جواب کی فضیلت

﴿۲۰۷﴾ وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ اَحَدُکُمْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۶۷، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۸۵۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ مؤذن جب کہے (کلمات متن میں موجود ہیں یہاں صرف ترجمہ کیا جا رہا ہے) اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، تو تم بھی کہو اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، پھر جب مؤذن کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم بھی کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر جب مؤذن کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، تو تم بھی کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، پھر جب مؤذن کہے کہ نماز کی طرف آؤ تو تم لوگ کہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی طاقت وقوت نہیں ہے، پھر جب مؤذن کہے کہ آؤ

کامیابی کی طرف تو تم لوگ کہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی طاقت وقوت نہیں ہے، پھر جب مؤذن کہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، تو تم لوگ بھی کہو کہ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، پھر جب مؤذن کہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو تم بھی کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جس نے صدق دل سے یہ بات کہی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں اذان کا جواب کس طرح دیا جائے اس کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اور اذان کا جواب دینے کی اہمیت کا تذکرہ ہے کہ اذان دینا اتنا اہم ہے کہ اگر کوئی صدق دل سے کلمات کا جواب دے تو اس کو جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر: یہ کلمہ اذان میں چار بار کہا جاتا ہے، مگر اختصار کے پیش نظر یہاں دوبار ذکر کیا گیا ہے، جیسے کہ شہادتین کا ایک مرتبہ تذکرہ ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ: اس سے حنفیہ کی تائید ہورہی ہے، جو کہ اس بات کے قائل ہیں کہ "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں حوقلہ کہا جائے گا۔

من قلبہ دخل الجنۃ: اس میں دو احتمال ہیں:

(۱)......اس کا تعلق صرف آخری کلمۂ اذان "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے جواب سے ہے۔

(۲)......اس کا تعلق تمام کلمات اذان کے جواب سے ہے۔ یہی زیادہ قوی احتمال ہے۔

دخل الجنۃ: جنت میں تو ہر مسلمان جائے گا مگر کلمات اذان کا جواب دینے والا اگر صدق دل سے جواب دے رہا ہے تو وہ دخول اولین کا مستحق ہوگا۔

اذان کا ہر شخص کو جواب دینا چاہئے؛ لیکن اگر کسی اہم عمل میں مشغول ہے تو وہ جواب نہ دے، فراغت کے بعد اگر اذان ہوئے زیادہ وقت نہ گذرا ہو تو جواب دے دینا چاہئے۔

اذان کے بعد کی دعا

﴿٢٠٨﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ" حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۸۶/ ۱، باب الدعاء عند النداء، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۱۴۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے (کلمات دعا متن میں دیکھئے) اے اللہ! اے اس مکمل دعوت اور ہمیشہ رہنے والی نماز کے پروردگار! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا کر، بڑا مرتبہ عنایت فرما، اور ان کو وہ مقام محمود عطا فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، تو اس دعا کرنے والے کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

تشریح: اس حدیث میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا کا تذکرہ ہے، اس دعا کو پڑھنے سے دعا پڑھنے والا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش کا مستحق ہو جاتا ہے، یہی وہ دعا ہے جس کا تذکرہ گذشتہ حدیث میں "سلوا اللہ لی الوسیلة" سے ہوا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے وسیلہ انہی الفاظ میں طلب کرنا چاہئے۔

هذه الدعوة التامة: دعوت کے لغوی معنی ہیں پکار، یہاں اذان کے وہ کلمات مراد ہیں جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فریضۂ نماز کی جماعت کے ساتھ ادائیگی کے

لئے پکارا جاتا ہے، "التامة" یہ دعوۃ کی صفت ہے، کامل ومکمل ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اذان جوکاملیت کی شان رکھتی ہے، اس کے کلمات اسلام کے بنیادی عقائد کے جامع ہیں، چونکہ اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اور یہ قیامت تک باقی رہنے والی دعوت ہے، اس لئے بھی اس کو "تامہ" کہا گیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اذان سب سے زیادہ مکمل قول "لا الہ الا اللہ" پر مشتمل ہے، اسلئے اس کو تامہ کہا گیا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ "اللہ اکبر" سے "محمد رسول اللہ" تک کلمات "الدعوت التامة" کا مصداق ہیں، اور "حی علی الصلوٰۃ" وغیرہ "القائمة" کا مصداق ہیں۔

الصلوۃ القائمۃ: ہمیشہ قائم رہنے والی نماز، مراد یہی نماز ہے، جس کے لئے دعوت دی جارہی ہے، چونکہ اسلام کے بعد کوئی اور دین آنے والا نہیں اور قیامت تک کے مسلمان نماز کو قائم رکھیں گے، اس لئے نماز کو قائمہ کہا گیا ہے۔

ات محمدا الوسیلۃ: وسیلہ کے لغوی معنی ذریعہ ہیں، یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کسی کا قرب حاصل کیا جائے، گذشتہ حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ جنت کا ایک درجہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملے گا، جو شخص اللہ تعالیٰ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس درجہ کو طلب کرے گا وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش کا مستحق ہوگا۔

الفضیلۃ: فضیلت کے معنی ہیں زیادتی فضل میں بلند مرتبہ، تمام مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سب سے بڑے مرتبے کی دعا ہے، فضیلہ ممکن ہے وسیلہ کی طرح کسی درجہ کا نام ہو، فضیلہ کے بعد بعض لوگ "والدرجة الرفيعة" کے الفاظ ذکر کرتے ہیں، یہ الفاظ روایات میں منقول نہیں ہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص ان کلمات کا اضافہ کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، اس وجہ سے کہ دعا میں تنگی نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تلبیہ

کے آخر میں بعض کلمات کا اضافہ منقول ہے۔

وابعثه مقاما محمودا: اس سے مراد شفاعت کبریٰ کا مقام ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے، روایات میں آتا ہے کہ لوگ تمام پیغمبروں کے پاس جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ سفارش قبول کریں گے۔

الذی وعدته: وہ مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت "عسی ان یبعثک ربک مقام محمودا" میں آپ کو مقام محمود عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

حلت له شفاعتی: امت کے اسی فائدہ کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وسیلہ کے لئے دعا کرنے کو کہا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو وسیلہ ملے گا ہی خواہ کوئی طلب کرے نہ کرے، لیکن جو مقام وسیلہ کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دعا کریگا، اس کو آپ کی شفاعت ضرور ملے گی، اسی وجہ سے بعض روایات میں "حلت" کے بجائے "وجبت" کے الفاظ منقول ہیں۔

سوال وجواب

سوال: جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کا وعدہ فرمالیا ہے تو دعا کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس کا جواب گذر چکا ہے کہ دعا کا فائدہ دعا کرنے والوں کے حق میں ظاہر ہوگا، یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش کے مستحق ہوں گے۔ (مستفاد ایضاح البخاری: ۹۳، ۹۴، مرقاۃ: ۲/۱۶۳)

اذان ایمان کی علامت ہے

﴿۶۰۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُغِیْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَکَانَ یَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَکَ وَاِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجلاً یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْفِطْرَۃِ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَیْہِ فَاِذَا ھُوَ رَاعِی مِعْزًی۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۱/۱۶۶، باب الامساک عن الاغارۃ علی قوم فی دار الکفر اذا سمع فیھم الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۸۲۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حملہ اس وقت کرتے تھے جب فجر طلوع ہو جاتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اذان سننے کا انتظار کرتے، اگر اذان سن لیتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے، ایک آدمی کو سنا جو کہہ رہا تھا، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ شخص فطرت پر ہے'' پھر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ یہ جہنم سے نکل گیا'' پھر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس شخص کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ بکریوں کا چرواہا ہے۔

تشریح: کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یغیر: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر طلوع ہونے پر حملہ کرتے تھے، تاکہ بات اچھی

طرح معلوم ہو جائے کہ جس قوم پر حملہ ہو رہا ہے وہ قوم مسلمان ہے یا کافر قوم ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "والمغیرات صبحا" سے مستفاد ہے، اس موقعہ پر علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ عادت اور ہمیشہ کا معمول تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح ہی حملہ کرتے تھے، اور "اغارۃ" کا مطلب ہے کسی پر غفلت میں چھاپہ مارنا، اور یہ رات میں زیادہ مناسب رہتا ہے، ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صبح تک حملے کو مؤخر کرنا، اذان سننے کی غرض سے ہوا ہو۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول میرک شاہ نے نقل کیا ہے، اس کے بعد نیچے "وفیـــــہ" لکھ دیا ہے، یعنی اس میں سقم ہے، صاحب مرقاۃ ملا علی قاری فرماتے ہیں: "ولا اعلم ما فیہ" اس میں کیا سقم ہے مجھے معلوم نہیں، ہاں بس اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ استمرار "کان" سے مستفاد ہوتا ہے نہ کہ محض مضارع کے صیغے سے۔

وکان یستمع الاذان: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان سننا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ سے قوم کی حالت معلوم ہو جائے۔

فان سمع اذانا: یہاں پر ضمیر کے بجائے لفظ اذان کا اعادہ کیا، مقصد یہ بتانا ہے کہ اذان دین کی علامات میں سے ہے، جو اذان کہتا ہے اسکے ساتھ تعرض درست نہیں۔

امسک: یعنی اذان سننے کے بعد حملہ نہیں کرتے تھے۔

والا اغار: اگر اذان سنائی نہیں دیتی تو حملہ کر دیتے تھے۔

گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

﴿۶۱۰﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَلَهٗ ذَنْبُهٗ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:١٦٧/١، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:٣٨٦۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جوکوئی مؤذن کی اذان سن کر یہ پڑھے:"اشھد ان لا الہ الخ" (دعا کے کلمات متن میں دیکھئے) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ کے رب ہونے پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین حق ہونے پر راضی ہوں، تو اس شخص کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ اذان کے بعد اگر کوئی شخص حدیث باب میں موجود کلمات کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے۔

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ: اللہ تعالیٰ تن تنہا معبود ہیں۔

لاشریک لہ: اللہ کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں ہے۔

و اشھد ان محمدا عبدہ: ''عبد'' کومقدم کیا تا کہ عبودیت کا اظہار ہو، اور رب العالمین کے حضور تواضع ہو سکے۔

و رسولہ: اس کا تذکرہ تحدیث نعمت کے طور پر کیا ہے، اس سے یہود ونصاریٰ کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کورسول نہیں مانتے ہیں۔

رضیت باللہ ربا: "رب" تمیز ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلوں اور تقدیر سے متعلق ہر شی پر راضی ہوں۔

وبمحمد رسولا: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان تمام چیزوں کے ساتھ جو آپ دے کر بھیجے گئے صدق دل سے ایمان لایا۔

وبالاسلام: اسلام کے تمام احکام امر ونہی کی اطاعت برضاورغبت کرتا ہوں۔ (مرقاۃ:۲/۱۶۴)

حدیث میں مذکوردعا کب پڑھی جائے، اس سلسلہ میں دوقول ہیں:

(۱)...... جب مؤذن "اشهد ان لا اله الا الله" کہے، تب پڑھی جائے۔

(۲)...... پوری اذان ہوجانے کے بعد پڑھی جائے: تاکہ دوسرے کلمات اذان کا جواب فوت نہ ہو، یہی زیادہ راجح قول ہے۔

غفر له ذنبه: یعنی جوشخص پوری اذان کا جواب دے، پھر مذکورہ کلمات پڑھے، تو اس کے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں۔

اذان واقامت کے درمیان نوافل

﴿۶۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوةٌ بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوةٌ ثُمَّ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۸۷/۱، باب بین کل اذانین صلوة لمن شاء، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۲۷۔ مسلم شریف:۲۷۸/۱، باب بین کل

اذانین صلوۃ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر:۸۳۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، اور تیسری بار فرمایا جو چاہے اس شخص کے لئے ہے۔

تشریح: اذان اور تکبیر کے درمیان جو وقت ہوتا ہے، وہ بہت قیمتی اور بابرکت وقت ہوتا ہے، اس وقت میں نوافل پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس وقت کی افضلیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس وقت جو دعا کی جاتی ہے وہ دعا رد نہیں ہوتی ہے۔

بین کل اذانین: یہاں دو اذان سے مراد اذان اور اقامت یعنی تکبیر ہے، اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیباً کر دیا ہے، جیسے والدین قمرین وغیرہ چونکہ اقامت بھی دخول صلوۃ کے واسطے اطلاع دینا ہے، ایسے ہی اذان دخول وقت کے واسطے اطلاع دینا ہے، یا یوں کہئے کہ اذان جس طرح غائبین کے اعلام کے لئے ہے، اقامت حاضرین کے لئے ہے، یہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جملہ کو دو بار فرمایا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ دوبار فرمانا تاکید کے واسطے تھا، مؤذن نے نماز کے فریضہ کو جماعت سے ادا کرنے کی دعوت دی ہے، کوئی شخص اذان سن کر مسجد میں آ گیا، اقامت میں ابھی تاخیر ہے اب اس درمیان وقت میں کیا کرے؟ اگر کوئی شخص ذکر واذکار میں لگتا ہے تو ثواب کا مستحق ہے، کوئی خاموش بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا ہے وہ بھی مستحق ثواب ہے، اگر نفل نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو بھی ثواب ملے گا، اس حدیث میں اسی بات کو بتانے کے لئے دوبار ''بین کل اذانین صلوۃ'' آپ نے فرمایا ہے، اصل میں یہاں غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ نوافل پڑھنے کی موزوں جگہ تو گھر ہے، مسجد میں نوافل نہیں پڑھنا چاہئے، اس لئے صراحت کر دی کہ نوافل کی مسجد میں اجازت ہے، اور اس پر ثواب بھی ملے گا، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اذان واقامت کے

درمیان فصل ہے اور فصل بھی اسی قدر رہے کہ اگر کوئی درمیانی وقت میں نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ لے، فقہاء کرام نے اس فصل کی وضاحت کی ہے، کسی نے کہا ہے کہ وضو کے بعد چار رکعت کے بقدر فصل ہے، اور کسی نے ایسی دو رکعت کے بقدر جن میں سے ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھی جا سکیں فصل قرار دیا ہے۔

مغرب کی اذان کے بعد نماز ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک تمام نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھنا مسنون ہے؛ لیکن مغرب کی نماز میں اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھنا مسنون نہیں ہے، اور نہ ہی مستحب ہے، صاحب درمختار نے کہا ہے کہ حنفیہ کے یہاں مغرب کی اذان واقامت کے درمیان رکعتین پڑھنا مکروہ ہے۔ بذل میں حضرت سہارنپوریؒ کا بھی یہی رجحان محسوس ہوتا ہے لیکن شیخ ابن ہمام نے کراہت کی نفی کی ہے اور اباحت کو ترجیح دی ہے، راجح مذہب یہی ہے کہ قبل المغرب رکعتین پڑھنا مستحب تو نہیں، لیکن مباح ضرور ہے، حنفیہ کے یہاں کراہت کا قول زیادہ مشہور ہے، ذیل میں ہم کراہت کے قول کی وجہ لکھیں گے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: "عن حماد قال سألت ابراهيم عن الصلوة قبل المغرب فنهاني عنها وقال ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وابا بكر وعمر لم يصلوها" (جامع المسانید: ۱/۳۰۳)

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ وامام اسحٰق کی طرف بعض لوگوں نے استحباب رکعتین قبل المغرب کی نسبت کی ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا:"بین کل اذانین صلوۃ" اس حدیث کا عموم بتارہا ہے کہ ہر نماز کی اذان پر اقامت کے درمیان نفل پڑھنا مستحب ہے۔

جواب: حدیث باب میں موجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اکثری اعتبار سے ہے، یعنی اکثر نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھنا مسنون ہے، مغرب کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے، استثنا کی دلیل یہ روایت ہے:"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان عند کل اذانین رکعتین ما خلا صلوۃ المغرب"

حنفیہ کے کراھت کے قول کی وجہ: حنفیہ کے یہاں مغرب کی نماز سے قبل رکعتین کو مکروہ کا جو قول ہے اس سے یا تو کراہت تنزیہی مراد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں اگر چہ بذات خود مباح ہیں، لیکن اس پر عمل کرنے کی وجہ سے مغرب کی نماز کی تعجیل کا حکم جو کہ کم از کم مسنون ہے فوت ہونے کا اندیشہ ہے، یا پھر مطلب ہے کہ ان دو رکعتوں کو مسنون قرار دینا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

﴿الفصل الثانی﴾

امام ضامن ہے

﴿۲۱۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والشافعی) وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ۔

حوالہ: مسند احمد: ۲/۴۶۱، ابوداؤد شریف: ۱/۷۷، باب مایجب علی المؤذن من تعاهد الوقت، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۷/۵۱۸۔ ترمذی شریف: ۱/۵۱، باب الامام ضامن والمؤذن مؤتمن، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۲۰۷۔ الشافعی فی الام: ۱/۸۷، باب اجتزاء المرء باذن غیره.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے، اے اللہ آپ اماموں کی رہنمائی فرمایئے، اور مؤذنوں کو بخش دیجئے۔'' (احمد، ابوداؤد، ترمذی، شافعی) اور شافعی کی ایک دوسری روایت مصابیح کے لفظ کے مطابق نقل ہوئی ہے۔

تشریح: امام مقتدیوں کی نماز کے صحت وفساد کا ذمہ دار ہے، اسی طرح مؤذن امانت دار ہے، لوگ اذان کے حوالے سے اسی پر اعتماد کر کے نماز کے لئے آتے ہیں، اور روزہ وغیرہ کھولتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ امام اور مؤذن دونوں کو اپنی ذمہ داری کی اہمیت کا احساس کر کے خلوص کے ساتھ اپنے فریضہ کی ادائیگی کرنا چاہئے، آخیر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اول الذکر کے لئے ہدایت اور ثانی الذکر کے لئے مغفرت کی دعا کی ہے۔

الامام ضامن: امام ضامن ہے، جس طرح کفالہ کی بحث میں مدیون کے قرضہ کی جو شخص ذمہ داری اوڑھ لیتا ہے اس کو کفیل کہا جاتا ہے، اسی طرح امام مقتدیوں کی ذمہ داری اوڑھ لیتا ہے، اس لئے اس کو ضامن کہا جاتا ہے، امام ضامن ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز کے صحت وفساد کا ذمہ دار ہوگیا، یعنی اب امام کی نماز کے صحت وفساد پر مقتدی کی نماز کے صحت وفساد کا دارومدار ہے، ضامن کی یہ تشریح حنفیہ کے نزدیک ہے۔

شوافع کہتے ہیں کہ ضامن کے معنی چرواہے کے ہیں، یعنی جس طرح بکری چرانے والے

کی یہ ذمہ داری ہے کہ بکریوں کی دیکھ ریکھ کرے، اسی طرح امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز کی رکعت وغیرہ کی تعداد کا خیال رکھے، جہاں تک نماز کے صحت وفساد وغیرہ کا تعلق ہے تو امام اس کا ذمہ دار نہیں، اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہوگئی تو اس سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ یوسف بنوریؒ نے معارف السنن :۲۳۱/۱، پر کتاب الام کے حوالے سے امام شافعی کا یہ مذہب لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے حالت جنابت میں امامت کی، بعد میں مقتدیوں کو امام کی جنابت کا علم ہوا تو مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی، امام کی نماز نہیں ہوگی، حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کی بھی نماز نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ امام ضامن ہے؛ لہٰذا اس کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

حدیث باب کا یہ جزء "الامـام ضـامن" کو جوامع الکلم میں سے کہا گیا ہے، چنانچہ معارف السنن میں علامہ بنوریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بہت سے فقہی مسائل پر مشتمل ہے، چونکہ حنفیہ اور شوافع کے درمیان ضامن کے معنی ہی میں اختلاف ہو گیا ہے، لہٰذا اس سے نکلنے والے مسائل بھی دونوں کے درمیان مختلف فیہ ہیں، آگے اس جزء سے نکلنے والے چار اہم مسائل کا ہم مختصراً تذکرہ کریں گے تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

والمؤذن مؤتمن: "مؤتمن" اسم مفعول ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤذن پر بھروسہ کیا گیا ہے، لہٰذا جب اذان کا وقت ہو جائے تو وہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو فریضہ نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے بلالے۔

اللهم ارشد الائمة: "ارشاد" کے معنی ہیں راہ راست دکھانا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اماموں کے لئے یہ دعا کی ہے کہ وہ گمراہ نہ ہوں، کیونکہ اگر یہ سیدھے راستہ پر چلیں گے تو مقتدی بھی سیدھے راستہ پر جائیں گے۔

واغفر للمؤذنین: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام کے حق میں

دعا ان کی شان کے مطابق اور مؤذن کے حق میں دعا ان کی شان کے مطابق فرمائی، مؤذن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے، چونکہ مؤذن اونچی جگہ چڑھ کر اذان دیتا ہے، ممکن ہے کہ بے محل نظر پڑ جائے، یا اس قسم کی کوئی اور کوتاہی سرزد ہو جائے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

"الامام ضامن" سے نکلنے والے چار اہم مسائل

مسئلہ اولیٰ: قراءت خلف الامام

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورت کی قراءت نہیں کریگا، لیکن سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات متعارض ہیں، جس کی بناپر ائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے، خواہ جہری نماز ہو یا سری نماز ہو، اور مقتدی خواہ امام کی قراءت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

دلائل: (۱)...... **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا.**

(۲)...... **من كان له امام فقراءة الامام له قراءة.** ان دونوں دلیلوں سے معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ نہیں پڑھے گا، اس وجہ سے کہ قراءت کی مطلقاً ممانعت ہے، اور سورۂ فاتحہ بھی قراءت میں شامل ہے۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی کے حق میں بھی سورۂ فاتحہ کی

قراءت واجب ہے۔

دلیل: "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب"

جواب: شروع اسلام میں مقتدی فاتحہ اور سورت سب پڑھتے تھے، اولاً سورت پڑھنے سے منع کیا گیا، اور فاتحہ کا جواز باقی رکھا گیا، پھر جب آیت کریمہ "و اذا قرئ القرآن الخ" نازل ہوئی تو فاتحہ کا جواز بھی ختم ہوگیا۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنے کے حق میں آیت مذکورہ ناسخ ہے اس پر کیا دلیل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل بہت سی احادیث ہیں، جن میں سے ہم صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: "صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقرأ خلفه قوم فنزلت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا الخ" [نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو چند لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءت کی، پس آیت کریمہ "و اذا قرئ القرآن الخ" نازل ہوئی] معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے قبل فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی، جو کہ اس آیت کے نزول کے بعد منسوخ ہوگئی، اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے دیکھئے: معارف السنن: ۳۸۲ تا ۳۹۶_صفحہ: ۴۲۸ تا ۴۳۳/۱، واولہ کاملہ۔

مسئلہ ثانیہ: اقتداء المفترض خلف المتنفل

امام نفل نماز پڑھ رہا ہے کوئی شخص اس کی اقتداء میں اپنی فرض نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور یہ بھی حدیث باب سے متعلق ہے، کیونکہ اگر امام حنفیہ کی تشریح کے مطابق ضامن ہے اور وہ نفل پڑھ رہا ہے تو اس کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ قاعدہ ہے: "الشیء لا يتضمن ما فوقه" ذیل میں ہم ائمہ کے مذاہب

نقل کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز جائز نہیں ہے۔

دلیل: حنفیہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، اس میں امام کو ضامن کہا گیا ہے، اور قاعدہ ہے ضعیف قوی کی ضمانت نہیں دے سکتا ہے، چونکہ نفل پڑھنے والا ضعیف ہے، للہذا وہ فرض پڑھنے والے کا امام نہیں بن سکتا ہے، دوسری صلوۃ خوف ہے، اگر فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہو جاتی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے ایک جماعت کو نماز پڑھاتے پھر دوسری جماعت کو نماز پڑھا دیتے، ایسا کرنے میں بہت سے منافی صلوۃ امور پیش نہ آتے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے میں دوسری جماعت کی امامت کے وقت آپ کی نفل نماز ہوتی اور مقتدیوں کی فرض، اور ''**اقتداء المفترض خلف المتنفل**'' جائز نہیں ہے۔

امام شافعی ؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے جائز ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل حدیث معاذ ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں: ''**کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم یأتی فیؤم قومه الخ**''

[حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر واپس آکر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے]

امام شافعیؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ لی تو ان کا

فریضہ ادا ہوگیا، اب وہ قوم کو نماز پڑھا رہے ہیں تو ان کی نفل نماز ہے اور قوم کی فرض نماز ہے، معلوم ہوا کہ مفترض متنفل کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

جواب: (۱)......حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کس نیت سے نماز پڑھ رہے تھے، اس کا یقینی علم کسی کو نہیں، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھ رہے ہوں اور قوم کو بنیت فرض پڑھا رہے ہوں، اور یہ صورت مختلف فیہ نہیں ہے، لہٰذا شوافع کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ قاعدہ ہے: "**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**"

(۲)......حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اس وقت کا ہے جب تکرار فریضہ جائز تھا، بعد میں تکرار فریضہ کا عمل منسوخ ہوگیا، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "**نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان تصلى فريضة في يوم مرتين**" (طحاوی) [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک فرض نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ (فرض کی نیت سے) پڑھنے سے منع فرمادیا۔]

(۳)...... یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اپنا فعل تھا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو، اور قوم کو نماز نہ پڑھاؤ، یا میرے ساتھ نماز نہ پڑھو، اور قوم کو نماز پڑھاؤ، لیکن نماز میں تخفیف کرو' یعنی بہت لمبی قراءت نہ کرو، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**اما ان تصلى معى او اما ان تخفف بقومك**" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں میں سے اختیار دے کر ایک پر عمل کرنے اور دوسرے کو ترک کرنے کا حکم دیا۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق اور نفیس بحث دیکھنے کیلئے رجوع کیجئے۔ (نخب الافکار: ۱۵۳/تا ۱۶۰/۴)

مسئلہ ثالثہ: اقتداء المفترض بمفترض آخر

امام ایک فرض نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی دوسری فرض نماز پڑھ رہا ہے، مثلاً امام ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی عصر کی نماز کی نیت سے اس کی اقتداء کرتا ہے تو کیا یہ اقتداء صحیح ہے؟ یہ مسئلہ بھی حدیث باب کے جزء "الامام ضامن" سے نکلتا ہے۔ اگر حنفیہ کی تشریح کے مطابق ضامن کے معنی لئے جائیں تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ قاعدہ ہے "الشی لا یتضمن مافوقه" ذیل میں ہم مذاہب نقل کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقتداء المفترض بمفترض آخر جائز نہیں، ہدایہ میں ہے: "ولا من یصلی فرضاً خلف من یصلی فرضاً آخر" [وہ شخص جو فرض پڑھتا ہے اس کے پیچھے وہ شخص جو دوسرا فرض پڑھتا ہے اقتداء نہ کرے]

دلیل: "یونس بن عبید یقول جاء عباد الناجی الی المسجد فی یوم مطر فوجدهم یصلون العصر فصلی معهم وهو یظن انها الظهر ولم یكن صلی الظهر فلما صلوا فاذا هی العصر، فاتی الحسن فسأله عن ذالک فامره ان یصلیهما جمیعاً" اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص جماعت کے ساتھ اس گمان سے شریک ہوا کہ لوگ ظہر کی نماز پڑھ رہے ہیں، چنانچہ اس نے ظہر کی نیت سے نماز پڑھی حالانکہ لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، اس شخص نے حضرت حسن سے مسئلہ دریافت کیا تو حضرت حسن نے دونوں نمازیں دوہرانے کا حکم دیا۔ (نخب الافکار: ۴/۱۶۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "اقتداء المفترض بمفترض آخر" درست

نہیں، نخب الافکار ہی میں مذکور شخص کے بارے میں یوں مذکور ہے: "**یصلی الظھر ثم یصلی العصر اراد انه اذا صلی الظھر وراء من یصلی العصر فانه یعید الظھر والعصر جمیعا واللہ اعلم**" (نخب الافکار: ۴/۱۶۹)

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک "**اقتداء المفترض بمفترض آخر**" جائز ہے۔

دلیل: ہدایہ میں امام شافعیؒ کی دلیل کا ذکر کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے کہا ہے: "**وعند الشافعی یصح فی جمیع ذلک لان الاقتداء عنده اداء علی سبیل الموافقة**" امام شافعیؒ کے نزدیک ہر صورت میں اقتداء صحیح ہو جائے گی، کیونکہ ان کے نزدیک اقتداء علی سبیل الموافقت ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے، یعنی صرف اعمال میں موافقت ضروری ہے، شرکت فی التحریمۃ ضروری نہیں۔ صاحب فتح القدیر نے امام شافعیؒ کی دلیل نقل کرتے ہوئے فرمایا: "**اذا ثبت جواز الفرض بالنفل ثبت بالکل**" یعنی جب نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہو جاتی ہے تو ایک فرض پڑھنے والے کے پیچھے دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتداء بھی صحیح ہو جائے گی۔

جواب: جو دلیل صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے اس کا جواب تو یہ ہے کہ صرف افعال میں شرکت ضروری نہیں ہے بلکہ تضمن کے معنی بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ حدیث باب میں آپ کے فرمان "**الامام ضامن**" سے معلوم ہو رہا ہے، اور جہاں تک صاحب فتح القدیر کی دلیل کا جواب ہے تو وہ تو اس بات پر مبنی ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہو جائے، اور یہ بھی صحیح نہیں ہے، امام شافعیؒ کی مسئلہ ثانیہ کے تحت اس سلسلہ میں دلیل ذکر کی گئی ہے، ان کی دلیل حدیث معاذؓ

ہے جس کا ہم نے جواب وہیں پر ذکر کر دیا ہے، دیکھ لیا جائے۔

مسئلہ رابعہ: امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کا فساد ہے

امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی حدیث باب کے اسی جزء "الامام ضامن" سے نکلتا ہے، اس وجہ سے کہ اگر امام حنفیہ کی تشریح کے مطابق ضامن ہے تو اس کی نماز کے فساد سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب: امام صاحب کا مذہب جیسا کہ ابھی ذکر کیا امام کی نماز کا فساد مقتدی کے نماز کے فساد کو مستلزم ہے۔

دلیل: ابن ماجہ میں حدیث ہے: **"کان سھل بن سعد الساعدی یقدم فتیان قومه یصلون بھم فقیل له تفعل ولک من القدم مالک قال انی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول الامام ضامن فان احسن فله ولھم وان اساء یعنی فعلیه ولا علیھم"** اس روایت کا ظاہر یہی ہے کہ ضامن کفیل ہی کے معنی میں ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کا گناہ مقتدیوں کے بجائے خود امام پر ہوتا ہے۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک امام کی نماز سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، کیونکہ ہر ایک حقیقتاً اپنی الگ نماز پڑھ رہا ہے، کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

دلیل: شوافع اپنی دلیل میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں: **"ولا تزر وازرة وزر اخریٰ"**

جواب: قرآن مجید کی اس آیت سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال درست نہیں ہے، اس

وجہ سے کہ یہ آیت گناہ وثواب سے متعلق ہے، نہ کہ افعال کی صحت وفساد سے۔

اذان دینے کی فضیلت

﴿٦١٣﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ۔ (رواه الترمذی وابو داؤد وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ١/٥١، باب فضل الاذان، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:٢٠٦۔ ابن ماجه شریف: ٥٣، باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، کتاب الاذان، حدیث نمبر:٧٢٧۔

حل لغات: اذّن بالصلوة، نماز کے لئے اذان دینا، تأذینًا و اذانًا، بہت اعلان کرنا، محتسبًا، احتسب بکذا باب افتعال سے، اکتفاء کرنا، الاجر علی الله، اللہ سے ثواب کی امید رکھنا، حَسِبَ (س) حسابًا گمان کرنا، کسی چیز کو سمجھنا۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے سات سال تک ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔

تشریح: جو شخص اخلاص کے ساتھ بغیر کسی لالچ وریاء کے سات سال تک اذان دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جہنم سے رہائی کا پروانہ عطا فرمائیں گے۔

محتسبا: اذان دینے کا مقصد حصول ثواب ہو، طلب اجرت نہ ہو، احتساب عمل اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو لوجہ اللہ کوئی عمل انجام دیتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

ہے: ”یا ایھا الناس احتسبوا اعمالکم فانہ من احتسب عملہ کتب لہ اجر عملہ واجر حسبہ“ (مرقاۃ:٦/۱۷۲)

کتب لہ براءۃ من النار: جہنم کی آگ سے چھٹکارا پا جائے گا، اس وجہ سے کہ جس نے سات سال تک خلوص دل کے ساتھ اذان دی اس کے ایمان ویقین کی صحت ثابت ہوگئی، کیونکہ لوجہ اللہ اذان پر مواظبت اللہ کے فرمانبردار بندہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے ممکن ہی نہیں ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۱/۲۹۸)

تنہا شخص کا اذان دے کر نماز پڑھنا

﴿۶۱۴﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلٰوةَ يَخَافُ مِنِّيْ فَقَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱۷۰/۱، باب الاذان فی السفر، کتاب صلوۃ السفر، حدیث نمبر: ۱۲۰۳۔ نسائی شریف: ۱۰۸/۱، باب الاذان لمن یصلی وحدہ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ٦٦۵۔

حل لغات: شَظِيَّة، ج: شظایا، کرچ، چھوٹا ٹکڑا، مراد پہاڑ کی چوٹی ہے۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تمہارے پروردگار کو وہ بکری کا چرانے والا بہت اچھا

لگتا ہے جو پہاڑ کی چٹان کی چوٹی پر اذان دیتا ہے، اور نماز پڑھتا ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں میرے اس بندہ کو دیکھو اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، مجھ ہی سے ڈرتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اس کو جنت میں داخل کیا۔

تشریح: آدمی اگر کسی ویران مقام میں ہے، تو اس کو اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھنا چاہئے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں، اس کا تذکرہ فرشتوں سے کرتے ہیں اور اس کو معاف کرنے اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔

راعی غنم: بکری کا چرواہا، مراد ہر وہ شخص ہے جو گوشہ نشینی اختیار کر کے غیر آباد جگہ پہونچ جاتا ہے۔

شظیۃ للجبل: پہاڑ کی چوٹی جو کہ غیر آباد ہے، اگر کوئی شخص غیر آباد جگہ میں اذان دے کر نماز پڑھتا ہے تو وہ بہت عظیم کام کرتا ہے، اس کے عمل میں کسی قسم کی ریا کاری کا شبہ نہیں، اس کی اذان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جس مخلوق تک بھی اذان کے کلمات کی بھنک پہنچے گی، وہ مخلوق قیامت کے دن اذان دینے والے کے حق میں گواہی دے گی، یہ شخص اکیلے ہونے کے باوجود اذان دیکر نماز پڑھ رہا ہے، جو عام مسلمانوں کا طریقہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جماعت کا ثواب عطا فرماتے ہیں، روایت میں آتا ہے کہ تنہا اذان دیکر نماز پڑھنے والے کے ساتھ فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔

یؤذن: اذان سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اس کے لئے اذان واقامت دونوں مستحب ہیں۔

یخاف منی: یعنی تنہائی میں اذان واقامت اور نماز کی مواظبت صرف میرے خوف کی وجہ سے ہے، کسی قسم کی ریاء کاری یا لالچ کا اس میں دخل نہیں ہے۔

قد غفرت لعبدی: اللہ تعالیٰ ملائکہ کو جو انسانوں کے گناہ کا پتلا قرار دے

چکے تھے، اپنے اس مخلص بندے کو دکھاتے ہیں تاکہ انکے تعجب میں اضافہ ہو، اسکے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس مخلص بندے کو نہ صرف معاف کردیا؛ بلکہ اس کو جنت میں بھی داخل کروں گا، اللہ تعالیٰ کا مؤذنوں کو بندہ کہنا، پھر اپنی طرف ان کی نسبت کرنا، ان کی عظمت میں چار چاند لگانا ہے، کیسے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم مؤذن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ابن الملک کا کہنا ہے کہ اس ویران اور غیر آباد جگہ پر جہاں دور دور تک بھی آدمی نہ پایا جاتا ہو اس (چرواہے) کے اذان دینے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ فرشتوں اور جنات کو نماز کا وقت آجانے کی وہ اطلاع دیتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کی اذان کی آواز کو مخلوقات میں سے جو چیز بھی سنے گی وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گی، اور تیسرے یہ کہ سنت کی اتباع کا ثواب اس کو ملتا ہے، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے مسلمانوں کے ساتھ اس کو مشابہت حاصل ہو جاتی ہے۔

مؤذن اور امام کی عظمت

﴿٦١٥﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ عَلیٰ کُثْبَانِ الْمِسْکِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَبْدٌ اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ وَحَقَّ مَوْلَاہُ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَھُمْ بِہٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ یُنَادِیْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ کُلَّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۹، باب ماجاء فی فضل المملوک الصالح، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر:۱۹۸۶۔

حل لغات: کثبان، ٹیلے، کَثَبَ (ن) کَثْبًا، جمع ہونا، المسک، مشک، ج:مِسَکٌ، ینادی، مصدر منادا ۃ، مفاعلت سے، پکارنا، یہاں مراد اذان دینا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن تین (طرح کے) لوگ مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔(۱) وہ غلام کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کیا۔(۲) وہ شخص جو کسی قوم کا امام بنا اور لوگ اس سے راضی رہے۔(۳) وہ آدمی جو دن رات کی پانچوں نمازوں کی اذان دیا کرتا تھا۔(ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن مشک کے ٹیلے عطا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ مذکورہ تین طرح کے لوگوں کو یہ اعزاز اس لئے عطا فرمائیں گے کہ ان تینوں طرح کے لوگوں نے اللہ کے لئے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول کر کے ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے ان کو مشک کے ٹیلے عطا فرمائیں گے۔

کثبان المسک: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں طرح لوگوں کے ثواب کو مشک کے ٹیلوں سے تعبیر کیا ہے، چونکہ ان تینوں طرح کے لوگوں کے اعمال ان کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ ذات سے غیر ذات کی طرف متجاوز ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے ان کو یہ مقام ملے گا۔

ادی حق اللّٰہ: یعنی اپنے حقیقی آقا اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا۔

و حق مولاہ: اور اپنے مجازی آقا جس کا وہ مملوک ہے اس کا بھی حق ادا کیا۔

"عبد" سے عبد مملوک مراد ہے، خواہ مرد ہو یا عورت۔

ورجل ام قوما: یعنی وہ شخص جو خود اپنی نماز بھی ادا کرتا ہے اور لوگوں کو نماز پڑھاتا بھی ہے، قوم کا تذکرہ تغلیباً ہے، چونکہ عام طور پر کچھ لوگ جماعت میں رہتے ہیں اس

وجہ سے قوم کہا، ورنہ اگر کوئی شخص ایک یا دو لوگوں کی امامت کرتا ہے وہ بھی اس ثواب کا مستحق ہے۔

وھم بہ راضون: یعنی امام کے صلاح وتقویٰ اور نماز کو اس کے حق کے مطابق ادا کرنے کی وجہ سے مقتدی اس سے خوش رہتے ہوں، مقتدیوں کی رضامندی کی وجہ سے امام کا ثواب بڑھ جاتا ہے، کیونکہ مقتدیوں کی رضامندی امام کے صلاح وتقویٰ کی دلیل ہے، لیکن مقتدیوں میں ان مقتدیوں کا اعتبار ہوگا جو دین دار دین پسند ہوں، نماز کے احکام سے واقف ہوں۔

سوال وجواب

سوال: امام کے سلسلہ میں تو یہ کہا کہ مقتدی اس سے خوش رہتے ہوں، مؤذن کے سلسلہ میں یہ بات نہیں کہی، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: امام کی نماز کے نقص سے مقتدیوں کی نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے، اسی طرح امام کی نماز کے کمال سے مقتدیوں کی نماز میں کمال پیدا ہوتا ہے، اذان میں ایسا کچھ نہیں ہے، لہٰذا امام کے ساتھ مقتدیوں کی رضا کی قید لگی ہے، اور مؤذن کے ساتھ نہیں لگی ہے۔

ورجل ینادی: یہاں مضارع کا صیغہ ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اذان دینے کی فضیلت اسی وقت ہے جب اس میں استمرار ہو، اسی وجہ سے اس کو "**بالصلوات الخمس**" کے ساتھ مقید کیا ہے، اسمیں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مؤذن کا مقام ومرتبہ امام سے کم ہے، جیسا کہ مؤذن کا مؤخر کرنا خود اس بات پر غمازی کر رہا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۶۸)

مؤذن کے حق میں تمام مخلوقات کا گواہی دینا

﴿۶۱۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُلَهٗ مَدىٰ صَوْتِهٖ وَيَشْهَدُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ يُكْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ صَلٰوةً وَيُكَفَّرُ عَنْهُ مَابَيْنَهُمَا۔ (رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجۃ) وَرَوَى النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَقَالَ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى۔

حوالہ: مسند احمد: ۴۱۱/۲، ابو داؤد شریف: ۷۶/۱، باب رفع الصوت بالاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۱۵۔ ابن ماجہ شریف: ۵۳، باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۲۴۔ نسائی شریف: ۱۰۶/۱، باب رفع الصوت بالاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اذان دینے والے کی بخشش کی جاتی ہے، جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہے اور اس کے حق میں ہرتر اور خشک چیز گواہ بنے گی، اور نماز میں آنے والا اس کے لئے پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے وہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں جو دو نمازوں کے درمیان کئے ہیں''۔

تشریح: مؤذن کو اذان دینے میں استطاعت بھرآواز بلند کرنا چاہئے، کیونکہ آواز جتنی بلند ہوں گی اس کے حق میں اتنی ہی فائدہ مند ہوں گی، اگر پوری توانائی صرف کرکے اذان دیگا، تو مغفرت بھی مکمل ہوگی اور جس مخلوق تک بھی اذان کی آواز پہنچے گی وہ مخلوق قیامت کے دن اسکے حق میں گواہ ہوگی، مؤذن کو نماز پڑھنے والے کی طرح بھی ثواب ملے گا؛ کیونکہ وہ لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ "الدال علی الخیر کفاعلہ"

المؤذن یغفر لہ مدی صوتہ: مؤذن کے اذان کی آواز جہاں

تک پہونچتی ہے وہاں تک اس کی مغفرت کی جاتی ہے، اس جز کی بہت سی تشریحات کتب حدیث میں منقول ہیں، چند ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

(۱)......اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کو اپنی آواز ممکنہ حد تک بلند رکھنا چاہئے؛ کیونکہ جتنی بلند آواز ہوگی، اتنی ہی لمبی چوڑی مغفرت ہوگی، یعنی مغفرت تامہ ہوگی۔

(۲)......اگر مؤذن کے گناہوں کو جسم فرض کیا جائے اور وہ اتنی دور تک بھر جائیں جتنی دور تک اس کی اذان کی آواز جارہی ہے تو یہ سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔

(۳)...... جہاں تک اس کی اذان کی آواز جائے گی، اس جگہ میں اگر مؤذن نے کوئی گناہ کیا ہوگا تو وہ گناہ معاف ہوجائے گا۔

(۴)...... جہاں تک اذان کی آواز جائے گی اس حصہ میں جو لوگ بھی ہوں گے موذن کی سفارش سے ان کی بخشش کردی جائے گی۔

(۵)......مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں جتنی بھی چیزیں ہوتی ہیں مؤذن کے لئے استغفار کرتی ہیں، یہ تشریح اس وقت ہوگی جب **یغفر** کو **یستغفر** کے معنی میں لیا جائے۔

رطب: مراد ہر شئی نامی ہے، یعنی ہر بڑھنے والی چیز جیسے انسان، حیوانات، نباتات وغیرہ۔

یابس: مراد شئی غیر نامی ہے، یعنی ہر وہ چیز جو بڑھنے والی نہ ہو، جیسے جمادات وغیرہ۔

حاصل یہ ہے کہ ہر خشک اور تر یعنی بڑھنے والی اور نہ بڑھنے والی ہر طرح کی مخلوقات قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی دیں گے۔ یہ تمام لوگ مؤذن کے بارے میں کس چیز کی گواہی دیں گے؟ اس کے ایمان کی گواہی دیں گے، یا اس کے عمل خیر کی؟ کہ اس نے ان باتوں کا اعلان کرکے لوگوں کو نماز کی طرف بلایا تھا۔

یہ گواہی حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ حقیقت پر بھی محمول ہو سکتی ہے، اور یہ اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں جن میں گویائی کی طاقت نہیں ہے، اپنے فضل سے گویائی کی طاقت عطا فرمادیں گے، اس کے بعد وہ چیزیں گواہی دیں گیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھنے والے کے لئے چنداں تعجب کی گنجائش نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ گواہی دینا مجاز پر محمول ہو اور مقصود مبالغہ ہو جیسا کہ ابن ملکؒ نے کہا ہے۔

و شاهد الصلوة: اس کا عطف کس پر ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

(۱)...... **المؤذن!** پر ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤذن کی مغفرت کی جاتی ہے، اور اس شخص کی مغفرت کی جاتی ہے، جو مؤذن کی اذان سن کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوتا ہے، اس قول کے قائل علامہ طیبیؒ ہیں۔

(۲)...... **كل رطب ويابس!** پر عطف ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے حق میں ہر خشک وتر چیز گواہی دیگی اور نماز پڑھنے والا بھی گواہی دیگا، چونکہ ہر خشک وتر چیز میں نماز پڑھنے والا بھی شامل ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ یہ **عطف الخاص على العام** کے قبیل سے ہے۔

صاحب مرقاۃ کے نزدیک دوسرا قول زیادہ راجح ہے۔

يكتب له: "**له**" ضمیر اور آگے "**عنه**" ضمیر دونوں کا مرجع "**شاهد الصلوة**" بھی بن سکتا ہے، اور یہ لفظاً زیادہ قریب بھی ہے، اور "المؤذن" بھی بن سکتا ہے، یہ معنی انسب ہے، کیونکہ اصلاً مؤذن ہی کا حدیث میں تذکرہ ہو رہا ہے، یہاں یہ بات کہی گئی ہے کہ نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنے والے کے لئے پچیس نمازیں لکھی جائیں گی، جب کہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ستائیس درجہ افضل ہے، روایات میں اختلاف حالات اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔

ویکفر عنہ: مؤذن کے گناہ صغیرہ جواذانوں کے درمیان ہوئے ہوں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے گناہ صغیرہ جو دو نمازوں کے درمیان ہوئے ہوں اذان اور نماز کی وجہ سے معاف ہوجاتے ہیں۔

ولہ مثل اجر: مؤذن کو اذان دینے کی بنا پر وہ ثواب بھی ملتا ہے، جو نمازیوں کو ملتا ہے، کیونکہ مؤذن جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا سبب بنتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ جو نیکی کا ذریعہ بنتا ہے اس کو نیکی انجام دینے والے کے بقدر ثواب ملتا ہے۔

امام کے لئے مقتدیوں کی رعایت

﴿٦١٧﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَأْخُذُ عَلٰی اَذَانِهٖ اَجْرًا۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: مسند احمد: ۲۱۷، ابوداؤد شریف: ۱/۷۹، باب اخذ الاجر علی التأذین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۳۱۔ نسائی شریف: ۱/۱۰۹، باب اتخاذ المؤذن الذی لایأخذ علی اذانہ اجرا، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۷۱۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے میری قوم کا امام بنادیجئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کے امام ہو، تم کمزور لوگوں کی پیروی کرو، اور اس شخص کو مؤذن بناؤ جو اپنی اذان کا معاوضہ نہ لیتا ہو۔

تشریح: وعن عثمان بن ابی العاص قال قلت:
یہ عثمان بن ابو عاص طائفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وفد ثقیف کے ساتھ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا عامل بنا کر بھیجا، انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "انت امامهم" میں نے تم کو ان کا امام بنا دیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عہدہ طلب کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عثمان بن ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کا عہدہ کیوں طلب کیا؟

جواب: (۱)......حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عثمان کو طائف کا عامل بنایا، تو گویا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو عہدہ مل گیا، پھر حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عہدہ نہیں طلب کیا؛ بلکہ نماز پڑھانے کی اجازت طلب کی، جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا تأمل عطا فرمادی۔

(۲)......اگر کوئی شخص کسی عہدہ کا مستحق ہے اور وہ دینی مصلحت کے پیش نظر اس عہدہ کو طلب کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے کہا تھا: "اجعلني على خزائن الارض اني حفيظ عليم" حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ بھی امامت کے مستحق تھے، اور اس میں انہوں نے مصلحت

سمجھی، لہٰذا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امامت کرنے کی درخواست کی جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمائی۔

واقتد باضعفهم: اس کی دو تشریحیں ہیں:

(۱)...... بدنی طاقت کے اعتبار سے کمزور لوگوں کی رعایت کا حکم ہے۔

(۲)...... بہت زیادہ نیک وفرماں بردار لوگ جو خشوع وخضوع میں بہت بڑھے ہوئے ہوں ان کی تعظیم کا حکم ہے۔

پہلی تشریح کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ نمازیوں میں جو سب سے ضعیف وکمزور لوگ ہیں ان کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، نہ بہت زیادہ لمبی نماز پڑھائی جائے اور نہ بہت تیزی سے نماز پڑھائی جائے، اس وجہ سے کہ کمزور آدمی نہ تو بہت دیر قیام کرسکتا ہے اور نہ بہت تیزی سے رکوع وسجدہ کرسکتا ہے، لہٰذا دونوں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر امام کو نماز پڑھانا چاہئے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدیوں میں ان لوگوں کی تعظیم وتکریم کرو جو بوڑھے ہوں، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید ریش بوڑھے سے شرم کرتے ہیں، اور بوڑھے کی تعظیم گویا اللہ کی تعظیم ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت کرکے یہ بتایا کہ امام ہونے کی وجہ سے تمہارا مرتبہ بلند ہوگیا، لیکن تم اس کے باوجود بوڑھوں کی تعظیم کرتے رہنا، اور اگر اضعف کی دوسری تشریح "**اکثرهم خشوعا وتذللا**" لی جائے تو بھی یہی مطلب ہے کہ امام ہونے کے باوجود امت میں جو پرہیزگار ومتقی لوگ ہوں ان کی تعظیم کرتے رہنا۔

واتخذ مؤذنا الخ: اذان کا فریضہ اس شخص کے سپرد کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اذان دیتا ہو، جس شخص کا مقصد ہی اذان سے پیسہ کمانا ہو اس کو مؤذن نہ مقرر کرنا چاہئے۔

اجرت علی الطاعۃ کا مسئلہ

وَ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا: اس سے اجرت علی الطاعۃ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

تو اس کے حکم میں اختلاف ہے، شوافع مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، اور حنفیہ اور حنابلہ کا اصل مسلک یہ ہے کہ اجرت علی الطاعۃ نا جائز ہے۔

دلیل شوافع: حضرات شوافع دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے جو بخاری شریف میں تفصیل سے موجود ہے، کہ انہوں نے ایک مار گزیدہ پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض میں بکریوں کا ریوڑ لیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرمائی۔

دلیل احناف: احناف دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابی بن کعب کی حدیث سے کہ انہوں نے تعلیم قرآن پر ایک قوس بطور اجرت وصول کی تھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر پہونچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید ارشاد فرمائی۔

شوافع کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ مسئلہ ہے اجرت علی الطاعۃ کا، اور یہ اجرت علی الدواء ہے اس کے قائل ہم بھی ہیں، اسی لئے احناف فرماتے ہیں کہ مریض کے لئے یا تجارت وغیرہ کسی دنیوی غرض کے لئے ختم قرآن کرانا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے، لیکن متاخرین احناف نے تعلیم اذان امامت وغیرہ چیزوں پر اجرت لینے کی ضرورت کی بناء پر اجازت دی ہے۔

اذان کے وقت دعا کا قبول ہونا

﴿٦١٨﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ

عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِيْ۔ (رواه ابوداؤد والبيهقى فى الدعوات الكبير)

حواله: ابوداؤد شريف: ۷۸/ ۷۹/ ۱، باب ما يقول عند اذان المغرب، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۳۰۔

ترجمه: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سکھلایا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھوں: "اللهم الخ" اے اللہ! یہ وقت آپ کی رات کے آنے اور آپ کے دن کے جانے کا ہے اور آپ کو پکارنے والوں کی آوازوں کا ہے، تو آپ مجھ کو بخش دیجئے۔

تشريح: اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا اذان کے وقت دعا کرنا چاہئے؛ خاص طور سے مغرب کے وقت اذان مکمل ہونے پر مذکورہ بالا دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اللهم هذا: ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ حدیث میں موجود کلمات فجر کی اذان کے بعد بھی تھوڑے سے تغیر کے بعد کہے جائیں، فجر کی اذان کے بعد یوں کہنا چاہئے: "هذا ادبار ليلك واقبال نهارك"

اعتراض مع جواب

اعتراض: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ امور توقیفی ہیں ان میں قیاس نہیں چلتا؛ لہٰذا اذان فجر کے بعد یہ دعا نہ پڑھی جائے۔

جواب: اذان کے بعد دعا مانگنے سے کوئی مانع شرعی موجود نہیں ہے، آدمی اپنے الفاظ سے دعا مانگتا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہوتا تو ان الفاظ سے جو کہ الفاظ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ماخوذ ہیں کیسے حرج ہو سکتا ہے؟ (مرقاۃ: ۱۷۰/ ۱۷۱/ ۲)

کلمات تکبیر کا جواب دینا

﴿٦١٩﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَوْ بَعْضِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالاً اَخَذَ فِی الْاِقَامَۃِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا وَقَالَ فِیْ سَائِرِ الْاِقَامَۃِ کَنَحْوِ حَدِیْثِ عُمَرَ فِی الْآذَانِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۷۸، باب مایقول اذا سمع الاقامۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہنا شروع کی، چنانچہ جب انہوں نے "قد قامت الصلوٰۃ" کہا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اقامھا اللہ و ادامھا" [اللہ نماز کو قائم رکھے اور ہمیشہ باقی رکھے] اور آپ نے باقی تکبیر میں اسی طرح الفاظ کہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اذان کے متعلق مذکور ہے۔

تشریح: جب اقامت کہی جائے تو جس طرح اذان سن کر کلمات اذان کا جواب دیا جاتا ہے اسی طرح اقامت سن کر کلمات اقامت کا بھی جواب دیا جائے؛ لیکن "قد قامت الصلوٰۃ" کہتے وقت "اقامھا اللہ و ادامھا" کہا جائے۔

اقامھا اللہ و ادامھا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکبیر کہنے والے

کی زبان سے جو کلمات سنے اسی کے مثل خود بھی کہے لیکن "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" "قد قامت الصلوٰۃ" کے جواب میں "اقامها الله و ادامها" کہا۔اور "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہا۔

سوال وجواب

سوال: تکبیر کے جواب دینے کے بارے میں ائمہ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: امام مالکؒ تکبیر کے جواب دینے کے قائل نہیں ہیں اور وہ حدیث باب کو ضعیف قرار دیتے ہیں، شوافع وحنابلہ تکبیر کا جواب دینے کے قائل ہیں اور حنفیہ کے یہاں دونوں طرح کے اقوال ہیں، البتہ جواب دینا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، حدیث باب اگر چہ ضعیف ہے؛ لیکن فضائل اعمال میں ضعیف پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص اقامت کا جواب نہ دے تو وہ کیا کرے؟

جواب: وہ کوئی دعا پڑھے، شامی میں ہے:"ولا بأس ان یشتغل بالدعاء" [دعا میں مشغول ہونے میں کوئی حرج نہیں۔]

اذان وتکبیر کے درمیان کی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی

﴿٦٢٠﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایُرَدُّ الدُّعَاءُ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔

(رواه ابوداؤد والترمذی)

حواله: ابوداؤد شريف:۷۷/ ۱، باب ماجاء في الدعاء بين الاذان والاقامة، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۵۲۱۔ ترمذی شریف: ۵۱/ ۱، باب الدعاء لايرد بين الاذان والاقامة، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۲۱۲۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اذان اور تکبیر کے درمیان (جو دعا کی جاتی ہے) وہ دعا رد نہیں کی جاتی۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان واقامت کے درمیان دعا مانگنے پر ابھارا ہے، اس مخصوص وقت میں اپنی حاجات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے، اس وقت میں اللہ تعالیٰ بندے کی دعا قبول فرماتے ہیں۔

لایرد الدعاء: دعا رد نہیں کی جاتی، یعنی اس وقت میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

بین الاذان والاقامۃ: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)...... اذان کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی ہے، یعنی ابتداء سے لے کر انتہا اذان تک اسی طرح ابتداء اقامت سے لے کر انتہاء اقامت تک جو وقت ہے اس میں دعا رد نہیں ہوتی ہے۔

(۲)...... ابتداء اذان سے لیکر انتہاء اقامت تک پورے وقت میں دعا رد نہیں ہوتی ہے۔ (بذل)

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے دعا مانگنے کے لئے کہا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "ماذا نقول یا رسول اللہ!" [اے اللہ کے رسول! ہم کیا دعا مانگیں؟] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سلو الله العافية في الدنيا والآخرة" [دنیا وآخرت دونوں جہان میں اللہ تعالیٰ سے

عافیت طلب کرو](مرقاۃ:۱۷۱/۲)

ایضاً

﴿۶۲۱﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ اَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔ (رواه ابو داؤد والدارمی) اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

حواله: ابو داؤد شریف: ۳۴۴/۱، باب الدعا عند اللقاء، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۵۴۰۔ دارمی: ۲۹۳/۱، باب الدعاء عند الاذان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۲۰۰۔

حل لغات: یلحم، لَحِمَ (س) لَحَمًا کسی جگہ پھنس جانا، پیوست ہو جانا، اسی سے المَلْحمَة ہے، گھمسان کی جنگ۔

ترجمه: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں، یا یہ فرمایا دو دعائیں کم رد کی جاتی ہیں: (۱) اذان کے وقت کی دعا، (۲) جنگ کے وقت جب کہ لوگ ایک دوسرے میں گھسے جا رہے ہوں اور ایک روایت میں ہے بارش کے وقت کی دعا، اس روایت کو ابو داؤد اور دارمی نے نقل کیا ہے، لیکن دارمی نے ’’تحت المطر‘‘ [بارش کے نیچے] الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل بھی یہی ہے کہ مندرجہ ذیل اوقات میں دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، ان اوقات میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں وہ اوقات یہ ہیں: (۱) اذان کے شروع ہونے سے لے کر اقامت کے انتہا تک کا وقت، (۲) کفار سے جنگ کے وقت، (۳) بارش کے نزول کے وقت۔

البأس: جب لڑائی شروع ہو جائے اس وقت مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر میں مستقل دعا کرتے رہے، حتی کہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فتح کی بشارت سنائی۔

تحت المطر: بارش کے نزول کے وقت بارش کے نیچے کھڑے ہو کر مانگی جانے والی دعا بھی رد نہیں ہوتی، بعض روایات سے ثابت ہے کہ جب بارش شروع ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم سے کپڑا ہٹا کر تھوڑی دیر کھڑے ہوتے اور بارش کا پانی اپنے اوپر لیتے، کسی صحابی نے اس کی وجہ پوچھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ تازہ پانی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آ رہا ہے، ابوداؤد میں ایک روایت ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: "ساعتان يفتح فيهما ابواب السماء وقلما ترد على داع دعوته عند حضور النداء ووقت المطر" [دو گھڑیاں ایسی ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اذان اور بارش کے وقت دعا کرنے والے کی دعا رد ہو] (مرقاۃ: ۲/۱۷۲)

اذان کے جواب دینے والے کا ثواب

﴿۶۲۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ۔

(رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۷۸/ ۱، باب مایقول اذا سمع المؤذن، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۲۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اذان دینے والے ہم سے بڑھے جا رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مؤذن جو کہتے ہیں تم بھی وہی کہو، اور جب کہہ چکو تو مانگو تم کو دیا جائے گا۔''

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ مؤذن کا بہت بڑا مقام ومرتبہ ہے، اگر کوئی اس مقام کو حاصل کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ وہ مؤذن کی اذان کا جواب دے، جو کوئی مؤذن کی اذان کا جواب دے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے تو اس کا مقام مؤذن سے بھی بڑھ جائے گا، الا یہ کہ مؤذن بھی اذان دینے کے بعد دعا مانگے، ایسی صورت میں دونوں کا مقام بہت بلند ہو جائے گا۔

ان المؤذنین یفضلوننا: مؤذنوں کو اذان دینے کی وجہ سے بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے، اس لئے وہ مقام ومرتبہ میں ہم سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

قل کما یقولون: مؤذن کے مثل کہو، یعنی مؤذن کو جواب دو، اجابت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......اجابت بالاقدام یہ تو بالاتفاق واجب ہے۔

(۲)...... اجابت بالقول، بعض لوگ اس کے بھی وجوب کے قائل ہیں، لیکن راجح قول

استحباب کا ہے؛ اگر اجابت بالقول واجب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مؤذن کے اللہ اکبر کہنے پر "علی الفطرۃ" اور شہادتین کہنے پر "خرج من النار" نہ فرماتے۔

اشکال مع جواب

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن جب "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کہے تو جواب دینے والا بھی انہیں الفاظ کو دہرائے، کیونکہ حدیث میں مطلقاً "قل کما یقولون" ہے، جب کہ ماسبق میں یہ بات گذری کہ "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا چاہئے، دونوں میں تضاد محسوس ہورہا ہے۔

جواب: اس حدیث میں پوری تفصیل نہیں ہے، دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا چاہئے، لہٰذا اس حدیث اور اس حدیث جس میں صراحت ہے، دونوں میں تضاد نہ ہوگا، بلکہ یہ حدیث مجمل ہے جس کیلئے وہ بیان ہے، بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ دونوں طرح کے کلمات کہے جائیں گے، تاکہ دونوں طرح کی روایات پر عمل ہوجائے۔

سوال وجواب

سوال: خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے اس کا جواب دینا مستحب ہے یا نہیں؟

جواب: بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جواب نہیں دیا جائے گا، اور بعض نے کہا ہے کہ جواب دینا مستحب ہے؛ لیکن دل میں۔

فاذا انتهيت: جب اذان کا جواب دے کر فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے جو چاہو دعا مانگو اللہ تعالیٰ تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائیں گے، اور تمہاری حاجات پوری فرمائیں گے۔

﴿الفصل الثالث﴾

شیطان کلمات اذان سے ڈرتا ہے

﴿٦٢٣﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيُّ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ مِيْلاً۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ١/١٦٧، باب فضل الاذان، كتاب الصلوٰة، حدیث نمبر: ۳۸۸۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ شیطان جب نماز کی اذان سنتا ہے تو وہ راہ فرار اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ''روحاء'' نامی جگہ تک پہونچ جاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ روحا مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

تشريح: اللہ تعالیٰ نے کلمات اذان میں وہ ہیبت رکھی ہے کہ شیطان اس کا تحمل نہیں کرپاتا، چنانچہ وہ اذان شروع ہوتے ہی اذان سے بہت دور بھاگتا ہے تاکہ کلمات اذان اس کے کان میں نہ پڑیں۔

ان الشيطان: شیطان سے مراد یا تو جنس شیطان ہے یا پھر سب کا سردار

ابلیس مراد ہے اور یہی زیادہ راجح ہے۔

اذا سمع النداء: اذان کی نفرت کی بناء پر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

مکان الروحاء: یعنی وہ اذان سے بھاگ جاتا ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: شیطان اتنی دور ہو جاتا ہے جتنی دور روحاء نامی جگہ ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۷۲)

حیعلتین کے جواب میں لاحول الخ کہنا

﴿۶۲۴﴾ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ اِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِذْ اَذَّنَ مُؤَذِّنُهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتّٰى اِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۹۱/ ۹۲/ ۴.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا، اتنے میں ان کے مؤذن نے اذان دینا شروع کی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤذن کے جواب میں وہی کلمات دوہرائے جو مؤذن نے کہے، یہاں تک کہ جب مؤذن نے ”حي على الصلوٰة“ کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ“ فرمایا، پھر جب مؤذن نے ”حي على الفلاح“ کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ“

فرمایا، اور بقیہ کلمات میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی کہا جو مؤذن نے کہا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔''

تشــــریــح: اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اذان کا جواب دینا چاہئے اس میں بہت زیادہ ثواب بھی ہے اور یہ اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی اور عملی دونوں طرح کی احادیث ہے۔

لَا حَـوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ: اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' کہا جائے گا۔

صاحب مرقاۃ نے علامہ طیبیؒ کا قول نقل کیا ہے: ''العلی العظیم'' کے الفاظ کا اضافہ روایات میں نادر ہے، یعنی صرف اس روایت میں یہ الفاظ ہیں، دیگر روایات میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

کلمات اذان کہنے والا جنت کا مستحق ہے

﴿٢٢٥﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ یُنَادِیْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا یَقِیْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ١٠٩/١، باب ثواب ذلک، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ٦٧٣۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دینے لگے، جب وہ خاموش ہوئے تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اس طرح کے کلمات دل کے یقین کے ساتھ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: اذان کے کلمات بنیادی عقائد پر مشتمل ہیں؛ لہٰذا جو شخص ان کلمات کو دل کے یقین کے ساتھ ادا کرے گا وہ مسلمان خواہ عاصی ہی کیوں نہ ہو جنت میں ضرور جائے گا۔

یقینا: یعنی کلمات اذان کہنے میں مخلص ہو۔

دخل الجنۃ: جنت میں دخول کا مستحق ہوگیا، اور نجات پانے والوں میں شامل ہوگیا، اس سے معتزلہ اور خوارج کی تردید ہوتی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں مرتکب کبیرہ مومن نہیں ہے۔ لہٰذا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان کا جواب دیتے تھے

﴿۶۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَأَنَا وَأَنَا۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۷۸/ ۱، باب مایقول اذا سمع المؤذن، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۲۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو شہادتین پکارتے سنتے تو فرماتے اور میں بھی

اور میں بھی۔

تشـــریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلمات اذان کا جواب دیتے تھے لہٰذا امت کو بدرجہ اولیٰ اذان کے کلمات کا جواب دینا چاہئے۔

و انا و انا: اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنی رسالت پر شہادت دینے کے مکلف تھے، پہلے "انا" کا تعلق "اشهد ان لا اله الا الله" سے ہے، اور دوسرے "انا" کا تعلق محمد رسول اللہ سے ہے۔

تعارض مع جواب

تعارض: ماقبل میں حدیث گذری "قولوا مثل مايقول المؤذن" یعنی جو کلمات مؤذن کہے جواب میں وہی کلمات کہو، جب کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہادتین کے جواب میں "انا و انا" پر اکتفا کرتے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و عمل میں تضاد ہے۔

جواب: (۱)...... یہ واقعہ جو اس حدیث میں ہے وہ "قولوا مثل ما يقول المؤذن" سے پہلے کا ہے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان "قولوا الخ" وجوب کیلئے نہیں ہے۔

اذان واقامت کا ثواب

﴿۶۲۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ

لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ اِقَامَةٍ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجہ شریف:۵۳، باب فضل الاذان، کتاب الاذان والسنة فيه، حدیث نمبر:۷۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے بارہ برس اذان دی، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، اور اس کے لئے اس کی اذان کی وجہ سے ہر دن ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے لئے اقامت کی وجہ سے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں اذان وتکبیر کہنے میں سبقت کرنے پر ابھارنا مقصود ہے، دونوں کام حصول ثواب کا ذریعہ اور دخول جنت کا سبب ہیں۔

وجبت له الجنة: اللہ تعالیٰ کے اوپر اصلاً کچھ واجب نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ حدیث میں مذکور مدت تک اذان دینے والے کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت اس کے لئے واجب ہے۔

وكتب له بتأذينه: یعنی فقط اذان دینے سے یہ نیکیاں لکھی جائیں گی نہ کہ نماز کو شامل کرکے۔

وفي كل يوم: مراد یہ ہے کہ ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس پر قرینہ حدیث کے آگے آنے والے الفاظ ''ولكل اقامة'' ہیں۔

ثلثون حسنة: تکبیر کا ثواب اذان کے بہ نسبت آدھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان حاضرین اور غائبین دونوں کو آگاہ کرنے کے لئے دی جاتی ہے، جب کہ تکبیر

صرف حاضرین کے لئے ہوتی ہے، نیز اذان میں محنت ومشقت زیادہ ہے، اس لئے اذان کا ثواب بھی زیادہ ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ثواب اس شخص کے لئے ہے جو اذان واقامت پر مداومت کرے؛ لیکن یہ بات خلاف ظاہر ہے۔

اذان مغرب کے وقت دعاء

﴿۲۲۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ۔

(رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حواله: بيهقى فى الدعوات الكبير.

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم دیا گیا تھا۔

تشریح: اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، خاص طور سے مغرب کے وقت، لہٰذا اس وقت ضرور دعا کرنا چاہئے۔

کنا نؤمر: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مغرب کی اذان کے وقت دعا کرنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی تھی، اس وجہ سے کہ اس وقت سورج غروب ہوتا ہے، اور رات آتی ہے، اس حدیث شریف میں اسی دعا کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ ماقبل حدیث میں ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فیه فصلان

اس باب میں تین کے بجائے صرف دو فصلیں ہیں: (۱) فصل اول۔ (۲) فصل ثالث۔ درمیان کی فصل ثانی نہیں ہے، یہ باب درحقیقت کوئی مستقل باب نہیں ہے، بلکہ سابقہ دوابواب کا تتمہ ہے، چنانچہ صاحب مرقاۃ نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے اس باب کی بابت لکھا ہے: "هذا باب فی تتمات لما سبق فی البیاض ما قبله" یعنی گذشتہ صفحات میں جو دو باب (۱) باب الاذان. (۲) باب فضل الاذان واجابة المؤذن گذرے ہیں انہی کا تتمہ ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

طلوع فجر کے بعد اذان فجر ہوگی

﴿۶۲۹﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا

وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلاً اَعْمىٰ لَايُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالُ لَهٗ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۸۷/۱، باب اذان الاعمیٰ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۱۷۔ مسلم شریف: ۳۴۹/۱، باب بیان ان الدخول فی الصوم کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۱۰۹۲۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ بلال رضی اللہ عنہ رات کو ہی اذان دے دیتے ہیں، لہٰذا تم لوگ کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیں، راوی نے کہا کہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک کہ ان سے یہ نہ کہا جاتا کہ صبح ہوگئی صبح ہوگئی۔

تشریح: اگر کوئی شخص وقت آنے سے پہلے اذان دے دے تو اس کی اذان سن کر کھانے پینے سے رکنا نہیں چاہئے، کیونکہ روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق سے پہلے تک کھانے پینے کی گنجائش ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہی بات بتائی ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ وقت آنے سے پہلے اذان دے دیتے ہیں اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وقت آنے پر اذان دیتے ہیں؛ لہٰذا اذان فجر کے سلسلہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہی اذان معتبر ہوگی۔

بلالا ینادی: حضرت بلال رضی اللہ عنہ لوگوں کو تہجد کے لئے بیدار کرنے یا سحری کھانے پر متنبہ کرنے کے لئے طلوع صبح صادق سے پہلے اذان دیتے تھے۔

ینادی ابن ام مکتوم: حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے تھے۔

اصبحت: چونکہ عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا تھے لہٰذا جب ان کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ یقینی طور پر معلوم ہو جاتا کہ اذان فجر کا وقت ہو گیا ہے تبھی وہ اذان دیتے تھے۔

قبل از وقت اذان کا مسئلہ

اذان کا وقت آنے سے پہلے اذان دینا درست نہیں ہے؛ البتہ اذان فجر کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک دوسری نمازوں کی طرح فجر کی نماز میں بھی وقت آنے سے پہلے اذان دینا جائز نہیں، اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان دے دی تو دوبارہ اذان دینا ضروری ہے۔

دلیل: **"ان بلالا اذن قبل طلوع الفجر فامره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان يرجع فينادى الا ان العبد قد نام" (ابوداؤد)**

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی اذان قبل از وقت جائز ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ طلوع فجر سے پہلے ہی اذان دیا کرتے تھے، لہٰذا اذان فجر قبل از وقت جائز ہے۔

جواب: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان نماز فجر کے لئے نہیں تھی، بلکہ سحری کی اطلاع دینے کیلئے تھی، چنانچہ حدیث کے الفاظ خود اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا فجر کے وقت سے پہلے اذان دینا ماہ رمضان کے ساتھ مخصوص تھا، چنانچہ بخاری شریف کی روایت سے اور زیادہ وضاحت ہوتی ہے: **"لا يمنعن احدكم او احدا منكم اذان بلال من سحوره فانه يؤذن او ينادى بليل ليرجع**

قائمکم ولینبه نائمکم" [یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کرسحری کھانے سے نہ رکو، اس لئے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو شخص تم میں سے تہجد پڑھ رہا ہے وہ سحری کھانے کے لئے گھر چلا جائے اور جو سو رہا ہے وہ بیدار ہو جائے۔]

مذهب حنفیه کی وجه ترجیح: مذہب حنفیہ قرآن سے ثابت شدہ قانون کلی کے مطابق ہے، نیز اس مذہب پر عمل کرنے سے تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔

بلال کی اذان سن کر سحری سے نہ رکو

﴿۲۳۰﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَمْنَعَنَّکُمْ مِنْ سُحُوْرِکُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَ لَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِیْلُ وَلٰکِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِیْرَ فِیْ الْاُفُقِ۔ (رواه مسلم) وَلَفْظُهٗ لِلتِّرْمِذِیِّ۔

حواله: مسلم شریف: ۱/۳۵۰، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۱۰۹۴۔

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ تم کو بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے، اور نہ دراز صبح (صبح کاذب) روکے، لیکن آسمان کے کناروں میں پھیلی ہوئی فجر (صبح صادق) کے بعد رک جاؤ۔ (مسلم شریف) الفاظ ترمذی کے ہیں۔

تشریح: حضرت بلال رضی اللہ عنہ وقت فجر کی آمد سے پہلے اذان دیتے ہیں، ان

کے اذان دینے کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ اذان سن کر روزہ رکھنے والے کھانے پینے سے رک جائیں بلکہ ان کے اذان دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ سورہے ہوں وہ نماز تہجد اور سحری کے لئے بیدار ہو جائیں اور جو لوگ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تہجد میں مشغول ہوں وہ بھی سحری کھانے کے لئے متنبہ ہو جائیں۔

لا یمنعنکم: اصل میں "لایمنعکم" ہے یہ نفی ہے یا پھر نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد بھی تم لوگ سحری کھاتے رہو اس وجہ سے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق سے پہلے صبح کاذب میں اذان دیتے ہیں، اور صبح کاذب میں وقت فجر شروع نہیں ہوتا ہے، صبح کاذب کا مطلب ہے آسمان میں لمبائی میں روشنی ہونا، یہ روشنی تھوڑی دیر کے بعد غائب ہو جاتی ہے اس کے کچھ دیر کے بعد فجر صادق طلوع ہوتی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۷۵)

سفر میں اذان کا حکم

﴿۶۳۱﴾ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِیْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِیْمَا وَلْیَؤُمَّکُمَا اَکْبَرُکُمَا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۸۸/ ۱، باب من قال لیوذن فی السفر مؤذن واحد، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۸۸۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے چچا زاد بھائی دونوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم دونوں سفر میں ہوتو اذان دو اور تکبیر کہو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔''

تشـــــریــح: اذان وتکبیر کا سفر وحضر ہر جگہ اہتمام کرنا چاہئے، اور امام اس کو بنانا چاہئے جو لوگوں میں سب سے زیادہ نیک وصالح ہو۔

اذا سافر تما فاذنا: سفر کرنے والے دو لوگ ہیں اور اذان واقامت کی نسبت دونوں کی طرف ہورہی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں جتنے لوگ ہوں سب کو اذان کہنا چاہئے، یہ حدیث کا ظاہری مفہوم ہے لیکن منشاء رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ہے کہ اذان واقامت کی لیاقت دونوں میں ہے لہٰذا دونوں میں سے جو کوئی چاہے اس امر کو انجام دے، لیکن امامت کے معاملہ میں اس بات کا لحاظ رہے کہ جو شخص افضل ہو وہ امامت کرے۔

ولیؤ مکما: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے چچا زاد بھائی دونوں علم وتقویٰ میں مساوی ہوں گے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھنا چاہئے

{۶۳۲} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۸۸/ ۱، باب الاذان للمسافر، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۳۱۔ مسلم شریف: ۲۳۶/ ۱، باب من احق بالامامة،

کتاب المساجد، حدیث نمبر:٦٧٤۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اور جب نماز کا وقت آجائے تو چاہئے کہ تم میں سے کوئی شخص اذان دے، پھر تمہاری امامت وہ شخص کرے جو تم میں سب سے بڑا ہو۔

تشریح: نماز میں پوری کوشش کرنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ نماز ہو، نیز امام اس کو بنانا چاہئے جو علم اور عمر میں بڑا ہو۔

صلوا کما رأیتمونی: یعنی شرائط وارکان کی رعایت اسی طرح کرو جس طرح میں کرتا ہوں۔

لیؤمکم اکبرکم: جو بڑا ہو اس کو امام مقرر کرنا چاہئے، بڑائی سے مراد فضیلت ہے، علم وتقویٰ میں اگر کوئی بڑا ہے تو اس کو امام بنایا جائے گا، اگر دو لوگ یا چند لوگ ایسے ہوں جو علم وفضل میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہوگا اس کو امام بنایا جائے گا۔

قضا نماز کے لئے اذان

﴿٦٣٣﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَیْبَرَ سَارَ لَیْلَةً حَتّٰی اِذَا اَدْرَکَهُ الْکَرٰی عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِکْلَأْ لَنَا اللَّیْلَ فَصَلّٰی بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهٗ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اِسْتَنَدَ بِلَالٌ اِلٰی رَاحِلَتِهٖ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ

فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى رَاحِلَتِهٖ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَهُمْ اِسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ اَخَذَ بِنَفْسِیْ الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اِقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۳۸/۱، باب قضاء صلوة الفائتة، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اترے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہماری رات کی حفاظت کرنا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جتنی ان کے لئے مقدر کی گئی تھی نماز پڑھی، اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ سو گئے جب فجر نزدیک ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی طرف منہ کر کے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر نیند غالب آ گئی، درانحالیکہ وہ اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، نہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور نہ بلال رضی اللہ عنہ ہی بیدار ہوئے اور نہ ہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی بیدار ہوا، یہاں تک کہ ان کو دھوپ پہونچی تو سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھبرا گئے اور کہا اے بلال! تجھے کیا ہوا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جس چیز نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غلبہ کیا اسی چیز نے میرے اوپر بھی غلبہ پالیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے اونٹوں کو آگے بڑھالو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی سواریوں کو آگے بڑھالیا، پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نماز بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت اس کو پڑھ لے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''نماز مجھے یاد کرنے کے لئے قائم کرو۔''

تشریح: اگر نماز کسی وجہ سے فوت ہوجائے تو جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لینا چاہئے، اگر وقت مکروہ میں یاد آئی ہے تو اتنی دیر ٹھہرے رہنا چاہئے کہ وقت مکروہ گذر جائے، اور اگر پوری جماعت کی نماز فوت ہوگئی ہے تو قضاء نماز میں بھی اذان واقامت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مں غزوۂ خیبر: محرم الحرام ۷ھ میں غزوہ خیبر واقع ہوا۔

خیبر: مدینہ منورہ سے بجانب شمال تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ایک جگہ کا نام ہے، جو یہودیوں کی ایک اہم آبادی تھی، مدینہ منورہ کے جن یہودیوں کو ان کی بدعہدی، شرارت اور فتنہ انگیزی کے سبب جلاوطن کیا گیا تھا، انہوں نے بھی خیبر جاکر سکونت اختیار کرلی اور پھر خیبر یہودیوں کی اسلام دشمن سازشوں کا بڑا مرکز بن گیا، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ خیبر کے یہودیوں نے نہ صرف اپنی جنگی تیاریوں کے ساتھ بلکہ آس پاس کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر اوران کو اپنے ساتھ لیکر مدینہ منورہ پر حملہ

کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے، تو اس منصوبہ کو ناکام بنانے کیلئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تقریباً ڈیڑھ ہزار جان نثاروں کے ساتھ ۷ھ میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور خیبر کا محاصرہ کرلیا اور یہ محاصرہ دس روز سے کچھ زائد دن قائم رہا پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

استند بلال الی راحلته: حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر رات بھر جاگنے اور نماز کی کثرت سے ادائیگی کی بناء پر کچھ ضعف لاحق ہوگیا، چنانچہ انہوں نے سواری پر ٹیک لگائی، پھر ان پر نیند طاری ہوگئی، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فجر کی نماز کے لئے بیدار نہ کرسکے۔

فکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولهم استيقاظا: سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے بیدار ہونے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیدار ہونے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ''نفوس زکیہ'' پر وقتی طور پر بشری پردے پڑ جاتے ہیں لیکن وہ پردے بہت جلد زائل ہوجاتے ہیں اور جو نفس جتنا پاک باز ہوتا ہے اس پر سے اتنی ہی جلدی پردے زائل ہوجاتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۷۷)

فقال ای بلال: یہاں عتاب محذوف ہے یعنی کیوں سو گئے اے بلال! ہماری نماز چھوٹ گئی۔

فقال بلالؓ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتایا کہ میرا سونا بلا اختیار تھا، جان بوجھ کر میں نہیں سویا۔

اقتادوا: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز نہیں پڑھی بلکہ اس جگہ سے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور آگے جا کر نماز پڑھی۔

حضور اقدس ﷺ نے جائے قیام پر نماز کیوں نہیں پڑھی؟

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیدار ہونے کے بعد اسی وقت مخصوص جگہ میں نماز کیوں نہیں پڑھی، اس سلسلہ میں ائمہ کے جوابات مختلف ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ وہ جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شیطان کی وادی معلوم ہوئی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس شیطان کے اثرات والی جگہ سے نکل چلو دوسری جگہ چل کر نماز پڑھیں گے۔

احناف کا مذہب: وہ وقت مکروہ تھا اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت میں نماز نہیں پڑھی۔

ائمہ ثلاثہ کا جواب: شیطان تو ہر جگہ ساتھ رہتا ہے حتی کہ عین نماز میں بھی ساتھ رہتا ہے اسلئے اصل علت وقت مکروہ کا ہونا ہی ہے اور اسی علت کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت نماز نہیں پڑھی۔

وامر بلال: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا؛ چنانچہ انہوں نے اقامت کہی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قضاء نماز کے لئے اذان نہیں ہے۔

قضا نماز کے لئے اذان ہے یا نہیں؟

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک قضا نماز کے لئے صرف اقامت ہے اذان نہیں ہے۔

دلیل: امام مالکؒ کی دلیل حدیث باب ہے اس میں اقامت کا تذکرہ ہے، اذان کا تذکرہ

نہیں ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک قضا نماز کیلئے اذان واقامت دونوں ہیں۔

دلیل: (۱)''ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر بلال بالاذان و الاقامۃ''

(۲)......''عن زید بن اسلم فلیصلھا کما کان یصلیھا فی وقتھا'' ان دو دلیلوں کے علاوہ اور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان بھی قضا نماز میں ہوگی، نیز عقل کا بھی یہی تقاضا ہے اس وجہ سے کہ اذان واقامت نماز کی سنتیں ہیں نہ کہ وقت کی، پھر وقت کے فوت ہونے سے اذان بھی فوت ہو جائے صحیح نہیں۔

اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک اوقات ثلاثہ مکروہہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے:''فلیصلھا اذا ذکرھا'' اس کا عموم بتا رہا ہے کہ اگر اوقات مکروہہ میں نماز یاد آئی تو بھی پڑھی جائے گی۔

احناف کا مذہب: احناف کے نزدیک اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

دلیل: ''ثلث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینھانا ان یصلی فیھن'' اس کے علاوہ بہت سے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

جواب: ہمارے دلائل محرم ہیں اور جمہور کے دلائل مبیح ہیں اور محرم و مبیح میں جب تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے:''تنام عینای و لا ینام

قلبی" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے، پھر یہ کیسے ہوگیا کہ فجر کا وقت نکل گیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمجھ نہیں سکے؟

جواب: (۱)......طلوع شمس کا ادراک حسیات سے ہوتا ہے، یعنی اس کو آنکھ سے دیکھ کر سمجھا جاتا ہے، دل سے نہیں اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سو رہی تھیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وقت کی اطاع نہیں ہوسکی۔

(۲)......قلب کی بیداری سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نیند کی حالت میں اگر حدث پیش آتا تو اس کا احساس ہوجاتا تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں تھی، طلوع شمس وغیرہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر اس پر یہ سوال کیا جائے کہ کشف یا الہام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں معلوم نہیں ہوا، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس کا انحصار حق تعالیٰ شانہ کی مشیت ومرضی پر تھا اگر حق تعالیٰ چاہتے تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوجاتا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار بھی ہوجاتے، مگر حق تعالیٰ شانہ نے یہ نہیں چاہا اور اس میں بڑی حکمت تھی کہ قضاء نماز کے احکام امت کو معلوم ہوجائیں، سو وہ معلوم ہوئے۔

مقتدی کب کھڑے ہوں

﴿۶۳۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَاتَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ قَدْ خَرَجْتُ۔ (متفق علیہ)

حواله: بخاری شریف: ۸۸/ ۱، باب متی یقوم الناس اذا رأوا الامام عند الاقامة، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ٦٣٧۔ مسلم شریف: ۲۲۰/ ۱، باب متی یقوم الناس للصلوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ٦٠۴۔

ترجمه: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تکبیر کہی جائے تو نہ کھڑے ہو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو کہ میں حجرے سے نکل آیا ہوں۔

تشریح: مقتدیوں کو نماز کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے، جب امام کو آتا دیکھ لیں اور اگر امام پہلے سے مسجد میں موجود ہے تو جب امام کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھ لیں تو کھڑے ہو جائیں۔

اذا اقیمت الصلوة فلا تقوموا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع کریں تو کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں مجھے دیکھ لو اگر میں حجرہ سے باہر نکل آیا ہوں تو کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ تکبیر کہنے میں جلدی کرتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کی طرف رخ کر کے بیٹھے رہتے اور جب یہ محسوس کرتے کہ پیغمبر علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں تو فوراً تکبیر شروع کر دیتے، تکبیر شروع کرنے پر لوگ کھڑے ہو جاتے، لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو غلط فہمی ہو جائے مثلاً حجرہ مبارکہ کا پردہ ہوا سے ہل گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سمجھیں کہ پردہ اٹھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کا ارادہ کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آہٹ محسوس ہوئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات یاد آ گئی اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کا سدباب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلال کی تکبیر پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں جب تک مجھے نہ دیکھ لو، مجھے دیکھنے کے بعد ہی کھڑے ہو۔ (ایضاح البخاری: ۱۲۷/۱۲۸/۴)

مقتدی کب کھڑے ہوں؟

آج کل جو صورت ہمارے دیار میں رائج ہے کہ امام مصلے پر آتا ہے تب تکبیر شروع ہوتی ہے، ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ مقتدی تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جائیں اور صفیں درست کرلیں، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی نہیں کھڑے ہوں گے تو صفوں کی درستگی نہیں ہو پائے گی اگر امام تکبیر کے بعد اور تحریمہ سے پہلے صفیں درست کرنے کی طرف توجہ دیتا ہے تو یہ طریقہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کیونکہ پیغمبر علیہ السلام سے صفوں کی درستگی کے لئے تکبیر کے بعد توقف منقول ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام طریقہ یہ تھا کہ صفوں کی درستگی کا اہتمام تکبیر ختم ہونے سے پہلے فرمالیتے اور تکبیر کے اختتام کے معاً بعد تکبیر تحریمہ کہتے۔

امام شافعیؒ سے مقتدی کے قیام کے لئے تکبیر سے فراغت کے بعد کا قول منقول ہے امام مالک سے "قد قامت الصلوٰة" پر کھڑا ہونا منقول ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ سے "حی علی الصلوٰة" پر کھڑے ہونے کا قول منقول ہے، لیکن ان تمام اقوال کا حاصل مقتدی کے قیام کی آخیر حد ذکر کرنا ہے، یعنی اس کے بعد تاخیر کی گنجائش قطعاً نہیں ہے، اور جہاں تک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا مسئلہ ہے تو اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ زیادہ بہتر ہے۔

حنفیہ کے قول "حی علی الصلوٰة" پر کھڑے ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں "والظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام اول الاقامة لا بأس" (طحطاوی علی درالمختار:۱/۲۲۵)

ظاہر یہ ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں تاخیر نہ کرے، یہ مطلب نہیں ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ" سے پہلے کھڑا نہ ہو، چنانچہ تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ آداب صلوٰۃ سے متعلق ہے اور اس میں توسع ہے لیکن کچھ لوگوں نے اس مسئلہ میں کم علمی کی وجہ سے تنگی پیدا کردی ہے، چنانچہ وہ اپنے عمل سے ظاہر کرتے ہیں کہ "حی علی الصلوٰۃ" ہی پر کھڑا ہونا واجب ہے، اس سے پہلے کھڑا ہونا درست نہیں، اور اس میں اتنا تشدد برتتے ہیں کہ اگر اقامت کے دوران بھی آتے ہیں تو کھڑے نہیں رہتے بلکہ نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ طریقہ خلاف سنت ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

نماز میں دوڑتے ہوئے شامل نہ ہو

﴿۶۳۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا تَاْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَةُ فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا۔ (متفق علیه) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا کَانَ یَعْمِدُ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَهُوَ فِی الصَّلٰوۃِ۔

حواله: بخاری شریف: ۱۲۴/۱، باب المشی الی الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۹۰۸۔ مسلم شریف: ۲۳۰/۱، استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار وسکینة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو نماز کے لئے دوڑتے ہوئے مت آؤ، بلکہ چلتے ہوئے آؤ، اور تمہارے اوپر سکون واطمینان اختیار کرنا لازم ہے تو جو نماز تم امام کے ساتھ پاؤ اس کو پڑھ لو اور جو نماز چھوٹ جائے اس کو پورا کرو۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے بلاشبہ تم میں سے کوئی شخص جب نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نماز میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: نماز میں بھاگتے ہوئے آکر شرکت نہ کرنا چاہئے، بلکہ سکون واطمینان سے آکر نماز میں شامل ہونا چاہئے، اگر کسی وجہ سے نماز کا کوئی حصہ چھوٹ بھی گیا تو اس کو مکمل جماعت میں شرکت کا ثواب ملے گا۔

اذا اقیمت الصلوۃ فلا تاتوھا تسعون: یعنی جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ، یہاں سعی سے منع کیا گیا ہے، سعی کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......دوڑتے اور لپکتے ہوئے آنا یہ مکروہ ہے۔

(۲)......اطمینان وسکون کے ساتھ چلتے ہوئے آنا یہ مستحب ہے۔

یہاں جس سعی سے منع کیا گیا ہے وہ دوڑنا اور لپکنا ہے اور قرآن کریم کی جن آیات میں سعی کا حکم ہے مثلاً ''**فاسعوا الی ذکر اللّٰہ**'' وہاں دوسرے معنی مراد ہیں، جیسے کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، قرآن کریم میں اذان سنتے ہی جس سعی کا حکم دیا ہے وہ حدیث میں مذکور سعی کے علاوہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مذکور سعی کی تفسیر ''مشی''

یعنی چلنے سے کی گئی ہے، اور حدیث میں مذکور سعی کی تشریح ''عدو'' یعنی دوڑنے سے کی گئی ہے، اور دوڑنا چلنے کے مقابل میں ہوتا ہے، اسی بناء پر حدیث میں کہا گیا ہے دوڑتے ہوئے نہ آؤ البتہ چلتے ہوئے آؤ۔ (فتح الباری: ۳/۴۱۸)

سوال وجواب

سوال: اگر کوئی شخص تکبیر اولیٰ میں شرکت کرنا چاہتا ہے اور بغیر دوڑے فوت ہونے کا خطرہ ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب: ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ایسا شخص دوڑ سکتا ہے، کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "فان عمر سمع المقالة بالبقیع فاسرع الی المسجد" [حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بقیع میں تھے کہ وہیں انہوں نے تکبیر کی آواز سنی وہ لپک کر مسجد پہونچے۔] جب کہ بعض دیگر لوگوں نے حدیث کے باب کے پیش نظر یہی موقف اختیار کیا ہے کہ ایسے شخص کو اطمینان سے چلتے ہوئے آنا چاہئے، اگرچہ تکبیر تحریمہ فوت ہو جائے، وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آکر نماز میں شامل ہونے کی وجہ سے اگر تکبیر تحریمہ بھی فوت ہوگئی تو بھی تکبیر تحریمہ میں شرکت کا ثواب ملے گا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ اتفاقاً نماز میں تاخیر ہوگئی ہو، اگر کسی نے دیدہ ودانستہ تاخیر کی ہے تو اس کو تکبیر تحریمہ میں شامل نہ ہونے کی صورت میں ثواب سے محرومی ہوگی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۰)

نماز کا اصل حق تو یہ ہے کہ آدمی پہلے سے نماز کیلئے تیار رہے اور تکبیر تحریمہ سے قبل ہی صف میں موجود رہے، تا کہ نماز کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ میں شامل ہو سکے۔

﴿وهذا الباب خال عن الفصل الثاني﴾

اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ صاحب مصابیح کو سنن میں اس فصل کے مناسب درجہ حسن کی روایات نہیں ملیں، اس لئے فصل ثانی قائم نہیں کی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۰)

﴿الفصل الثالث﴾

فوت شدہ نماز کی قضا

﴿۶۳۲﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنْ يُوْقِظَهُمْ لِلصَّلٰوةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا حَتّٰى اِسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِي وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ شَيْطَانٌ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنْزِلُوْا وَاَنْ يَتَوَضَّؤُا وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُنَادِيَ لِلصَّلٰوةِ اَوْ يُقِيْمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ ثُمَّ اِنْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ

هٰذَا فَإِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ اِلْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ اَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَاضْجَعَهٗ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهْدِئُهٗ كَمَا يُهْدَأُ الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَابَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

(رواه مالك مرسلا)

حواله: مؤطا امام مالک: ۵، باب النوم عن الصلوٰة، کتاب وقوت الصلوة، حدیث نمبر: ۲٦۔

ترجمه: حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک رات سفر مکہ کے دوران آرام کرنے کے لئے اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کے وقت لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے مقرر فرمادیا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ لگ گئی اور لوگ سو چکے تھے، یہاں تک کہ جب دھوپ نکل آئی تو لوگ جاگ گئے پھر لوگ جاگتے ہی گھبرا گئے ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی سواریوں پر بیٹھ کر اس وادی سے نکل جائیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ یہ وادی ایسی ہے جس پر شیطان کا تسلط ہے، تو لوگ سواریوں پر سوار ہو کر اس وادی سے نکل گئے، پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سواریوں سے اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے اور اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کو گھبرایا ہوا دیکھا تو کہا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھیں اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت سے پہلے واپس کر دیتا پس اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے وقت سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے پھر نماز کی طرف سبقت کرے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس نماز کو اسی طرح پڑھے جیسے کہ اس کو وقت میں پڑھتا تھا، پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بلاشبہ شیطان بلال کے پاس اس حال میں آیا کہ بلال کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، پھر اس نے بلال ؓ سے ٹیک لگوائی پھر برابر ان کو تھپکتا رہا جیسے بچے کو تھپکا جاتا ہے، یہاں تک کہ بلال ؓ سو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال کو بلایا تو بلال ؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی کے مثل بتایا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا تھا تو اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بول اٹھے میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کے سو جانے کی وجہ سے فجر کی نماز فوت ہوگئی جب بیدار ہوئے کچھ دور جا کر قضا نماز پڑھی معلوم ہوا کہ اگر نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے۔

بطریق مکة: یہ لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ پچھلی حدیث میں جو واقعہ مذکور ہوا ہے، اس کے علاوہ ہے اس وجہ سے کہ وہ واقعہ خیبر اور مدینہ کے درمیان پیش آیا تھا اور یہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پیش آیا۔

وکل بلالا: بلال رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے اس وجہ سے مقرر کیا تھا کہ مؤذن وقت کا زیادہ بہتر طور پر خیال رکھتا ہے۔

فرقد بلال: بلال رضی اللہ عنہ کافی دیر تک جاگتے رہے، لیکن پھر ان پر بھی نیند طاری ہوگئی۔

ورقدوا: حضرت نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم بلال رضی اللہ عنہ کے بھروسہ پر سوتے رہے۔

ان ینادی للصلوۃ او یقیم: اس جگہ "او" واؤ کے معنی میں ہے، یعنی اذان وا قامت دونوں کو جمع کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:"**ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر بلالا بالاذان و الاقامۃ فلیصلھا کما کان یصلیھا**" اس سے معلوم ہوا کہ جہری نماز کی قضا میں بھی تلاوت جہری ہوگی اور سری نماز کی قضا میں تلاوت آہستہ ہوگی۔

ان الشیطان اتی بلالا: شیطان بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اونٹ پر ٹیک لگوادی، جس کی بناء پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سو گئے۔

تعارض مع جواب

تعارض: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب لوگوں کے سوئے رہنے اور اس کی وجہ سے نماز کے فوت ہو جانے کے بارے میں ان حضرات نے پہلے تو غفلت طاری کرنے کی نسبت اللہ کی طرف کی، جو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا، یعنی ہمارے اوپر سخت نیند مسلط کر دی تھی، لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس غفلت طاری کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کی یعنی یوں فرمایا کہ شیطان نے آکر بلال رضی اللہ عنہ پر ایسا اثر کیا کہ انہوں نے ٹیک لگائی اور پھر تھپک

تھپک کر انکوسلا دیا تو یہ تعارض کیسا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کے درمیان درحقیقت تعارض کوئی نہیں ہے بلکہ یہ خلق افعال کا مسئلہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ سب لوگوں پر غفلت کی نیند طاری ہو جائے تو اس نے شیطان کو قادر کر دیا وہ تھپکنے وغیرہ کے ذریعہ وہ اسباب مہیا کر دے جو نیند اور غفلت طاری کر دیتے ہیں اسی چیز کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے الگ الگ انداز میں ظاہر فرمایا ہے۔

مؤذن! مسلمانوں کے نماز روزہ کا ذمہ دار ہے

﴿۶۳۷﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِيْ اَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِيْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صِيَامُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه شريف: ۵۲، باب الاذان والسنة فيه، كتاب سنة الاذان، حدیث نمبر: ۷۱۲۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ مسلمانوں کی دو چیزیں مؤذن کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں اور وہ مسلمانوں کے روزہ اور ان کی نمازیں ہیں۔

تشریح: دو اہم عبادتوں یعنی روزہ اور نماز کی ذمہ داری موذن کی کاندھوں پر ہے، عام طور پر لوگ سحری کھانے میں اسی وقت ہاتھ روکتے ہیں جب مؤذن کی اذان سنتے ہیں اسی طرح مؤذن کی اذان سن کر افطار کرتے ہیں، نماز میں بھی لوگ مؤذن کی اذان سن کر ہی مسجد

میں آتے ہیں، لہٰذا مؤذن کو اپنی اس ذمہ داری کا خاص طور پر خیال رکھ کر وقت پر اذان دینے کا اہتمام کرنا چاہئے، مؤذن کی غفلت سے لوگوں کی نمازوں اور روزوں کے فساد کا خطرہ ہے۔

في اعناق المؤذنين: مؤذن کی ذمہ دو چیزیں ثابت ہیں۔

معلقتان: "خصلتان" کی صفت ہے، **صيامهم وصلاتهم** یہ "خصلتان" کا بیان ہے، یا بدل ہے یعنی جو دو خصلتیں مؤذن کے ذمہ لازم ہیں وہ روزہ اور نماز ہیں، ان دونوں فرائض کا وقت پر ادا ہونا مؤذن کی اذان پر موقوف ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

باب المساجد ومواضع الصلوٰة

رقم الحديث: ......٦٣٨/ تا ٦٩٧ـ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ

(مساجد اور نماز کی جگہوں کا بیان)

مسجد کے لغوی معنی موضع السجود ہیں، اور عرف میں اس بقعہ کا نام ہے جو عبادت کے لئے مخصوص کرلیا گیا ہو۔ (الدر المنضود: ۲/۵۷)

اس باب میں مساجد کی اہمیت وعظمت سے متعلق احادیث ہیں جو کام مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی حرمت کے منافی ہیں اجمالاً ان کا تذکرہ بھی ہے، یوں تو روئے زمین پر ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن خارجی اسباب کی وجہ سے چند جگہوں پر نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس باب کے تحت حدیث میں ان کا بھی تذکرہ ہے۔

مساجد کی فضیلت

مساجد سے متعلق باب کے تحت بہت سی احادیث ہیں ان کے علاوہ ایک حدیث یہ بھی ہے: "المساجد سوق من سوق الآخرة من دخل كان ضيف الله الخ" [مسجدیں آخرت کے بازاروں میں سے بازار ہیں جو شخص مسجد میں داخل ہوگیا وہ اللہ کا مہمان

ہے]اس کی مہمانی مغفرت ہے اوراس کے لئے تحفہ تعظیم وتکریم ہے،مساجد کی اہمیت کااندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:"تذھب الارضون کلھا یوم القیامۃ الا المساجد فانھا ینضم بعضھا الی بعض" [قیامت کے دن ساری زمینیں چلی جائیں گی سوائے مساجد کے کہ وہ سب آپس میں مل جائیں گی اورایک جگہ جمع ہوجائیں گی۔

مساجد سے متعلق چند مسائل

(١)......کوئی کافر مسجد کا متولی اور منتظم نہیں ہوسکتا ہے البتہ تعمیر مسجد میں غیر مسلم سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، اگرکوئی غیر مسلم مسجد میں چندہ دے تو اگرکسی دینی یا دنیوی نقصان یا اس کے احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہوتو لیا جاسکتا ہے۔

(٢)......مساجد میں سب سے زیادہ ثواب بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ہے پھر مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں، پھرشہر کی جامع مسجد میں پھر محلّہ کی مسجد میں اس کی تفصیل آگے آرہی ہے لیکن یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محلّہ والوں کیلئے اپنے محلّہ میں نماز پڑھنا چاہئے، محلّہ کی مسجد چھوڑ کر جامع مسجد نہ جانا چاہئے اسی طرح اپنے گھر سے جو مسجد قریب ہو اس میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(٣)......مسجد میں اشعار پڑھنا، گم شدہ چیز تلاش کرنا، خرید وفروخت کرنا، جنازہ کی نماز پڑھنا، بد بودار چیز کا استعمال کرکے آنا یہ سب درست نہیں ہیں، مسجد آنے اور جانے سے متعلق باب کے تحت جو احادیث آرہی ہیں ان میں دعائیں مذکور ہیں ان دعاؤں کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔

﴿الفصل الاول﴾

خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے

﴿٦٣٨﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْہِ کُلِّہَا وَلَمْ یُصَلِّ حَتّٰی خَرَجَ مِنْہُ فَلَمَّا خَرَجَ رَکَعَ رَکْعَتَیْنِ فِیْ قُبُلِ الْکَعْبَۃِ وَقَالَ ہٰذِہِ الْقِبْلَۃُ۔ (رواہ البخاری) وَرَوَاہُ مُسْلِمٌ عَنْہُ عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ۔

حوالہ: بخاری شریف:۱/۵۷، باب قول اللہ عز وجل واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۳۹۸۔مسلم شریف:۱/۴۲۹، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ الخ، کتاب الحج، حدیث نمبر:۱۳۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس کے تمام کونوں میں دعا کی اور خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اس سے نکل آئے، جب خانہ کعبہ کے باہر تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور ارشاد فرمایا ''یہ قبلہ ہے۔'' (بخاری) مسلم نے اس روایت کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی، مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہے کعبہ کی سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے، قیامت تک یہی قبلہ رہے گا اب کبھی قبلہ بدلے گا نہیں۔

دخل النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم البیت:

بیت سے مراد خانہ کعبہ ہے، یہ تمام مساجد سے زیادہ افضل ہے اور ایک قول ہے کہ یہ اللہ کے عرش سے بھی زیادہ افضل ہے۔

و لم یصل: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھی۔

تعارض مع دفع تعارض

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی جب کہ اگلی حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے اس میں الفاظ ہیں: "ثم صلی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

دفع تعارض: (۱)...... عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مثبت ہے اور حدیث باب نافی ہے لہٰذا حدیث مثبت کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲)...... حدیث باب کے راوی میں یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت اسامہ بن زید نے روایت کیا ہے اور اسامہ بن زیدؓ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے؛ مسلم شریف میں "عن ابن عباسؓ عن اسامة بن زیدؓ" کی صراحت بھی ہے، اصل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کے بعد پانی لانے کے لئے بھیجا تھا تاکہ دیواروں پر بنی ہوئی تصویروں کو دھوکر صاف کر دیا جائے، ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی عرصہ میں نماز پڑھی ہو اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علم نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے کہا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھی، اور ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے اسامہؓ کا واسطہ حذف کر کے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۴)

بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا مسئلہ

بیت اللہ کے اندر نفل نماز پڑھنے میں تو امت کا اتفاق ہے، البتہ فرض نماز پڑھنے میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ واحمدؒ کا مذہب: مالکیہ وحنابلہ کے یہاں خانہ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فولوا وجوهكم شطره**" [اپنے چہرے کو خانہ کعبہ کی طرف پھیر لو] معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کا استقبال فرض ہے اور خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں اگر ایک جہت سے استقبال ہے تو دوسری جہت سے استدبار بھی ہے، نیز حدیث سے ثابت بھی نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں کوئی فرض نماز پڑھی ہو، نفل پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، لیکن فرض کو نفل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جو گنجائش نفل میں ہے وہ فرض میں نہیں ہے، مثلاً نفل نماز بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اور فرض نماز بیٹھ کر بلا عذر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک خانہ کعبہ میں نفل کی طرح فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**ان طهرا بيتي للطائفين والعكفين والركع السجود**" آیت میں اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم ہے یہ آیت اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے فرائض ونوافل سب

نمازوں کو شامل ہے، لہٰذا بیت اللہ کے اندر فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: نماز کی صحت کے لئے قبلہ کا استقبال شرط ہے، استقبال قبلہ میں استیعاب شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھ رہا ہے تو قبلہ کا استقبال کر رہا ہے اور قرآن مجید کی آیت "**فولوا وجوھکم شطرہ**" پر عمل کر رہا ہے۔

امام مالکؒ کی طرف سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ فرض کو نفل پر قیاس نہیں کیا جائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قیاس کی بناء پر بیت اللہ میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں بلکہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت "ان طھر بیتی الخ" سے استدلال کر کے خانہ کعبہ میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔(التعلیق الصبیح: ۳۰۶/ ۱)

خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا

حنفیہ کا مذہب: خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے میں بے ادبی ہے، لہٰذا نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، یعنی نماز پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بیت اللہ کا استقبال نہیں ہو پاتا ہے، البتہ اگر سامنے سترہ ہو تو پھر انکے نزدیک بھی نماز درست ہے، کیونکہ اس صورت میں بیت اللہ کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے۔

جواب: احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ قبلہ اس مکان کا نام نہیں، بلکہ آسمان تک ساری فضا قبلہ ہے، لہٰذا بلا سترہ بھی کراہت کے ساتھ نماز درست ہے۔

خانہ کعبہ کے اندر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا

﴿٦٣٩﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ٧٢/ ١، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، حدیث نمبر: ٥٠٥۔ مسلم شریف: ٤٢٨/ ١، باب استحباب دخول الکعبۃ، کتاب الحج، حدیث نمبر: ١٣٢٩۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ حجبی اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہم تھے، پھر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اندر سے دروازہ بند کر دیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے اندر کچھ دیر ٹھہرے رہے، پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر نکلے تو میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کیا کام کیا؟ تو انہوں نے بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ستون اپنے بائیں جانب رکھا اور دو ستون اپنے دائیں جانب رکھا، اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کی جانب رکھا اور

اس زمانہ میں بیت اللہ میں چھ ستون تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث شریف سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱)......رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے، اسی طرح ستونوں کے درمیان بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

فاغلقها عليه و مكث فيها: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کے دروازہ کو بند کر دیا تاکہ دوسرے لوگ اندر نہ آسکیں، اور زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو، بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد کچھ دیر تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے رہے۔

فقال جعل عمودا عن يساره: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے، جبکہ اسکے علاوہ روایات ہیں جن میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے، مثلاً ابن ماجہ میں روایت ہے: "**عن معاوية بن قره عن ابيه قال كنا ننهى ان نصف بين السوارى على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ونطرد عنها طردا**" (ابن ماجہ: ۷۰)

معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ستونوں کے درمیان صف بنانے سے منع کیا جاتا تھا، اور سختی کے ساتھ اس کام سے روکے جاتے تھے، اسی تعارض کو دور کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے حدیث باب کو جس باب کے تحت نقل کیا ہے اسی باب میں "غير جماعة" کی قید لگا دی ہے، یعنی ستونوں کے درمیان جماعت سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی منفرد ستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، معلوم ہوا ممانعت کا تعلق جماعت سے ہے اور جواز کا تعلق

انفرادی حالت سے ہے، ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی یہ توجیہ امام بخاریؒ سے منقول ہے اس مسئلہ سے متعلق دیگر مباحث کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری: ٦ ۲۸/۴۔

مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت

﴿۶۴۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۵۹/۱، باب فضل الصلوة فی مسجد مکة والمدینة، حدیث نمبر: ۱۱۹۰۔ مسلم شریف: ۶ ۴۴، باب فضل الصلوة بمسجد مکة والمدینة، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۳۹۴۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔

تشریح: نماز کا سب سے زیادہ ثواب مسجد نبوی میں ملتا ہے، البتہ اس حکم سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے، دیگر مسجدوں میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے جو ثواب ملتا ہے، مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔

صلوة فی مسجدی هذا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں اسم یعنی ''مسجدی'' اور اشارہ یعنی ''هذا'' دونوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اسم اور اشارہ

دونوں کو جمع ہونے کی وجہ سے علماء میں کچھ اختلاف ہوگیا ہے، اشارہ سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ فضیلت اس خطۂ ارضی کے لئے مخصوص ہے، جو آپ کے دور میں موجود تھا اور جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے، ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جس حصہ کی تعمیر ہوئی اس میں نماز پڑھنے کا یہ ثواب نہ ہوگا، اور اسم یعنی ''مسجدی'' سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ فضیلت اس تمام خطۂ ارضی کے لئے ہے جس پر مسجد نبوی کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ نوویؒ نے اشارہ کو اغلب کہا ہے اس لئے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ فضیلت صرف اسی خطہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کہا جاتا تھا، بعد کے اضافے اس میں شامل نہیں ہیں اور حنفیہ نے اسم کو اغلب قرار دیا ہے، لہٰذا بعد کے اضافات کے ساتھ جن حصوں پر بھی مسجد نبوی کا اطلاق ہوتا ہے وہ سب حصے اس فضیلت میں شامل ہوں گے۔

تعارض مع جواب

تعارض: اس حدیث میں مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ''خیر من الف صلوۃ'' کا ذکر ہے اور ابن ماجہ میں ''خمسین الف'' کا ذکر ہے، دونوں میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔

جواب: (۱)......رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے ہزار درجہ فضیلت کی وحی آئی، پھر پچاس ہزار درجہ فضیلت کی وحی آئی۔

(۲)......عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا کہ ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کی نفی ہو جائے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں، بعض لوگوں نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ اخلاص کے

اعتبار سے تفاوت کی وجہ سے ثواب میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے۔

الا المسجد الحرام: مسجد نبوی ساری مسجدوں سے ایک ہزار درجہ افضل ہے، لیکن اس سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے، مسجد حرام کے استثناء کا کیا مطلب ہے؟ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ استثنا کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی مسجد حرام سے ایک ہزار درجہ افضل نہیں ہے، بلکہ ایک ہزار درجہ سے کم افضل ہے، یعنی سو دو سو درجہ افضل ہے، امام مالک اس سلسلہ میں بہت سی دلیلیں دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد نبوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے صلوۃ ہے اور اس کی تعمیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، جب کہ مسجد حرام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے صلوۃ ہے، اور انہی کی تعمیر کردہ ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے صلوۃ اور ابراہیم علیہ السلام کی جائے صلوۃ میں افضلیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی جائے صلوۃ کو ہوگی، جمہور کہتے ہیں کہ مسجد نبوی دوسری مسجدوں سے افضل ہے، مسجد حرام سے افضل نہیں ہے، استثناء کا یہ مطلب ہے۔

جمہور دلائل دیتے ہیں ان میں سے ایک قرآن مجید کی آیت ہے: ''ان اول بیت وضع للناس الآیۃ'' اس آیت میں مسجد حرام کی مختلف اعتبار سے افضلیت ثابت کی گئی ہے اور جہاں تک امام مالکؒ کے دلائل ہیں ان سے مسجد نبوی کی جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے کلی اعتبار سے مسجد حرام ہی افضل ہے۔

تین مسجدوں کے علاوہ سفر کی ممانعت

﴿۶۴۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا

إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامَ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ١٥٨/ ١، باب فضل الصلوۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، کتاب التھجد، حدیث نمبر: ١١٩٠۔ مسلم شریف: ٤٣٣/ ١، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ، کتاب الحج، حدیث نمبر: ٨٢٧۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ کجاوہ نہ کسو تین مساجد کے علاوہ کی طرف، (١) مسجد حرام، (٢) مسجد اقصیٰ، (٣) میری یہ مسجد۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا تین مساجد بہت مقدس ہیں، لہٰذا ان مقامات کی زیارت سے برکت حاصل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی طرف سفر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ومستحسن ہے، ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے سفر کر کے جانا درست نہیں کسی اور دینی یا دنیوی غرض سے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے۔

لاتشد الرحال: "شد" کے معنی باندھنا اور ''رحال" کے معنی کجاوہ، مطلب یہ ہے کہ کجاوے نہ باندھو اور کجاوے سفر کے وقت باندھے جاتے ہیں، حاصل یہ نکلا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کرو ان تین مسجدوں کی عظمت کا تقاضہ ہے کہ ان کی طرف بالقصد سفر کر کے جایا جا سکتا ہے۔

روضۂ اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے سفر

علامہ ابن تیمیہ اور غیر مقلدین حدیث باب کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے بھی سفر کرنا جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ

حدیث باب میں جو حصر ہے وہ حصر اضافی ہے، یعنی مساجد کے اعتبار سے ہے، تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کر کے نماز کے لئے جانا یہ بے فائدہ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی اور غرض سے کسی جگہ جانا ممنوع ہے، چنانچہ ایک حدیث ہے جس میں "لاتشد الرحال الی مسجد" کی صراحت موجود ہے۔

روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری

حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرے اور اگر اتنی وسعت نہ ہو تو اس کی تمنا رکھے اور حق تعالیٰ شانہ سے دعا کرتا رہے، جب موقع میسر آ جائے تو بارگاہ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کرے، اپنے لئے استغفار کرے اور استغفار کی درخواست پیش کرے۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔ "وَلَوْ اَنَّہُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَہُمْ جَآؤُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَہُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔"

[اور اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے۔]

حاضری کی فضیلت

آیت پاک میں جآؤوک [آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو

جاتے] مطلق ہے جو حیات وبعد وفات دونوں حالتوں کو شامل ہے جس سے روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت وحاضری کی تاکید معلوم ہوگئی اور اس پر بشارت ہے کہ وہاں حاضر ہوکر توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: ”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ“ [رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے: ”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَنِيْ فِي الْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ وَكُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ [حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مدینہ منورہ (زادها الله شرفا و كرامة) میں بہ نیت ثواب حاضر ہوکر میری زیارت کی (کہ حاضری سے کوئی اور تجارت وغیرہ اس کا مقصد نہ ہو) تو وہ میرے ذمہ میں ہوگیا اور قیامت میں میں اس کا شفیع بنوں گا۔]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے: ”مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ“ [جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات ہی میں میری زیارت کی۔]

ترک زیارت پر وعید

ایک حدیث میں ہے:

”وَمَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ“ [جس نے میری قبر کی (قدرت کے

باوجود)زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے جفا کی۔]

اور ایک حدیث میں یہ ہے:

"مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ" [جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور اس نے میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔]

روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم

یہ احادیث رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت (جب استطاعت ہو) کے واجب ہونے میں صریح ہیں۔ اسی لئے بہت سے علماء ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت واجب ہے۔

عالمگیری میں ہے: "قال مشائخنا رحمہم اللّٰہ انہا افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ۔" (عالمگیری:٢٦٥/١) [ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ (زیارت روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام) افضل المندوبات ہے اور مناسک الفارسی اور شرح المختار میں ہے کہ یہ اس شخص کیلئے جسے گنجائش ہو واجب کے قریب ہے۔]

درمختار میں ہے: "وزیارۃ قبرہ مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ" (شامی:٢٥٧/٢) [حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت مندوب ہے، بلکہ کہا گیا ہے کہ گنجائش والے کیلئے واجب ہے۔]

جمہور حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک

حضرت علامہ عبدالحئی صاحب لکھنوی قدس سرہٗ نے جمہور حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک

وجوب ذکر کیا ہے اور جمہور حنفیہ رحمہم اللہ کی طرف زیارت روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استحباب کو منسوب کرنے والوں پر سختی سے رد کیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ''ثم انی ماذا اجنیت و ای قبح ارتکبت ان رددت علی من افتری علی جمہور الحنفیۃ ونسب الیہم استحباب الزیارۃ مع ان اکثرھم صرحوا بکونہا قریبۃ من الواجب والقریب من الواجب فی حکم الواجب'' (تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد:٣٧) [پھر میں نے کیا گناہ کیا اور کونسی برائی کا ارتکاب کیا اگر میں نے رد کیا اس پر جس نے جمہور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم پر افترا کیا اور ان کی طرف زیارت روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محض استحباب کی نسبت کی، باوجودیکہ ان میں سے اکثر نے اس کے واجب کے قریب ہونے کی تصریح کی ہے اور جو واجب کے کے قریب ہو وہ واجب ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔]

سفر برائے زیارت قبور

حافظ ابن حجرؒ کی رائے: حافظ ابن حجرؒ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو اس حدیث سے زیارت قبور اولیاء کی ممانعت ثابت کرتے ہیں، فرمایا ہے کہ ''لاتشد الرحال الا الیٰ ثلاثۃ مساجد'' میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اب وہ یا عام ہے یا خاص؟ اگر عام ہے تو معنی ہوں گے ''لاتشد الرحال الی مکان فی ای امر کان الا الی الثلاثۃ'' اور اس وقت تجارت کیلئے تحصیل علم کیلئے، زیارت اخوان کیلئے غرضیکہ کوئی بھی سفر ہو ہر ایک کی ممانعت لازم آئیگی، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، لہٰذا مستثنیٰ منہ خاص ہوگا، اور خاص ہونے کے وقت اس کی ضرورت ہے کہ اس کی مستثنیٰ سے مناسبت ہو، اور چونکہ مستثنیٰ

مساجد ثلاثہ ہیں، لہٰذا مستثنیٰ منہ بھی مسجد کو قرار دیا جائیگا، اور معنی ہوں گے: "لاتشد الرحال الی مسجد للصلوة فیه الا الی الثلاثة" اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مساجد ثلاثہ میں چونکہ وجوہ فضیلت موجود ہیں، اسلئے انکی طرف سفر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، برخلاف ان کے ماسوا دیگر مساجد کے ان میں کوئی زائد فضیلت موجود نہیں ہے، سب برابر ہیں، اسلئے ان میں ایک کو چھوڑ کر دوسری مسجد کی طرف سفر کی اجازت نہ ہوگی۔ (فتح الباری: ۳/٦٦)

علامہ سبکی کبیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے: علامہ سبکی کبیرؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں مساجد ثلاثہ کی ذاتی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور کسی قطعہ ارض کو ذاتی فضیلت حاصل نہیں، ذاتی فضیلت سے مراد یہ ہے کہ وہ از روئے شرع ثابت ہو، اور اس پر کوئی حکم شرعی مرتب ہو، لہٰذا اگر مساجد ثلاثہ کے ماسوا کی طرف سفر کیا جائے تو وہ سفر اس قطعہ ارض کی ذاتی فضیلت کی وجہ سے نہ ہوگا، بلکہ جہاد کے لئے یا زیارت اخوان کے لئے یا تحصیل علم یا ان کے علاوہ اور دوسرے مندوبات اور مباحات کے لئے ہوگا، بعض حضرات پر یہ معاملہ مشتبہ ہوگیا ہے، اور وہ ان دونوں میں فرق نہ کر سکے، لہٰذا انہوں نے مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے شد رحال کو ممنوع قرار دیا، لیکن یہ غلط ہے، اور وہ ان دونوں میں فرق نہ کر سکے، لہٰذا انہوں نے مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے شد رحال کو ممنوع قرار دیا، لیکن یہ غلط ہے، ایک تو اسی وجہ سے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے شد رحال اس جگہ کی ذاتی فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے ہو، لہٰذا حدیث کے معنی ہوں گے: "لاتشد الرحال الی مسجد من المساجد او الی مکان من الامکنة لاجل ذلک المکان الا الی الثلاثة المذکورة" لہٰذا جہاد کیلئے یا تحصیل علم کیلئے یا زیارت قبور وغیرہ کیلئے سفر اس جگہ ذاتی فضیلت کی وجہ سے نہ ہوگا، صاحب مکان اور ان امور کے لئے ہوگا۔ (فتح الباری: ۳/٦٦)

شیخ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کی رائے : حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا بہترین محمل یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس میں صرف مساجد کا حکم بیان کیا گیا ہے، یعنی مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر کی ممانعت کی گئی ہے، چونکہ دوسری تمام مساجد مساوی ہیں، اس لئے ایک مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کی طرف سفر بلا کسی وجہ ترجیح کے ہوتا ہے، اس لئے اجازت نہ ہوگی، البتہ مساجد کے علاوہ دوسرے تمام اسفار خواہ تجارت کیلئے سفر ہو، یا تحصیل علم کیلئے ہو، یا زیارت اخوان کیلئے ہو یا تفریح کیلئے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں۔ (عمدۃ القاری: ۲۵۴/۷)

چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے: "**قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا ینبغی للمطی یشدر حالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی ھذا**" یہ روایت فیصلہ کن ہے، کیونکہ اس میں مستثنیٰ منہ مسجد ہی کو بنایا گیا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ زیارت قبور کے لئے ناجائز ہے، درست نہیں۔ (مسند احمد: ۶۴/۳، عمدۃ القاری: ۲۵۴/۷)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی رائے : امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی زیارت قبور صالحین کیلئے سفر کو جائز کہا ہے، اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "**کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا ولا تقولوا ھجرا**" (مسند احمد: ۳۶۱/۵) سے زیارت قبور مامور بہ ہونا بیان کیا ہے، اور کہا ہے کہ "**لا تشد الرحال**" والی روایت سے دیگر مساجد کی طرف کی ممانعت مقصود ہے، اور جن لوگوں نے شدرحال والی روایت سے زیارت قبور کی ممانعت ثابت کی ہے ان کا استدلال درست نہیں، چونکہ ہر شہر میں مسجد ہوتی ہے، اور ان تین مساجد کے علاوہ باقی سب مساجد برابر ہیں، اس لئے

ایک مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کی طرف سفر کرنا غیر معقول ہے، اس لئے اس کی ممانعت کی گئی، باقی مشاہد اور مزارات سب یکساں نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے یہاں ان کے مراتب مقبولیت جس طرح مختلف ہیں اسی طرح ان کی زیارت کی برکات بھی مختلف ہوتی ہیں، اس لئے ان کی طرف سفر کی اجازت دی جائے گی، ہاں اگر کوئی شخص ایسی جگہ رہتا ہے کہ وہاں کوئی مسجد موجود نہیں تو نہ صرف یہ کہ اس کے لئے مسجد کی طرف سفر کرنا جائز ہے، بلکہ بالکلیہ ایسے مکان کی طرف منتقل ہونا بھی جائز ہے جہاں مسجد موجود ہو۔

اسکے بعد امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کاش یہ مانع اور اس میں غور کرتا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت کیلئے بھی سفرنا جائز ہے، ظاہر ہے کہ اسکو نا جائز کہنا تو بہت ہی مشکل ہے، اسلئے جائز ہی کہا جائیگا، اور جب قبور انبیاء علیہم السلام کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے تو پھر قبور اولیاء اور صلحاء کی زیارت کیلئے کیوں سفرنا جائز ہوگا، لہٰذا جس طرح حالت حیات میں اولیاء اور صلحاء کی زیارت کیلئے سفر جائز ہے، اسی طرح بعد الممات ان کے مقابر کیلئے بھی سفر جائز ہے۔ (احیاء العلوم الدین مع شرح اتحاف السادۃ المتقین: ۴/۲۸۶)

بہر حال ان علماء راسخین کی یہ تحقیق ہے اور آج کل اہل نجد نے اس کے برخلاف ایک قدم اور بڑھا رکھا ہے، وہ نہ صرف اولیاء اور صلحا کی قبر کی زیارت کے لئے سفر سے منع کرتے ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے بھی سفر سے روکتے ہیں، اور خاص طور پر حجاج بیت اللہ المقدس کو مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں یہ تلقین کی جاتی ہے کہ سفر مدینہ سے مسجد نبوی کی زیارت کا قصد اور اس میں نماز ادا کرنے کی نیت ہونی چاہئے، روضہ مبارکہ کی زیارۃ کا قصد نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق روضہ اطہر کی زیارت قربات اور طاعات میں داخل ہے، بلکہ حضرات حنفیہ

نے اس کے لئے سفر کو قریب مس الواجب کہا ہے۔(اوجز المسالک:۲/۲۶۱)

مانعین کا استدلال اسی حدیث "لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد" سے ہے، جس کا جواب اوپر تفصیل سے آ گیا ہے۔(اوجز المسالک:۲۵۹-۲/۲۶۶)

(نفحات التنقیح: ۲/۲۶۹)

جنت کا باغیچہ

﴿۶۴۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَيْنَ بَيْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۵۹، باب فضل مابین القبر والمنبر، کتاب التهجد، حدیث نمبر:۱۱۹۶، مسلم شریف:۱/۴۴۶، باب مابین القبر والمنبر روضة من ریاض الجنة، حدیث نمبر:۱۳۹۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔

تشریح: مابین بیتی ومنبری: "بیت" سے مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکان ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ بیت سے مراد قبر مبارک ہے، کیونکہ ایک دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں "ما بین قبری ومنبری الخ" دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر بھی آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان ہی میں ہے۔

مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ: یہ وہی حصہ ہے، جس کو آج ریاض الجنۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مسجد نبوی کے اس حصہ کو خاص علامات کے ذریعہ متعین کردیا گیا ہے، اس حدیث کی تاویل میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱)...... بعض حضرات نے فرمایا: کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد کے اس حصہ میں عبادت "**روضۃ من ریاض الجنۃ**" میں پہونچادینے کا سبب قریب ہے، جیسا کہ "**ان الجنۃ تحت ظلال السیوف**" فرماکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا: جہاد میں جانے کے لئے مشورہ کی غرض سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ ان کی والدہ کو ان کی خدمت کی ضرورت تھی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**فالزمھا فان الجنۃ تحت رجلیھا**" اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ماں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی دخول جنت کے لئے سبب قریب ہے، ایسے ہی ایک حدیث میں ذکر کے حلقوں کو "**ریاض الجنۃ**" کہا گیا ہے، اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

(۲)...... بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس جگہ میں عبادت کرنا حصول رحمت وسعادت کا ذریعہ ہے، مگر اس توجیہ میں کچھ استبعاد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ ثمرہ اور نتیجہ ہر جگہ عبادت پر مرتب ہوتا ہے، "**ما بین البیت والمنبر**" کی اس میں خصوصیت نہیں، "**الا ان یقال ان اشد تاثیرا فی حصول الرحمۃ والسعادۃ من مواضع اخر**"

(۴)...... اور ابن ابی جمرہؒ جو کبار علماء مالکیہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ بعینہ یہ جگہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہو، جو مسجد نبوی میں اتارا گیا،

جس طرح مقام ابراہیم علیہ السلام اور حجر اسود جنت سے لائے گئے ہیں، اور جس طرح مقام ابراہیم اور حجر اسود کو دوبارہ جنت میں لے جایا جائے گا، اسی طرح اس قطعہ ارض کو دوبارہ جنت میں لے جایا جائیگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''خلیل اللہ'' ہونے کی وجہ سے حجر اسود اور مقام ابراہیم بطور تحفہ عنایت کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''حبیب اللہ'' ہونے کے سبب جنت سے ''روضة من رياض الجنة'' کا تحفہ عطا کیا گیا، جس طرح پتھروں اور باغیچوں میں تفاوت ہے، اسی طرح رتبہ خلیلیہ اور رتبہ حبیبیہ میں بھی فرق ہے۔

رہا سوال کہ اگر یہ حصہ ارض حقیقۃً ''روضة من رياض الجنة'' ہے، تو پھر اس میں جنت کے خصائص باقی ہونی چاہئیں، مثلاً یہ کہ وہاں جانے سے بھوک پیاس وغیرہ نہیں لگنی چاہئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد دنیاوی آمیزش کی وجہ سے اس میں جنت کے خصائص باقی نہیں رہے، جیسا کہ حجر اسود کہ دنیا میں آنے کے بعد جنت کے خصائص اس سے ختم ہو گئے ہیں۔

ومنبري على حوضي: اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ منبر جنت میں لے جایا جائے گا، اور حوض کوثر پر رکھا جائے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر تشریف فرما ہوں گے۔

اور یا یوں کہئے کہ جب ''مابين بيتي ومنبري'' کو سعادت اور تقرب کے حصول میں روضه من رياض الجنة سے تشبیہ دی تو اسی طرح منبر کو حوض کوثر سے جریان فیض میں تشبیہ دی گئی ہے، جس طرح حوض کوثر سے خیر کثیر جاری ہوگا، اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر سے علوم نبوت کا فیض جاری ہوا۔ (نفحات التنقيح: ٢/٢٧٠)

مسجد قبا کی فضیلت

﴿۶۴۳﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِیًا وَرَاكِبًا فَیُصَلِّیْ فِیْہِ رَكْعَتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۹/ ۱، باب مسجد قباء، کتاب التھجد، حدیث نمبر:۱۱۹۳، مسلم شریف: ۴۴۸/ ۱، باب فضل مسجد قباء، کتاب الحج، حدیث نمبر:۱۳۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر شنبہ کے دن پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا تشریف لاتے تھے، پھر اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر شنبہ کو مسجد قباء میں نفل نماز کی ادائیگی کیلئے تشریف لے جاتے تھے، مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔

قبا: مدینہ منورہ سے تین میل کی دوری پر ایک آبادی کا نام ہے۔

ماشیا وراکبا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد قبا میں پیدل تشریف لاتے تھے اور کبھی کبھی سوار ہو کر بھی آتے تھے۔

فیصلی فیہ رکعتان: تحیۃ المسجد یا اور کوئی دو رکعت نفل نماز ادا فرماتے تھے، ایک حدیث میں ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شنبہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے، صاحب

مرقاۃ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء کی زیارت کے لئے شنبہ کے دن حاضر ہونا سنت ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۹۲)

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ جگہ

﴿۶۴۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف:۱/۲۳۶، باب فضل الجلوس فی مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۷۱۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہروں کی سب سے محبوب جگہیں مساجد ہیں اور اللہ کے نزدیک شہروں کی سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں وہاں کے بازار ہیں۔

تشریح: مساجد اللہ کی عبادت کی جگہیں ہیں اس وجہ سے یہ اللہ کو بے حد محبوب ہیں، اور جو لوگ یہاں رہتے ہیں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ لوگ ہیں اس کے بالمقابل بازار اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ جگہ ہے، جو لوگ بے مصرف یہاں وقت گذاری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

احب البلاد: ”بلاد“ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان سکونت اختیار کرتا ہے، محبت اور بغض سے مراد یہ ہے کہ مساجد والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے

اور بازار والوں کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرتا ہے۔

اور یہ اکثری معاملہ ہے ورنہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر غیبت کرتا ہے تو وہ اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے اسی طرح اگر کوئی شخص حلال روزی کی تلاش میں بازار کا رخ کرتا ہے تو وہ اللہ کے یہاں مبغوض نہیں بلکہ محبوب ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "کن ممن یکون فی السوق وقلبه معلق فی المسجد" یعنی اس شخص کی طرح ہو جاؤ جو بازار میں رہتا ہے لیکن اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے اس کے برعکس نہ ہونا چاہئے، کہ آدمی مسجد میں رہے اور دل بازار میں لگا رہے اور جو شخص جسم اور دل دونوں کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو تو یہ شخص کامل ترین ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۱۹۲)

سوال وجواب

سوال: شہروں میں بت کدہ شراب خانے وغیرہ بھی ہوتے ہیں ان کو ناپسندیدہ جگہ قرار نہیں دیا، بازار کو ناپسندیدہ جگہ قرار دیا۔

جواب: بازار کا بنانا مباح اور جائز ہے، جب کہ بت کدہ اور شراب خانہ بنانا حرام ہے، یہاں جن جگہوں کا بنانا مباح ہے ان کے اعتبار سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار کو قرار دیا ہے۔

اخلاص کے ساتھ مسجد بنانے کا ثواب

﴿۶۴۵﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ

لَهٗ بَيْتًا فِيْ الْجَنَّةِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۶۴ / ۱، باب من بنی مسجدا، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۵۰۔مسلم شریف: ۱ / ۲۰۱، باب فضل بناء المسجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۷۱۔

ترجمه: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

تشریح: جو شخص خالص اللہ کی رضاجوئی کے لئے مسجد بناتا ہے نام ونمود مقصود نہیں ہوتا، ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بناتے ہیں۔

من بنی لله: مسجد کی تعمیر کا جو ثواب ہے وہ اسی وقت ہے جب نیت خالص ہو، اگر شہرت اور ریاکاری کی غرض سے مسجد بنائی گئی ہے تو ثواب نہیں ملے گا، محدثین لکھتے ہیں کہ جو شخص مسجد پر اپنا نام کندہ کراتا ہے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے مسجد اللہ کی رضاجوئی کے لئے نہیں بنائی ہے۔

مسجدا: نکرہ لائے ہیں یہ تقلیل کے لئے ہے، یعنی چھوٹی سی چھوٹی مسجد اخلاص کے ساتھ بنائی گئی ہے تو اس پر ثواب ملے گا۔

بنی الله له بیتاً: یہاں ''بیتاً'' کی تنوین تکثیر کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' جس طرح دنیا کے تمام گھروں میں سب سے عمدہ گھر مسجد ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جنت کے تمام گھروں میں مسجد بنانے والے کا سب سے عمدہ گھر بنائیں گے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۹۳)

مسجد آنے والوں کا مقام ومرتبہ

﴿٦٤٦﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۹۱/۱، فضل من خرج الی المسجد ومن راح، کتاب الاذان، حدیث نمبر:٦٦٢۔مسلم شریف: ۲۳۵/۱، باب فضل الصلوة المکتوبة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:٦٦٥۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کو مسجد جاوے یا شام کو جاوے تو اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی مہمانی کو تیار رکھے گا خواہ وہ جب بھی جاوے صبح کو یا شام کو۔

تشریح: من غدا الی المسجد او راح: "غدا" کے معنی صبح کے وقت آنا، اور "راح" کے معنی شام کے وقت آنا، یہاں صبح وشام کا ذکر ہے، لیکن مراد یہ ہے کہ وہ جس وقت بھی مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مہمانی جنت میں تیار کردیتا ہے، جیسے قرآن کریم میں جنت میں روزی ملنے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لهم رزقهم فيها بكرةً وعشيا" آیت میں اہل جنت کو صبح وشام رزق دینے کا ذکر ہے، لیکن مراد یہ ہے کہ ان کو مستقل روزی مہیا رہے گی۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مسجد میں آنے والے کو یہ سعادت حاصل ہوگی لیکن مقصد حدیث یہ ہے کہ عبادت کی غرض سے مسجد آنے والے کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ وہ اللہ کا مہمان ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی انسان

دنیا میں کسی شریف انسان کے یہاں مہمان بنکر جاتا ہے اور وہ اس کی مہمانی کراتا ہے، اسی طرح مسجد میں بنیت عبادت آنے والا شخص اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی تیار کردیتا ہے۔ جتنی مرتبہ بھی مسجد میں گیا اتنی مرتبہ کی مہمانی وہ جنت میں پائیگا، اور جس طرح دنیا میں انسان اپنی شان ومرتبہ کے اعتبار سے مہمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان مہمانی فرمائیں گے۔ اللھم اجعلنا منھم.

نـزلہ: نون اور زا دونوں کے ضمہ کے ساتھ وہ مکان جو مہمان کے ٹھہرانے کے لئے تیار کیا جائے، اگر زا کے سکون کے ساتھ پڑھیں تو جو چیز بھی مہمان کے لئے تیار کی جائے "نزل" کہلائے گی، پہلے معنی مراد لیں تو "مِن الجنۃ" کا "مِن" تبعیض کے لئے ہوگا اور اگر دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو "مِن" بیانیہ ہوگا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۹۳)

دور سے مسجد میں آنے کا ثواب

﴿۶۴۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشیً وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۰/۱، باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۵۱۔ مسلم شریف: ۲۳۵/۱، باب فضل صلوۃ المکتوبۃ فی جماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں نماز کے اجر کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ دور ہو پھر جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے؛ اور جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے وہ ثواب میں اس شخص سے بڑھا ہوا ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔

تشریح: جو شخص نماز کے لئے جتنی زیادہ دور سے مسجد آئے گا اس کو اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قریب کی مسجد چھوڑ کر دور جایا جائے؛ بلکہ اگر گھر سے قریب مسجد ہے تو اسی میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس حدیث میں درحقیقت ان لوگوں کو تسلی دی گئی ہے جن کے گھر مسجد سے دور ہوں اور وہ دور دراز کی مسافت طے کر کے مسجد آتے ہوں، اسی طرح وہ شخص بھی اجر کثیر کا مستحق ہے جو جماعت کے انتظار میں جاگتا رہتا ہے اور جماعت سے نماز پڑھ ہی کر سوتا ہے۔

اعظم الناس اجرا: جتنا زیادہ دور گھر ہوگا اور جتنی کلفت برداشت کرے گا اتنا ہی ثواب میں اضافہ ہوگا۔

مسجد میں چل کر جانے کا ثواب

﴿۶۴۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ اَنْ يَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلَغَنِيْ اَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوْا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ يَا بَنِيْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ اٰثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ

آثَارُکُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲۳۵/۱، باب فضل کثرہ الخطا الی المسجد، حدیث نمبر:٦٦٥۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے آس پاس کچھ مکان خالی ہوئے، تو بنوسلمہ رضی اللہ عنہم نے مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہا اس کی اطلاع حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے ارشاد فرمایا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟'' بنوسلمہ نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! ہم نے یہی ارادہ کیا ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے بنوسلمہ تم اپنے گھروں میں ہی رہو، تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں، تم اپنے گھروں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔

تشریح: مسجد تک آنے میں آدمی جتنے قدم بھی چلتا ہے تو ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے، اس لئے دور سے مسجد آنا یہ قریب سے مسجد آنے سے ثواب میں بڑھا ہوا ہے۔

خلت البقاع حول المسجد: مسجد نبوی کے آس پاس کچھ مکانات مکینوں کے انتقال مکانی یا وفات کی وجہ سے خالی ہو گئے۔

فار ان بنو سلمۃ: ''بنوسلمہ'' انصار مدینہ کے ایک خاندان کا نام ہے، ان لوگوں کے مکان مسجد نبوی سے دور تھے، رات کی تاریکی، بارش بوندی اور سخت سردی میں ان کو مسجد آنے میں کافی مشقت اٹھانا پڑتی تھی، لہٰذا ان میں سے کچھ لوگوں نے چاہا کہ مسجد نبوی کے پاس جو مکانات خالی ہو گئے ہیں ان میں سکونت اختیار کر لی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے اطراف خالی ہو جائیں، اس وقت یہ ارشاد فرمایا اور وہ حضرات منتقل ہونے سے رک گئے، مگر اس کا مطلب

یہ نہیں کہ مسجد سے دور رہنا افضل ہے، بلکہ قریب رہنے والے کو قرب مسجد کی فضیلت ہے، اور دور رہنے والے کو دور سے آنے جانے کی فضیلت حاصل ہے۔

کیادار بعیدہ من المسجد افضل ہے دار قریبہ سے؟

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دارِ بعیدہ من المسجد افضل ہو دار قریبہ سے اس لئے کہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ہر ہر قدم پر نیکی ملنا اور بات ہے اور مکان کا مسجد کے قریب ہونا یہ اس مکان کے لئے موجب شرف ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے ''**شوم الدار بعده عن المسجد**'' اور ایسے ہی جمع الفوائد میں مسند احمد کی ایک روایت مرفوعہ نقل کی ہے، "**فضل الدار القريبة من المسجد على الدار الشاسعة كفضل الغازی عل القاعد**" اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر بنوسلمہ والی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس سے سکنی بقرب المسجد کا استحباب معلوم ہو رہا ہے، لیکن اگر کوئی دوسری مصلحت یا عارض ہو تو پھر امر آخر ہے، جیسے بنوسلمہ کے منتقل نہ ہونے میں یہ مصلحت تھی، کہ اطراف مدینہ آبادی سے خالی نہ ہو جائے، اور مدینہ کی حفاظت رہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مسجد کے قریب آنے کا مشورہ نہیں دیا، صحیح اور تحقیقی بات تو یہی ہے، لیکن بعض علماء جیسے ابن العماد وغیرہ بعض محدثین نے ان احادیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ دارِ بعیدہ افضل ہے دارِ قریبہ سے۔ (الدر المنضود: ۲/۱۳۲)

عرش کا سایہ پانے والے حضرات

﴿۶۴۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ

لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَاتَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۹۱، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر:٦٦٠ ۔مسلم شریف: ۱/۳۳۱، باب فضل اخفاء الصدقة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۰۳۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سات طرح کے لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن خدا کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف کرنے والا امام۔ (۲) وہ جوان جو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے پروان چڑھا۔ (۳) وہ شخص جو مسجد سے باہر آتا ہے تو جب تک مسجد میں واپس نہیں چلا جاتا اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ (۴) وہ دو انسان جنہوں نے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی اللہ ہی کے نام پر جمع ہوئے اللہ ہی کے نام پر علیحدہ ہوئے۔ (۵) وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑتی ہیں۔ (٦) وہ شخص جس کو کسی مرتبہ اور حسن والی عورت نے بلایا تو اس نے یہ کہہ کر اپنے کو گناہ سے بچالیا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ (۷) وہ شخص کہ جس نے اللہ کے لئے کچھ صدقہ دیا تو اس کو اتنا پوشیدہ رکھا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جان پایا جو داہنے ہاتھ نے خرچ کیا۔

تشریح: قیامت کے دن جب سورج قریب آجائے گا؛ لوگ اس کی تمازت کی

وجہ سے بے چین ہونگے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سات طرح کے لوگوں پر فضل فرما کران کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔ وہ سات طرح کے لوگ ہیں۔

سبعۃ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ثواب مذکور کے ساتھ سات لوگ مخصوص ہیں، علامہ کرمانی نے ان سات لوگوں کے ثواب مذکور کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ طاعت یا تو بندہ اور رب کے درمیان ہوگی، یا بندہ اور مخلوق کے درمیان ہوگی، اگر بندہ اور رب کے درمیان ہے تو یا وہ زبان سے ہوگی اور وہ ذکر ہے، (اس کا بیان "ورجل ذکــــر اللہ" میں ہے) یا دل سے ہوگی اور وہ مسجد میں دل کا معلق رہنا ہے۔ (اس کا بیان "ورجل قلبہ الخ" میں ہے) یا بدن سے ہوگی اور وہ عبادت پر پرورش پانا ہے۔ (اس کا ذکر "وشاب نشأ الخ" میں ہے) اگر اطاعت بندہ اور مخلوق کے درمیان ہے تو یا وہ بالکل عام ہوگی اور یہی عدالت ہے۔ (اور اس کا ذکر "امــام عــادل" میں ہے) یا دل کے ساتھ خاص ہوگی اور وہ محبت ہے۔ (اس کو "ورجلان تحابا الخ" میں بیان کیا ہے) یا مال کے ساتھ خاص ہوگی اور وہ صدقہ ہے۔ (اس کو ذکا "ورجل تصدق الخ" میں ہے) یا بدن کے ساتھ خاص ہوگی اور وہ عفت اور پاک دامنی ہے۔ (اس کا ذکر "ورجل دعتہ امرأۃ الخ" میں ہے) ان سات لوگوں کو علامہ ابو شامہؒ نے یوں نظم کیا ہے: ؎

وَقَالَ النَّبِيُّ الْمُصْطَفىٰ اِنَّ سَبْعَةً يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ بِظِلِّهٖ
مُحِبٌّ عَفِيْفٌ نَاشِئٌ مُتَصَدِّقٌ وَبَاكٍ مُصَلٍّ وَ الْاِمَامُ بِعَدْلِهٖ

اس حدیث میں سات کا عدد مذکور ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حصر کے لئے نہیں ہے، ان کے علاوہ بھی لوگ ہیں جن کے لئے خدا کے سایہ میں رہنے کی فضیلت مذکور ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے: "من انظر معسرا او وضع لہ اظلہ اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلــہ" جو شخص قرض دار کو مہلت دے گا یا قرض کو بالکلیہ معاف کردے تو اللہ تعالیٰ ایسے

شخص کو اپنے سایہ میں اس دن جگہ عنایت فرمائیں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ نے خدا کے زیر سایہ رہنے والوں کو شمار کرایا تو دس سے بھی زائد نکلے۔

امام عادل: سب سے پہلے امام عادل کا ذکر ہے، امام عادل کا سب سے پہلے تذکرہ اس وجہ سے کیا کہ اس کا نفع بہت عام ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ کے مطابق ''عادل'' کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے بغیر افراط وتفریط کے ہر چیز کو اس کی جگہ رکھے، یہاں مراد وہ شخص ہے جس کو مسلمانوں سے متعلق کسی معاملہ کا سربراہ بنایا گیا، تو اس نے معاملہ میں عدل سے کام لیا۔

وشاب نشأ: عرش کے سایہ میں رہنے والوں میں دوسرے وہ جوان ہے جو اللہ کی عبادت پر پروان چڑھا ہو، مطلب یہ ہے کہ اس نے بچپن اور جوانی ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زندگی گذاری اور اس نے اپنی جوانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نفسانی خواہشات کی گندگی سے ملوث نہیں کیا، جوان کو اس وجہ سے مخصوص کیا کہ جوانی میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، اس عمر میں عبادت کا التزام بہت بڑا مجاہدہ ہے، امام احمدؒ کی یحییٰ بن قطان سے روایت ہے کہ اس میں ''**بعبادۃ اللہ**'' کے الفاظ ہیں، اور عبید اللہ بن عمر کی روایت ''**حتی توفی علی ذالک**'' کے الفاظ منقول ہیں۔ یعنی وہ جوان عرش کے سایہ میں ہوگا جو اللہ کی عبادت پر پروان چڑھا ہو اور عبادت ہی پر اس کی موت بھی آئی ہو، ایک روایت میں ''**ونشاطہ**'' کے الفاظ بھی منقول ہیں، یعنی وہ جوان عرش کے سایہ میں ہوگا جس نے اپنی جوانی اور نشاط کی عمر اللہ کی عبادت میں لگادی۔

ورجل قلبہ معلق بالمسجد: تیسرے وہ شخص عرش کے سایہ میں ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، یعنی اس کو مسجد سے اس قدر شدید محبت ہے کہ مسجد سے باہر

رہتے ہوئے بھی اذان ونماز کا منتظر رہتا ہے، اور جب ہر وقت اس کا دل مسجد میں لٹکا رہتا ہے، تقریبا ہر نماز جماعت اور تکبیر اولیٰ سے پڑھنے کا اہتمام کریگا، اور سنن ونوافل کا اہتمام بھی کریگا، تلاوت اور ذکر اذکار کا بھی پابند ہوگا، نیز معاصی سے اجتناب بھی کریگا، اور جب مسجد سے باہر رہنے والے کا یہ اجر ہے تو جو شخص مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے اس کا اجر کس قدر زیادہ ہوگا، اس کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

ورجلان تحابا فی اللہ: چوتھے وہ دو لوگ عرش کے سایہ میں ہوں گے جو ایک دوسرے سے صرف اللہ کے لئے خلوص دل سے محبت رکھتے ہوں ان کی محبت دنیا کو دکھانے کے لئے نہ ہو۔ نہ کسی دنیوی غرض کی وجہ سے ہو۔

اجتمعا علی ذالک وتفرقا علیہ: مطلب یہ ہے کہ ان دونوں لوگوں کی دینی محبت ہمیشہ ہمیش قائم رہی، کسی دنیوی عارض کی وجہ سے منقطع نہیں ہوئی، برابر ہے کہ حقیقتاً ان دونوں کی ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یہاں تک کہ موت نے ان کو ایک دوسرے سے جدا کردیا۔

ورجل ذکر اللہ خالیا: پانچویں وہ شخص بھی عرش کے سایہ میں ہوگا جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے، ذکر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے ہو، تنہائی میں اللہ کو یاد کرنے کی اتنی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ یہ ریا اور شہرت سے پاک ہوتا ہے۔

ورجل دعتہ ذات: چھٹے وہ شخص عرش کے سایہ میں ہوگا جس کو کسی خاندان والی خوبصورت عورت نے دعوت دی اور اس نے اللہ کے خوف سے اس کی دعوت ٹھکرادی۔

دعوت دینے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)......زنا کی دعوت دی۔

(۲)...... شادی کی دعوت دی، شادی کرنے میں اگرچہ کوئی گناہ نہیں؛ لیکن اس کو یہ خوف ہے کہ عورت کے حسن وجمال کے چکر میں پڑ کر اللہ کی نافرمانی نہ ہونے لگے اس لئے دعوت ٹھکرادی۔

حافظ نے دونوں احتمالات لکھ کر پہلے کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ "وھو الاظھر" (فتح الباری:۳/۳۵)

ورجل تصدق بصدقۃ: ساتویں وہ شخص بھی عرش کے سایہ میں ہوگا جو انتہائی رازداری کے ساتھ صدقہ کرتا ہو اگر نفلی صدقہ ہے تو رازداری سے دینا بہتر ہے، اور اگر فرض صدقہ ہے تو سب کے سامنے دینا بہتر ہے، تاکہ لوگوں کو ترغیب بھی ہو اور لوگ اس کے بارے میں بدگمان بھی نہ ہوں، لیکن حسن نیت دونوں میں شرط ہے یعنی ریاکاری مقصود نہ ہو بلکہ رضاء الٰہی پیش نظر ہو، "حتی لاتعلم شمالہ" دائیں ہاتھ نے جو خرچ کیا بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہیں ہوئی، اس کے دو مفہوم ہیں۔

(۱)...... یا تو مبالغہ کے لئے فرمایا اور یہ مراد ہے کہ صدقہ انتہائی رازداری سے دینا چاہئے۔

(۲)...... یا پھر مطلب یہ ہے کہ اتنا چھپا کر خرچ کرتا ہے کہ جو لوگ بائیں طرف بیٹھے ہیں ان کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ دائیں طرف والوں کو کیا دیا۔

جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت

﴿۲۵۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِي بَيْتِهٖ وَفِي سُوْقِهٖ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ

ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَايُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَإِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَايَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهُ وَزَادَ فِيْ دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَالَمْ يُؤْذِ فِيْهِ وَمَالَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۹/ ۱، باب فضل صلوة الجماعة، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۴۷۔ مسلم شریف: ۲۳۴/ ۱، باب فضل صلوة الجماعة وانتظار الصلوٰة، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جماعت کی نماز انسان کے اپنے گھر کی یا اپنے بازار کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر وہ مسجد کی طرف چلا اور صرف نماز پڑھنے کے ارادہ سے چلا ہو تو کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس پر رحمت نازل فرما، اور تم میں کا کوئی بھی جب تک نماز کی انتظار میں رہتا ہے تب تک برابر نماز ہی کی حالت میں شمار ہوتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز نے اس کو روکے رکھا، نیز ایک روایت میں فرشتوں کی دعا اس اضافہ کے ساتھ منقول ہے اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اے اللہ اس کی توبہ قبول کرلے، جب تک یہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جب تک اس جگہ میں اس کا وضو نہ ٹوٹے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں تین چیزیں خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں:

(۱)...... مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بہت بڑھا ہوا ہے، لہٰذا نماز کی پابندی لازمی شئی سمجھنا چاہئے۔

(۲)...... مسجد میں آنے کے لئے جو مسافت طے کرتا ہے تو اس راہ میں اٹھنے والا ہر قدم عند اللہ اس کے مقام ومرتبہ کو بڑھانے والا ہوتا ہے۔

(۳)...... نماز کے انتظار میں بیٹھنا بہت بڑی سعادت ہے، جو لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھتے ہیں تو وہ عند اللہ نماز کی حالت میں رہتے ہیں اور فرشتے انکے حق میں دعا گو رہتے ہیں۔

صلوۃ الرجل فی الجماعۃ: نماز کا پچیس درجہ ثواب اس وقت ملتا ہے جب کہ نماز کو جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا جائے۔

تعارض مع دفع تعارض

تعارض: اس حدیث شریف سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت پچیس درجہ معلوم ہوتی ہے جب کہ بخاری شریف میں اسی باب کے تحت روایت ہے: "صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ" دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کون راجح ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ "خمس" والی روایت راجح ہے اس وجہ سے کہ اس کو روایت کرنے والے زیادہ لوگ ہیں، جب کہ ایک دوسرا قول ہے کہ "سبع" والی روایت راجح ہے، اس وجہ سے کہ اس کے رواۃ وصف عدالت اور حفظ میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔

حافظؒ نے دونوں روایتوں میں تطبیق کی بھی چند شکلیں ذکر کی ہیں:

(۱)...... قلیل کا ذکر کثیر کے منافی نہیں۔

(۲)...... عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہے صرف کثرت مراد ہے۔

(۳)...... ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے جماعت کی نماز پچیس درجہ افضل ہونا بتایا ہو پھر ستائیس درجہ افضل ہونے کی اطلاع دی ہو۔

(۴)...... ممکن ہے کہ مسجد کے قرب اور بعد کی بناء پر فرق ہو۔

(۵)...... نمازیوں کے احوال کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے۔

(٦)...... نماز کی قلت و کثرت کے اعتبار سے بھی فرق ممکن ہے۔

(۷)...... نماز کے انتظار کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ بھی چند وجوہات حافظؒ نے ذکر کی ہیں۔ (فتح الباری: ۲/۱۵)

جماعت کے ثواب کی حکمتیں

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں درجات فضیلت کے اسباب یعنی جن کی بنا پر جماعت کی نماز کا ثواب ۲۵ ریا ۲۷ رگنا بڑھ جاتا ہے یہ ذکر کئے ہیں:

(۱)...... جماعت میں شرکت کرتے ہوئے مؤذن کی اذان کا جواب دینا۔

(۲)...... اول وقت میں نماز کے لئے مسجد آنا۔

(۳)...... مسجد کا راستہ سکون واطمینان کے ساتھ طے کرنا۔

(۴)...... مسجد میں دعا پڑھ کر داخل ہونا۔

(۵)...... مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنا۔

(٦)...... جماعت کا انتظار کرنا۔

(۷)......ملائکہ کی دعا کا مستحق بننا۔

(۸)......ملائکہ کی شہادت کا حاصل ہونا۔

(۹)......اقامت کا جواب دینا۔

(۱۰)......اقامت کے وقت شیطان کے راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے شیطان کے شر سے محفوظ رہنا۔

(۱۱)......امام کی تکبیر تحریمہ کے انتظار میں کھڑے رہنا یا تحریمہ منعقد ہو چکی ہے تو جس حالت میں امام کو پائے اس میں شرکت کرنا۔

(۱۲)......تکبیر تحریمہ میں شرکت کرنا۔

(۱۳)......صف بنانا اور درمیان میں جگہ نہ چھوڑنا۔

(۱۴)......امام کے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کا جواب دینا۔

(۱۵)......نماز میں عام طور سے سہو سے محفوظ رہنا اور اگر امام کو سہو ہو جائے تو اس کو لقمہ دینا۔

(۱۶)......خشوع کا حاصل ہونا۔

(۱۷)......عموماً اپنی ہیئت کو درست رکھنا۔

(۱۸)......نماز میں ملائکہ کے اجتماع کا پایا جانا۔

(۱۹)......تجوید قرآن کا عادی ہونا (یہ شوافع کے اعتبار سے ہے، حنفیہ کے یہاں قرآن سن کر یہ ثواب حاصل ہوگا۔)

(۲۰)......شعار اسلام کا اظہار۔

(۲۱)......عبادت کے لئے جمع ہو کر شیطان کو ذلیل کرنا۔

(۲۲)......نفاق سے محفوظ رہنا، نیز دوسروں کو ترک صلوۃ کی بدگمانی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنا۔

(۲۳)......امام کے سلام کا جواب دینا۔

(۲۴)......دعاوذکروغیرہ میں اجتماع کی برکت سے مستفید ہونا۔

(۲۵)......پڑوسیوں اور دوستوں کے درمیان محبت قائم کرنا اور ایک دوسرے کے احوال کی خبرگیری کرنا۔

یہ وہ پچیس اسباب ہیں جو پانچوں نمازوں میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی میں حاصل ہوتے ہیں، ان پچیس اسباب کے علاوہ دوسبب جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہیں۔

(۱)......امام کی جہری نماز میں قرأت کے وقت قرآن مجید سننے کا ثواب۔

(۲)......امام کے ساتھ آمین کہنے کا ثواب۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جس روایت میں ستائیس درجہ ثواب مذکور ہے وہ روایت جہری نماز کے ساتھ خاص ہے، یہاں پر حافظ کی بات پوری ہوگئی۔

فتح الباری میں حاشیہ پر یہ بات لکھی ہے کہ حافظ کا ستائیس درجہ والی روایت کو جہری نماز کے ساتھ خاص کرنا محل نظر ہے، اس وجہ سے کہ حدیث کا عموم بتارہا ہے کہ مذکور ثواب پانچوں نمازوں میں جماعت کے ساتھ شرکت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی توجیہ میں جماعت میں حاضر ہونیوالے کے لئے فضل ربانی کی زیادتی بھی ہے۔(فتح الباری:۲/۱۷)

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعاء

﴿۲۵۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّی

اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۴۸/ ۱، باب مایقول اذا دخل المسجد، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابواسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ یہ دعا پڑھے: ''اللھم افتح الخ" [اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے کھول دے] اور جب مسجد سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے ''اللھم انی الخ" [اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں]''

تشریح: اس حدیث شریف میں مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کی دعا مذکور ہے، ان دعاؤں کو مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

دعاء میں رحمت وفضل کی حکمت

اللھم افتح لی: مسجد میں داخل ہونے کے وقت رحمت کو اور نکلنے کے وقت فضل کو طلب کیا گیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو گیا تو اب وہ ان اعمال میں مشغول ہوگا جو ثواب اور جنت کے حصول کا ذریعہ ہیں، اس وجہ سے رحمت کو طلب کیا گیا ہے اور جب آدمی باہر نکلتا ہے تو کسب معاش میں مشغول ہوتا ہے اسلئے باہر نکلنے کے وقت فضل کو طلب کیا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور یہ دعا پڑھے: ''اللھم اجرنی من الشیطان الرجیم"

مرقات میں یہ روایت بھی منقول ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو ابلیس کا لشکر اس کو گھیر لیتا ہے اور اس کے اردگرد ایسے جمع ہو جاتا ہے جیسے کہ شہد

کی مکھیاں اپنی ملکہ کے ارد گرد اکٹھا رہتی ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد سے نکلنے کے لئے دروازہ پر کھڑا ہو تو یہ دعا پڑھے: "اللھم انی اعوذبک من ابلیس وجنودہ" جو کوئی یہ دعا پڑھ لیتا ہے وہ ابلیس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

تحیۃ المسجد

﴿۶۵۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۶۳/ ۱، باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۴۴۔ مسلم شریف: ۲۴۸/ ۱، باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۱۴۔

ترجمه: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا چاہئے۔

تشریح: اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع: حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کا شان ورود نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو قتادہ رضی اللہ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہیں، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابو قتادہ! تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کواور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ بیٹھے ہیں تو میں بھی بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**فاذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین**" [تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو جب تک دورکعت نماز نہ پڑھ لے بیٹھے نہیں۔]

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: "**اعطوا المساجد حقھا قیل لہ وما حقھا قال رکعتین قبل ان یجلس**" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مساجد کوان کا حق دو" پوچھا گیا مساجد کا کیا حق ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بیٹھنے سے پہلے دورکعت نماز مساجد کا حق ہے"۔] (فتح الباری: ۳/۹٦)

تحیۃ المسجد واجب ہے یا مستحب؟

تحیۃ المسجد واجب ہے یا مستحب اس سلسلہ میں کچھ اختلاف منقول ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور علماء کے نزدیک تحیۃ المسجد کی نماز مستحب ہے۔

دلائل: (۱)......"**کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدخلون المسجد ثم یخرجون ولا یصلون**" [اصحاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے اور بغیر نماز پڑھے نکلتے تھے] اگر تحیۃ المسجد واجب ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز تحیۃ المسجد پر مواظبت کرتے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے گذرتے دیکھا تو اس سے فرمایا: "**اجلس فقد اذیت**" [بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کردیا] اگر تحیۃ المسجد کی نماز واجب ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو بیٹھنے کے لئے نہ کہتے بلکہ تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کا حکم فرماتے۔

ظواھر کا مذھب: ظواہر تحیۃ المسجد کی نماز کو واجب قرار دیتے ہیں۔

دلیـــل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے کہتے ہیں کہ حدیث باب میں تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کا امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

جواب: حدیث میں مذکور امر وجوب کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ استحباب کے لئے ہے اور اس پر قرینہ مذکورہ بالا دلائل ہیں؛ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے۔

قبل ان یجلس: تحیۃ المسجد کی نماز مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے ادا کرنا چاہئے اور یہی مستحب ہے، لیکن اگر کوئی بیٹھ گیا اور اس کے بعد تحیۃ المسجد ادا کی تو بھی ادا ہو جائے گی۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھ گیا تو اس نے تحیۃ المسجد کا وقت فوت کر دیا، اب تحیۃ المسجد کی نماز ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے: کیونکہ حدیث میں "**قبل ان یجلس**" کی قید ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ وقت مستحب کے بیان کے لئے قید ہے، بیٹھنے سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوتی ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "**انہ دخل المسجد فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارکعت رکعتین قال لا ثم قال قم فارکعھا**" (عمدۃ القاری:۴/۲۰۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کر لی؟ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھڑے ہو اور دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرو، معلوم ہوا مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر کوئی بیٹھ گیا پھر بھی تحیۃ المسجد ادا کر سکتا ہے۔

سفر سے واپسی پر مسجد آنا

﴿۲۵۳﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ۔

(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۴۳۴/ ۱، باب الصلوۃ اذا قدم من سفر، کتاب الجهاد، حدیث نمبر:۳۰۸۸۔مسلم شریف:۲۴۸/ ۱، باب استحباب الرکعتین فی المسجد لمن قدم من سفر اول قدومه، کتاب المسافرین، حدیث نمبر:۷۱۶۔

ترجمه: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو دن میں چاشت کے وقت آتے، آتے ہی سب سے پہلے مسجد جاتے وہاں دو رکعت نماز پڑھتے پھر مسجد میں کچھ دیر بیٹھتے۔

تشریح: لایقدم من سفر الا نهاراً فی الضحی: ضحی اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج اچھی طرح روشن ہو جاتا ہے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے میں حکمت یہ تھی کہ اس وقت ملاقات کے لئے آنے والوں کو کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا تھا، رات سونے اور آرام کا ہوتا ہے، شام کو لوگ رات کے کھانے پینے کے اسباب مہیا کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور رات کے وقت آمد ورفت میں مشقت ہوتی ہے، اس لئے سب سے مناسب وقت چاشت کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی وقت سفر سے تشریف لاتے تھے۔(مرقاۃ:۱۹۹/۲)

ثم جلس فیہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر مسجد میں کچھ دیر بیٹھتے تھے تا کہ مسجد کا حق بھی ادا ہو جائے گا، ملاقاتی آسانی سے ملاقات کرلیں، نیز اتنی دیر میں گھر بھی اطلاع ہو جاتی ہے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن گھر کی صفائی ستھرائی کرسکتی ہیں، غسل وغیرہ کر کے کپڑے بھی تبدیل کرسکتی ہیں، اور ان چیزوں کا حسن معاشرت میں خاص دخل ہونا ظاہر ہے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اپنے اہل خانہ کی رعایت وشفقت اور ہر ایک کے حق ادائیگی کا اہتمام خوب ظاہر ہے۔

مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان

﴿۶۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِی الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَارَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا۔ **(رواہ مسلم)**

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۰، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص مسجد میں کسی کو سنے کہ وہ اپنی کسی گمشدہ چیز کو تلاش کر رہا ہے تو سننے والے شخص کو چاہئے کہ یوں کہے کہ اللہ کرے تیری وہ چیز نہ ملے، اس لئے کہ مسجدیں ان کاموں کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔

تشریح: مسجد میں کوئی بھی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جو مسجد کی بناء کے خلاف ہو، مسجد

کی تعمیر کا مقصد نماز کی ادائیگی، قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کا ذکر وغیرہ ہے، لہٰذا مسجد میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا یا اس قسم کے دوسرے امور انجام دینا درست نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے کام کرنے والوں کو پسند نہیں فرمایا ہے۔

گمشدہ چیز کا اعلان کرنے والے کے جواب میں یہ کہا کہ خدا کرے یہ چیز تجھ کو نہ ملے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلان کرنے والے شخص نے مسجد کے آداب کا خیال نہیں رکھا، اور اپنی آواز بلند کر کے نمازیوں کی نمازیں تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں اور معتکفین کی عبادت میں خلل ڈالدیا اور ان کے انہماک کو ختم کر دیا۔

فان المساجد: یہاں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حکم کی علت بیان فرمارہے ہیں۔

لم تبن لهذا: مساجد گم شدہ چیزوں کے تلاش کرنے یا اس قسم کے دوسرے امور انجام دینے کی غرض سے نہیں بنائی گئی ہیں۔

علمی گفتگو

امام مالک علیہ الرحمۃ نے تو مسجد میں علمی گفتگو کرنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ مسجد میں علمی گفتگو کے جواز کے قائل ہیں، اس وجہ سے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی لوگوں کو ضرورت ہے اور مسجد میں مجمع زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا علمی گفتگو سے مسجد میں نہیں روکا جائیگا۔

مسجد میں سائل کو صدقہ دینے کا مسئلہ

اسلام میں یہ بات مختلف فیہ رہی ہے کہ سائل کو مسجد میں صدقہ دینا چاہئے یا نہیں؟

بعض لوگ اس حدیث اور کچھ دیگر آثار کی بنا پر کہتے ہیں کہ مسجد میں سائل کو نہ دینا چاہئے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سائل کو مسجد میں دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قائلین کی دلیل: قائلین جن میں ابن حجر بھی ہیں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں: "**هل احدكم منكم اطعم اليوم مسكينا فقال ابوبكر دخلت المسجد فاذا انا بسائل فوجدت كسرة خبز في يدعبدالرحمن فاخذتها فدفعتها اليه**" [کیا تم میں کوئی ہے جس نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہو ابوبکر کہتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو اچانک میں نے ایک مسکین کو دیکھا، میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا پایا تو میں نے ان سے لیکر اس مسکین کو دیدیا] یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مسکین کو مسجد میں صدقہ دینا جائز ہے۔

منکرین کی دلیل: بعض وہ اسلاف جو صدقہ نہ دینے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ "**ينادى يوم القيامة ليقم بغيض الله فيقوم سؤال المسجد**" [قیامت کے دن پکارا جائے گا کہ اللہ کو غصہ دلانے والے کھڑے ہو جائیں تو مسجد میں مانگنے والے کھڑے ہوں گے] معلوم ہوا کہ مسجد میں مانگنا درست نہیں اور مانگنا درست نہیں تو دینا بھی درست نہیں، کیونکہ اس میں ایک ممنوع فعل پر مدد کرنا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی صدقہ کردی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح اپنے اس قول میں فرمائی: "**يؤتون الزكوة وهم راكعون**" [وہ لوگ رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرتے ہیں]

صاحب مرقاۃ نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حدیث اور آیت میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۰)

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنا

﴿۶۵۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ الْمُنْتِنَۃِ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ الْاِنْسُ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۸، باب ماجاء فی الثوم النئی و البصل والکراث، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۵۵۔ مسلم شریف: ۱/۲۰۹، باب نهی من اکل ثوما او بصلا او کراثا او نحوها، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۶۴۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ مسجد میں ہرگز نہ آئے، اس لئے کہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن چیزوں سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔

تشریح: فرشتوں کو بدبودار چیزوں سے شدید تکلیف ہوتی ہے اس لئے نمازیوں کو مسجد میں بدبودار چیز کھا کر یا بدبودار چیز پہن کر ہرگز نہ آنا چاہئے۔

الشجرۃ المنتنۃ: لہسن، پیاز وغیرہ مراد ہیں انکو کھا کر مسجد میں نہ آنا چاہئے، اگر کسی نے یہ چیزیں نماز سے پہلے کھائیں ہیں تو منہ اچھی طرح دھو کر بدبو زائل کرلے پھر مسجد آئے۔

فلا یقربن مسجدنا: ممانعت کا تعلق تمام مساجد سے ہے مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ علت ممانعت مشترک ہے اور وہ فرشتوں کا اذیت میں مبتلا ہونا ہے، ایک روایت میں تو ’’فلا یاتین المساجد‘‘ کے الفاظ بھی مروی ہیں، لہٰذا

اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اس حکم کو مسجد نبوی کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۲۲۰)

فائدہ: (۱)...... جب بد بودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی اجازت نہیں تو بیڑی سگریٹ پی کر منہ کو صاف کئے بغیر مسجد میں آنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

(۲)...... ہر بد بودار بلکہ ایذاء پہونچانے والی چیز کا یہی حکم ہے۔

مسجد میں تھوکنا

﴿۲۵۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِیْئَۃٌ وَکَفَّارَتُھَا دَفْنُھَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۵۹/۱، باب کفارۃ البزاق فی المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۱۵۔ مسلم شریف: ۲۰۶/۱، باب النھی عن البصاق فی المسجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۵۲۔

حل لغات: البزاق تھوک۔ بزق بزقاً (ن) تھوکنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو دفن کردیا جائے۔

تشریح: مسجد میں کسی بھی قسم کی گندگی پھیلانا جائز نہیں، اگر کسی نے مسجد میں تھوکا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوا، اگر اتفاقاً یا مجبوری کی بناء پر یہ حرکت سرزد ہوگئی تو تھوک صاف کردینا چاہئے۔

البزاق في المسجد خطيئة: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں مطلقاً تھوکنا گناہ ہے، اگر کوئی مجبوری ہے تو کسی کپڑے میں تھوک کر اس کو مل دے۔

فكفارتها دفنها: اگر حالت اضطرار میں مسجد میں تھوک دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ زمین اگر کچی ہے یا ریتیلی ہے تو تھوک کو زمین میں دبا دے، یعنی تھوک پر ریت یا کنکر وغیرہ ڈال دے لیکن اگر فرش پختہ ہو تو تھوک کو صاف کرے۔

ایضاً

﴿٦٥٧﴾ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اَعْمَالُ اُمَّتِيْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ مَحَاسِنَ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةُ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ٢٠٧/١، باب النهي عن البصاق في المسجد، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ٥٥٤۔

حل لغات: يماط مضارع مجہول ہے۔ اماط اماطة دور کرنا، ہٹانا، النخاعة بلغم تھوک، انتخع فلان بلغم نکلنا۔

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کئے گئے تو میں نے اس کے اچھے اعمال میں راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا پایا اور اس

کے برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں بلغم تھوکا پھر اس کو دفن نہیں کیا۔“

تشـــریح: اس حدیث شریف میں لوگوں کے دو طرح کے اعمال کا ذکر ہے ایک اچھا فعل ہے، یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا، لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اور دوسرا قبیح فعل ہے یعنی مسجد میں تھوکنا اور پھر اس کی صفائی کا لحاظ نہ رکھنا اس سے بچنا چاہئے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہاں جمع ہوتی ہے، اور قیامت میں اس کا اجر ملے گا، اس لئے کسی نیکی کو چھوٹا جان کر ترک نہیں کرنا چاہئے، اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی وہاں جمع ہو جاتا ہے، اور اگر توبہ نہیں کی گئی تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی، اس لئے یہ سمجھ کر کہ یہ تو چھوٹا اور معمولی ہے برائی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے۔ فقط

نماز کے دوران تھوکنا

﴿٦٥٨﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ اَمَامَهٗ فَاِنَّمَا يُنَاجِی اللّٰهَ مَادَامَ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَيَدْفِنُهَا وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ سَعِيْدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ٥٩/ ١، باب دفن النخامة فی المسجد، کتاب الصلوٰة، حدیث نمبر: ٤١٦۔ مسلم شریف: ٢٠٧/ ١، باب النهی عن البصاق فی المسجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ٥٥٤۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی شخص نماز کیلئے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے، اسلئے کہ جب تک وہ اپنی جائے نماز پر رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کی حالت میں رہتا ہے، اور نہ اپنی دائیں جانب تھوکے کیونکہ اس کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، چاہئے کہ اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے پھر اس کو دفن کر دے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے کہ ''تحت قدمه الخ'' یعنی اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکے۔''

تشـــریح: اگر نماز کی حالت میں مجبوراً تھوکنا پڑے تو بائیں طرف تھوکا جائے یا قدموں تلے تھوکا جائے، دائیں طرف یا سامنے کی جانب تھوکنے سے اجتناب کیا جائے۔

فانما يناجي الله: نماز میں بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے، اور وہ سرگوشی کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تھوکنے کی ضرورت پڑ بھی جائے تو سامنے نہ تھوکے، سامنے کی جانب تھوکنے سے منع کرنا قبلہ کی تعظیم کی وجہ سے بھی ہے اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ دائیں طرف وہ خاص فرشتہ ہوتا ہے، جو نماز کے وقت آتا ہے مجبوری میں بائیں طرف بھی تھوکنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن بائیں طرف تھوکنے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

نماز میں بائیں جانب تھوکنے کی اجازت کی وجہ

یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ بائیں جانب تھوکنے کی اجازت کیوں ہے جب کہ اس جانب بھی فرشتہ ہوتا ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ملک الیمین کاتب حسنات ہے، اور ملک الیسار کاتب سیئات ہے اور کاتب حسنات امیر ہوتا ہے کاتب سیئات پر، اس لئے اس کی تعظیم زیادہ ہے اور بعض شراح نے یہ وجہ بیان کی کہ نماز حسنہ ہے دائیں جانب والا فرشتہ جو کاتب حسنات ہے وہ

اس وقت نماز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کاتب سیئات کے عمل کا یہ وقت نہیں وہ ایک طرف بیٹھا رہتا ہے لہٰذا بائیں جانب تھوکنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اس سے بہتر جواب وہ ہے جو طبرانی کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اس کی دائیں جانب ایک فرشتہ کھڑا ہوتا ہے اور بائیں جانب قرین یعنی شیطان کھڑا ہوتا ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ دائیں جانب کی ممانعت کاتب حسنات کی وجہ سے نہیں بلکہ اسکے علاوہ ایک اور فرشتہ اس وقت دائیں طرف ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل بائیں طرف شیطان۔ (الدر المنضود: ۲/۷۴)

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا

﴿۶۵۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۶۲۹، باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۴۴۳۔ مسلم شریف: ۱/۲۰۱، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۳۲۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض کی حالت میں جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفا نصیب نہیں ہوئی، ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الموت میں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں

میرے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد میری امت کے لوگ بھی میری قبر کی عبادت نہ کرنے لگیں، جیسے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کے قبروں کی عبادت کا رواج ڈال لیا تھا، لہٰذا آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فعل کی حرمت دلوں میں بیٹھانے کے لئے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی۔

فی مرضہ: مراد مرض الموت ہے۔

اتخذوا قبور انبیائھم مساجد: صاحب مرقاۃ نے قبور انبیاء علیہم السلام کو سجدہ گاہ بنانے کے دو مطلب ذکر کئے ہیں۔

(۱)...... انبیاء کرام کی قبروں کو ہی سجدہ کرتے تھے، یہ شرک جلی ہے اس وجہ سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ پر لعنت کر کے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے۔

(۲)...... انبیاء کرام کی قبروں پر عبادت گاہ بناتے تھے، اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ انبیاء کرام کی تعظیم بھی ہو جائے اس صورت میں شرک خفی ہے، اس وجہ سے آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو اس سے منع فرمایا ہے۔

اگر کسی نبی یا بزرگ کی قبر کے جوار میں بشرطیکہ سامنے نہ ہو تبرک اور رحمت حاصل کرنے کے لئے نماز پڑھے تو جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے بطور سد ذرائع مطلقاً نہ پڑھنا بہتر ہے۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

اس حدیث کے تحت محدثین یہ بحث کرتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبرستان

میں نماز پڑھنا جائز ہے؛لیکن کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

دلیل: حدیث ہے:"**جعلت لی الارض کلها مسجدا**" معلوم ہوا کہ زمین اگر پاک ہے تو کوئی بھی ہو نماز کی ادائیگی درست ہے اور جہاں منع کیا گیا ہے اس کی علت یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے، اگر علت نہیں پائی جارہی ہے تو ممانعت بھی ختم ہوجائے گی۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قبرستان میں نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل: حدیث ہے:"**الارض کلها مسجد الا المقبرة**" یہاں قبرستان کو مسجد سے الگ کیا گیا ہے،معلوم ہوا کہ قبرستان میں نماز کی ادائیگی درست نہیں ہے۔

جواب: حدیث بالا سے کراہت ثابت ہوتی ہے،حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے،اور کراہت کے ہم بھی قائل ہیں۔

قبر کو سجدہ گاہ مت بناؤ

﴿۲۶۰﴾ وَعَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ۔ **(رواه مسلم)**

حواله: مسلم شريف: ۱/۲۰۱، باب النهى عن بناء المساجد على القبور، كتاب المساجد.

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمار ہے ہیں:
''خوب اچھی طرح سن لو! جولوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے، خوب اچھی طرح سن لو! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں تم لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں۔

تشــریح: اس حدیث شریف میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کے اس قبیح فعل کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس مشرکانہ کام سے منع فرمایا۔

مـن كـان قبلكم: یہود ونصاریٰ مراد ہیں یا پھر یہ عام ہے یعنی جولوگ تم سے پہلے تھے۔

و صـالحيهم: یعنی اپنے علماء ومشائخ کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔

نفل نماز گھر میں پڑھنا چاہئے

﴿٦٦١﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ٦٢/ ١، باب كراهة الصلوة فى المقابر، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۳۲۔مسلم شریف: ٦٦٥/ ١، باب استحباب صلوة النافلة فى بيته وجوازها فى المسجد، كتاب صلوة المسافرين، حدیث نمبر:۷۷۷۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنی نمازوں میں سے کچھ اپنے گھروں میں پڑھا کرو، اور اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں مذکور ہیں:

(۱)...... نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کرنا چاہئے، یعنی فرض نماز مسجد میں ادا کرنا چاہئے اور نفل نماز کو گھر میں پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(۲)...... گھروں میں مردوں کو دفن کر کے قبرستان نہ بنانا چاہئے۔

اجعلوا في بيوتكم من صلوتكم: یہاں ''صلوۃ'' سے پہلے ''مــــن'' لا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ گھر میں کچھ نمازیں ادا کرنا چاہئے، فرائض مسجد میں ادا کرنا چاہئے، البتہ نفل گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

ولا تتخذوها قبورا: اس جز کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)...... قبرستان میں مردے نماز نہیں پڑھتے ہیں لہٰذا اگر تم بھی گھروں میں کوئی نماز نہیں پڑھو گے تو وہ مانند قبرستان کے ہو جائیں گے، اس لئے بالکلیہ گھر میں نماز ترک کر کے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، اس میں اس بات کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے، قبرستان میں نماز پڑھنا حنفیہ کے یہاں کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

(۲)...... گھروں میں مردوں کو دفن نہ کرو اس وجہ سے کہ اگر گھر میں مردے دفن کرو گے تو پھر گھر میں نماز پڑھنے کی گنجائش ختم ہو جائیگی، جب کہ گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس توجیہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے۔

﴿الفصل الثانی﴾

مدینہ والوں کا قبلہ

﴿۶۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۷۹/ ۱، باب ماجاء ان مابین المشرق والمغرب قبلة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔''

تشریح: اس حدیث کی توجیہ صاحب مرقاۃ نے علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قبلہ سے مراد اہل مدینہ کا قبلہ ہے، کیونکہ اہل مدینہ کا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان جانب جنوب میں واقع ہے، البتہ مغرب کی جانب کچھ مائل ضرور ہے اس کی تائید حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے: "لاتستقبلوا القبلة ولاتستدبروها لغائط او بول ولکن شرقوا او غربوا۔'' (مرقاۃ: ۲/۲۰۳)

مقصد حدیث یہ ہے کہ عین کعبہ کا استقبال ضروری نہیں ہے، صرف جہت کعبہ کا استقبال کافی ہے۔

مسجد بنانے کا ذکر

﴿۲۶۳﴾ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا وَفْداً إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ إِنَّ بِأَرْضِنَا بِيْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِيْ إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ اُخْرُجُوْا فَإِذَا أَتَيْتُمْ فَإِذَا بِأَرْضِكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضَحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ وَالْحَرَّ شَدِيْدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهٗ لَايَزِيْدُهٗ إِلَّا طِيْبًا۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۱۱۴/۱، باب اتخاذ البیع مساجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۷۷۰۔

ترجمه: حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک وفد کی شکل میں حاضر ہوئے ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا کہ ہماری زمین پر ایک گرجا گھر ہے، پھر ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور وضو کیا اور کلی کی اور اس کلی کا پانی ہمارے برتن میں ڈال دیا، پھر ہمیں حکم دیتے ہوئے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور جب اپنی سرزمین پر پہنچو تو اپنے گرجا کو توڑ دو اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دو اور پھر وہیں پر ایک مسجد بنالو ہم نے عرض کیا کہ شہر یہاں سے دور ہے،

گرمی سخت پڑ رہی ہے یہ پانی تو خشک ہو جائے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس میں اور پانی کا اضافہ کر لینا، بلاشبہ اس سے برکت میں اضافہ ہو جائے گا۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں نجد کے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے اس نے بیعت ہونے کے بعد اپنے یہاں ایک گرجا ہونے کا تذکرہ کیا اور آپ سے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی عطا کیا اور فرمایا گرجا منہدم کر کے اس جگہ مسجد تعمیر کر لو اور یہ پانی اس جگہ چھڑک دو تا کہ بت پرستی کے اثرات زائل ہو جائیں۔ اور وہاں دین کے انوار و برکات پھیل جائیں۔

فبایعناہ: وفد نے تو حید و رسالت اور اطاعت و فرمانبرداری پر بیعت کی۔

وصلینا معہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نماز یا چند نمازیں پڑھیں۔

واخبرنا ان بارضنا بیعۃ: نصاریٰ کے عبادت خانہ (گرجا) کو 'بیعۃ' کہا جاتا ہے، حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دیار میں گرجا ہونے کی اطلاع دی اور اس کو ختم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

فاستوھبناہ من فضلہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وضو کا بچا ہوا پانی عطا فرما دیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست سے زیادہ ان کو عطا کیا؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے برتن میں کلی فرمائی تا کہ ان کے پانی میں برکت کے اثرات بڑھ جائیں۔

فاکسروا بیعتکم: یعنی اپنے وطن پہنچنے کے بعد ''بیعۃ'' کے محراب بدل دو اور اس کو کعبہ کی طرف منتقل کر دو، ایک قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد تھا کہ گرجا توڑ دو۔

مدوه من السماء: وفد والوں نے جب یہ بات رکھی کہ جس پانی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلی فرمائی ہے وہ بہت تھوڑا ہے، گرمی کی شدت کی بناء پر یہ پانی ہمارے ملک پہنچنے سے پہلے ہی سوکھ کر ختم ہو جائے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں یہ اندیشہ ہے تو اس میں دوسرا پانی ملا لینا ایسا کرنے سے پانی کی برکت ختم نہ ہوگی، بلکہ جو پانی ڈالوگے وہ بھی بابرکت ہو جائے گا، حاصل یہ ہے کہ پانی کے اضافہ سے برکت میں اضافہ ہوگا کوئی کمی نہیں ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ زمزم کے پانی کو متبرک جاننا اس سے برکت حاصل ہونے کی امید رکھنا اور بطور تبرک اس پانی کو مکہ معظمہ سے دوسرے شہروں کو لیجانا جائز ہے، نیز دوسرا پانی اس میں ملانے سے اس کی برکت ختم نہیں ہوتی۔ اور اسی پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ علماء ومشائخ اور اہل اللہ کے کھانے پینے کے جھوٹے اور ان کے بدن کے کپڑے کو بھی متبرک سمجھنا اور اس سے برکت حاصل ہونے کی امید رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ حد شرع سے تجاوز نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ اس کی پرستش کرنے لگے یا حد سے زیادہ اس کی تعظیم کرنے لگے۔

مسجد کی تعمیر اور صفائی ستھرائی

﴿۲۶۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَاَنْ يُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة)

حواله: ابوداؤد شریف: ۶۴/۱، باب اتخاذ المساجد فی الدور،

کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۴۵۵۔ترمذی شریف: ۱۳۰/ ۱، باب ماذکر فی تطیب المساجد، ابواب السفر، حدیث نمبر:۴۹٦۔ابن ماجه شریف: ۵۵، باب تطهیر المساجد وتطیبها، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۷۵۸۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجد بنانے اور اس کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔

تشریح: مسجد کی تعمیر کے ساتھ اس کی صفائی کی جانب خصوصی توجہ رکھنی چاہئے، کیونکہ مسجد میں انسانوں کے ساتھ فرشتے جیسی پاکیزہ مخلوق کی بھی آمدورفت رہتی ہے، گندگی اور بدبو سے ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

ببناء المساجد فی الدور: 'دور' 'دار' کی جمع ہے اس کے معنی گھر کے تو بہت مشہور ہیں، ایک دوسرے معنی آتے ہیں محلّہ وقبیلہ کے، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر محلّہ میں مسجد ہونا چاہئے، تاکہ لوگ اپنے اپنے مقام پر نماز پڑھ لیں، اگر ہر محلّہ میں مسجد نہ ہوگی تو لوگ دور دراز سے نماز پڑھنے دوسرے محلوں میں نہیں آئیں گے، ایسی صورت میں جماعت فوت ہونے کا اندیشہ قوی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں کئی مسجدیں تھیں، اور اگر دار سے پہلے معنی گھر مراد لیں تو مطلب یہ ہے کہ ہر گھر میں عبادت کیلئے ایک مخصوص جگہ ہونا چاہئے اس صورت میں مسجد سے شرعی مسجد مراد نہ ہوگی۔

وان ینظف: مسجد کو کوڑا کرکٹ اور گندگی سے پاک وصاف رکھنا چاہئے۔

ویطیب: مسجد میں خوشبو وغیرہ کا چھڑکاؤ بھی کبھی کبھی کرنا چاہئے۔

مسجد کی بلند وبالا تعمیر

﴿۲٦۵﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ٦٤/١، باب فی بناء المسجد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ٤٤٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھ کو مسجدوں کے بلند و پختہ تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تم لوگ بھی مسجد کو ایسے مزین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے مزین کیا۔

تشریح: مسجدوں کو حد سے زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنا، سونے چاندی سے ملمع کرنا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔

ما امرت بتشييد المساجد: ''تشیید'' کے دو معنی ہیں:

(١)......مکان کی عمارت کو بلند کرنا۔

(٢)......عمارت کو چونے سے پختہ بنانا۔

علامہ نوویؒ کی صراحت کے مطابق پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں مسجد کو بلند و بالا بناؤں۔

قال ابن عباس لتزخرفنها: یہ جملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، لہٰذا یہ حدیث موقوف ہے، لیکن حکم میں مرفوع کے ہے، اس وجہ سے کہ یہ اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب ہے۔ ''زخرف'' کے اصلاً معنی ہیں سونے کا پانی پھیرنا، بعد میں یہ لفظ مطلقاً تزئین کاری کے لئے استعمال ہونے لگا،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ پیشین گوئی فرمارہے ہیں کہ جس طرح سے یہود و نصاریٰ اپنے معابد آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں بعد کے مسلمان بھی اسی طرح کریں گے۔

مساجد کی تزئین کا حکم

مسجد کی اسطرح تزئین کرنا کہ نمازی کا دھیان نماز سے ہٹ کر اس کی تزئین کی طرف چلا جائے بالاتفاق مکروہ ہے، اسی طرح فخر و غرور کے طور پر مسجد کی تزئین بھی مکروہ ہے، اگر مسجد کی تعظیم پیش نظر ہے تو مسجد کو پختہ بنانا اور اس کو آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چوں کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے گھروں کو عالیشان بناتے ہیں ایسے میں اگر مساجد میں کسی بھی قسم کی تزئین کاری نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ لوگ مساجد کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں، اس وجہ سے ایک حد تک تزئین کاری کی اجازت دی گئی ہے؛ لیکن مساجد کے محراب کو منقش نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ سامنے ہوتے ہیں اگر یہ منقش ہوں گے تو نمازی کے خشوع و خضوع میں فرق آئے گا، مسجد کے آراستہ کرنے کا ثبوت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی ملتا ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مسجد نبوی کی جدید تعمیر کروائی تھی انہوں نے اس کو چونے سے پختہ کروایا تھا، منقش پتھر لگوائے تھے اور چھت میں ساگون کی لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا، لہٰذا اگر مقصود بالذات تزئین کاری نہ ہو بلکہ مسجد کی تعظیم اور اس کی پختگی پیش نظر ہو تو تزئین میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سے ہیں، ان کی سنتوں کو اپنانے کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، فرمان نبی ہے: "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین" اور جہاں تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان: "ما امرت بتشیید المساجد" کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے وجوبی طور پر مسجد کے پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا اور مسجد کے پختہ بنانے کے

وجوب کے ہم بھی قائل نہیں، ہم تو صرف بلا کراہت کے جائز ہونے کے قائل ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول: "لتزخرفنها" کا مطلب یہ ہے کہ بعد والے ایسی تزئین کاری کریں گے جس کا مقصد فخر وغرور اور بڑائی کا اظہار ہوگا اور یہ ایسی تزئین ہوگی جو نمازیوں کی توجہ نماز سے ہٹا کر تزئین کاری کی طرف متوجہ کردے گی اس قسم کی تزئین کاری سے ہم بھی منع کرتے ہیں، البتہ احکام مسجد بالخصوص (پختہ بنانا) بلاشبہ جائز ہے۔ (الدر المنضود: ۲/۵۸)

مسجدوں کی تعمیر پر فخر کی ممانعت

﴿٦٦٢﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِيْ الْمَسَاجِدِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائي والدارمي وابن ماجة)

حواله: ابوداؤد شريف: ٦۴/ ١، بـاب فـي بـنـاء المسجد، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۴۹۔ نسائي شريف: ١١٢/ ١، باب المباهات في المسجد، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ٦٨٨۔ ابن ماجه شريف: ۵۴، باب تشييد المساجد، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ۷۳۹۔ دارمي: ٣٨٣/ ١، باب في تزويق المساجد، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ١۴٠٨۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے سلسلہ میں فخر کریں گے۔"

تشریح: قرب قیامت سے پہلے لوگ فخر ومباہات کے جذبے سے بلند وبالا آراستہ

ویراستہ مساجد تعمیر کریں گے، تعمیر سے انکا مقصد رضائے الٰہی نہیں ہوگا بلکہ مقصود فخر وغرور ہوگا۔

ان من اشراط الساعۃ: قیامت سے پہلے یہ بات پیش آئے گی کہ لوگ اپنی اپنی مساجد کی تعمیر کو فخر کے طور پر ذکر کریں گے، کہ ہماری مسجد پورے ملک اور پورے شہر میں سب سے اچھی ہے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ذکر کیا جاتا ہے کہ لوگ مساجد میں بیٹھ کر فخر وغرور کی باتیں کریں گے حالانکہ فخر وغرور یوں ہی حرام ہے اس پر مستزاد یہ کہ اس شنیع فعل کو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر انجام دیں گے۔ اعاذنا اللہ منہ.

مسجد کی صفائی ستھرائی کا اجر

﴿۲۶۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُوْرُ أُمَّتِيْ حَتّٰى الْقَذَاةِ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ أُمَّتِيْ فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔ (رواه الترمذی وابو داؤد)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۹، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۱۴۔ ابو داؤد شریف: ۱/۶۶، باب فی کنس المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۶۱۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ میری امت کے ثواب مجھے دکھلائے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا کرکٹ بھی دکھایا گیا جس کو آدمی مسجد سے باہر نکالتا ہے، اور میری امت کے گناہ بھی دکھائے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ ایک شخص نے قرآن کریم کی کوئی

سورت یا آیت یاد کی پھر اس کو بھول گیا۔

تشریح: اس حدیث شریف میں امت کے اچھے عمل اور ایک برے عمل کا تذکرہ ہے، اچھا عمل تو مسجد کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا ہے جو یہ کام کرتا ہے اجر عظیم کا مستحق ہوتا ہے، اور برا فعل قرآن کریم یا اس کا کچھ حصہ یاد کر کے بھول جانا ہے جو شخص لاپرواہی کے نتیجہ میں قرآن کریم بھولے گا سخت گناہ گار ہوگا۔

عرضت علی الخ: غالب یہ ہے کہ یہ دکھانا اور پیش کیا جانا لیلۃ المعراج میں ہوا تھا۔

اجور امتی: امت کے اعمال کا ثواب دکھایا گیا۔

حتی القذاۃ: مسجد کے اندر سے کوڑا کرکٹ اٹھا کر باہر ڈالدیا تو اس کا ثواب بھی دکھایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ مسجد کی صفائی ستھرائی کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، اور مسجد کی صفائی ستھرائی کا پورا اہتمام کرنا چاہئے۔

فلم ارَ ذنبا: یعنی نسیان کی وجہ سے جو گناہ شمار ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا گناہ قرآن کریم کا بھلا دینا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صغیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ قرآن کریم کا بھول جانا ہے، لیکن یہ تشریح اس وقت ہے جب قرآن کریم کی عظمت میں کوئی فرق نہ آیا ہو، اگر استخفافاً فراموش کر دیا ہے تب تو یہ گناہ کبیرہ بلکہ اشد کبائر میں سے ہوگا۔

اشکال مع جواب

اشکال: نسیان تو معاف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: "عفی عن امتی الخطأ والنسیان" پھر حدیث باب میں نسیان کو گناہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب: یہاں مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے جان بوجھ کر قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے جس کے

نتیجے میں بھول گیا تو ایسا بھولنا چونکہ اختیار سے ہے اس وجہ سے اسکو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

نسیان قرآن کا حکم

اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو رہا ہے کہ نسیان آیت کیسا ہے، منہل میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ البتہ امام مالک کے نزدیک "**ما تصح به الصلوٰة**" سے زائد یاد کرنا مستحب ہے ابتداءً بھی اور دواماً بھی، لہٰذا اس کا نسیان ان کے یہاں صرف مکروہ ہے۔ (الدر المنضود: ٢/٦٦)

تنبیه: قرآن کریم میں نسیان پر وعید اس وقت ہے جب کہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو، (بذل المجہود)(فتاویٰ محمودیہ: ٧/١٨٥)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس خوش نصیب بندہ کو اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی ہو اس کو چاہئے کہ اس کی بہت قدر کرے، برابر تلاوت کا معمول رکھے، غفلت نہ برتے۔

تاریکی میں مسجد آنے والوں کے لئے بشارت

﴿٦٦٨﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواه الترمذی وابو داؤد) وَرَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَاَنَسٍ۔

حواله: ترمذی شریف: ١/٥٣، باب فضل العشاء والفجر فی

الجماعة، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۲۲۳۔ابوداؤد شریف:۸۳/ ۱، باب ماجاء في المشي الى الصلوة في الظلام، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۵۶۱۔ابن ماجه شريف:٥٦، باب المشي الى الصلوة، كتاب المساجد والجماعات.

ترجمه: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''تاریکی میں چل کر مسجد آنے والوں کو یہ خوشخبری سنادو کہ بروز قیامت انہیں نور کامل ملے گا۔(ترمذی، ابوداؤ)اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت سہل بن سعداور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں مسجد آنے والوں کوخوشخبری سنانے کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ جو تاریکی میں دشواریاں اٹھا کر مسجد آتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کو اپنے فضل سے نور کامل سے نوازے گا۔

بشر المشائين: ممکن ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوملا ہو اگر ایسا ہے تو پھر یہ حدیث قدسی ہوگی۔(العرف الشذی)

تاریکی میں مسجد کی طرف آنے والوں کونور کامل کی بشارت ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال کی جزا میں کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تاریکی میں چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ قیامت میں نور کامل سے نوازیں گے، یہ درحقیقت قرآن کریم کی آیت:''نورهم يسعىٰ بين ايديهم و ايمانهم يقولون ربنا اتمم لنا نورنا'' کی طرف اشارہ ہے۔[قیامت کے دن ایمان والوں کا نوران کے آگے ان کے داہنے دوڑ رہا ہوگا اور وہ یوں دعا گو ہوں گے اے ہمارے رب! اس نور کو ہمارے لئے کامل فرمادیجئے۔]یعنی آخیر تک رکھئے۔

فائده: مطلب یہ ہے کہ تاریکی واندھیرے کی وجہ سے مسجد میں جانے میں سستی نہیں کرنا

چاہئے، بلکہ تکلیف ومشقت برداشت کر کے مسجد پہونچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ فقط

مسجد کا خیال رکھنا ایمان کی دلیل ہے

﴿۲۲۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۰، باب ماجاء فی حرمۃ الصلوۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۱۷۔ ابن ماجہ شریف: ۵۸، باب لزوم المساجد وانتظار الصلوۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۸۰۲۔ دارمی: ۱/۳۰۲، باب المحافظۃ علی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۲۲۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تم کسی شخص کو مسجد کا بہت خیال کرتے ہوئے دیکھو تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انما یعمر مساجد اللہ الخ" مسجدوں کو تو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مسجد کی دیکھ ریکھ کرتا ہے اس کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھتا ہے اس میں عبادت اور ذکر کا اہتمام کرتا ہے تو ایسا شخص سچا مومن ہے اس کے مومن ہونے کی گواہی دینا چاہئے۔

یتعاھد المسجد: ''تعاھد'' کے دو معنی ہیں۔

(۱)...... مسجد کی خدمت اور اس کی تعمیر کرنا۔

(۲)...... نماز و جماعت قائم کرنے کے لئے مسجد آنا، یہی دوسرے معنی تعاہد کے حقیقی ہیں، تعمیر ظاہری شکل ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: اس حدیث میں مذکورہ بالا وصف کے حامل شخص کے بارے میں ایمان کی گواہی دینے کا حکم ہے، جب کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک انصاری بچہ کے انتقال پر کہا: ''**طوبیٰ لعصفور من عصافیر الجنة**'' [مبارک ہو کہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے] تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قول کو ناپسند کیا اور اس سے منع فرمایا، دونوں میں بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے۔

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یقینی طور پر اس بچے کے جنت میں جانے کا گمان رکھنے سے منع کیا تھا اور یہاں ظن غالب کے طور پر ایمان کی گواہی دی جائے گی، قطعی اور یقینی گواہی نہیں دی جائے گی، لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۰۷)

فائدہ: معلوم ہوا کہ مسجد کی صفائی ستھرائی اور ہر ضرورت کا خیال رکھنا چاہئے۔

مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت

﴿۶۷۰﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنْ لَنَا فِي الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصىٰ وَلَا اخْتَصىٰ اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِيْ الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ فَقَالَ اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِيْ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِيْ الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ۔ (رواه في شرح السنة)

حواله: شرح السنة: ۲/۳۷۰، باب فضل القعود في المسجد، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۸۴۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے خصی ہونے کی اجازت دے دیجئے، اللہ کے رسول حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی کو خصی کیا یا خود خصی ہوا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے، میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزہ رکھا جائے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم کو سیاحت کی اجازت دے دیجئے، اللہ کے نبی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کی رہبانیت مساجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا ہے۔

تشریح: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں، ان کو اصحاب صفہ کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا تاکہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کے لئے خصی ہونے کی اجازت حاصل کرلیں کیونکہ ان کو عورتوں کی خواہش ہوتی تھی اور شادی وغیرہ کرنا ان کے

بس میں تھا نہیں۔

خصی ہونا

یارسول اللّٰہ! ائذن لنا فی الاختصاء: اے اللہ کے رسول! ہمیں خصیہ نکالنے کی اجازت عطا فرما دیجئے تاکہ ہم سے شہوت زائل ہو جائے یہی شہوت ہے جو آدمیوں کو بہت سی بھلائیوں سے روک دیتی ہے اور بہت سی پریشانیوں اور تکلیفوں سے دوچار کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے:"ضاع العلم فی افخاذ النساء" [عورتوں کی رانوں میں علم ضائع ہو گیا،] یعنی جو شخص عورتوں کے چکر میں پڑ گیا علم سے اسکی شناشائی ختم سمجھو۔

لیس منا: یعنی جو شخص خود خصی ہو یا اس نے دوسروں کو خصی کیا ہو ہم میں سے نہیں ہے، یعنی وہ ہمارے طریقہ کو اختیار کرنے اور ہماری راہ کی پیروی کرنے والا نہیں ہے، اسی حکم میں دائمی طور پر نسل کشی والی دواؤں کو کھانا اور کھلانا بھی ہے، یعنی یہ بھی حرام ہے۔

ان خصاء امتی: جو شخص اپنی شہوت کو توڑنا چاہے وہ روزہ رکھے: یہ بہت عمدہ علاج ہے اس صورت میں انسان اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اور رضاء الٰہی کا سبب بھی ہے اسی معنی میں یہ حدیث بھی ہے:"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء" [اے جوانوں کی جماعت تم میں سے جو لوگ شادی کی طاقت رکھتے ہیں وہ شادی کر لیں اور جو طاقت نہیں رکھتے ہیں وہ روزہ رکھیں اس وجہ سے کہ روزہ شہوت کو ختم کرنے والا ہے۔]

سیاحت کا حکم

ائذن لنا فی السیاحۃ: حضرت عثمان بن مظعون نے سیاحت کی

اجازت مانگی، ''سیاحت'' کہتے ہیں کہ شہروں کو چھوڑ کر نکل جانا، بنی اسرائیل کے عابدین ایسا کرتے تھے، تحصیل علوم یا بزرگان دین کی زیارت کی غرض سے سیاحت کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے اور مستحسن ہے، لیکن سب سے افضل سیاحت جہاد کی غرض سے ہوتی ہے، اسی کا حدیث میں ذکر ہے، یہ ایسی عبادت ہے جو نفس کے لئے دشوار بھی ہے اور اس کا فائدہ بھی بہت دور رس ہے، جہاد میں جہاد اصغر و اکبر دونوں شامل ہیں۔

رہبانیت اختیار کرنا

ائذن لنا في الترهب: یعنی لوگوں سے کنارہ کش ہوکر پہاڑوں وغیرہ پر چلے جانا جیسا کہ بنی اسرائیل کے عابدین کرتے تھے، ''رہب'' کے اصل معنی تو ڈرنے کے ہیں، مقصد یہ ہے کہ دنیوی سارے علائق سے الگ ہوکر خلوت اختیار کرنا جائز امور سے بھی منہ موڑ کر نفس کو شدید مشقت میں ڈالنا۔

بنی اسرائیل کے راہب تو اپنے کو خصی کر کے گلے میں طوق ڈالے رہتے تھے، ہماری شریعت میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت تو مساجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا ہے، یہ چیز فضائل کے اضافہ کے ساتھ ترہب کے فوائد کو بھی شامل ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۰۸)

فائدہ: مسجد میں نماز کے انتظار میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی محبت کی زیادتی کا ذریعہ ہے، گناہوں سے، دنیا کے فتنہ وفساد سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

گناہوں کو مٹانے اور درجات کو بلند کرنے والے اعمال

﴿۶۷۱﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّىْ عَزَّ وَجَلَّ فِىْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَافِى السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَكَذٰلِكَ نُرِيْهِ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ (رواه الدارمی) وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوَهٗ عَنْهُ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِىْ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى قُلْتُ نَعَمْ فِى الْكَفَّارَاتِ وَالْكَفَّارَاتُ الْمَكْثُ فِى الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْىُ عَلَى الْاَقْدَامِ اِلَى الْجَمَاعَاتِ وَاِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِى الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ فَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِىْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَلَفْظُ هٰذَا الْحَدِيْثِ كَمَا فِى الْمَصَابِيْحِ لَمْ اَجِدْهُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِلَّا فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

حواله: دارمی: ۱۷۰/۲، باب فی رؤیة الرب تعالیٰ فی النوم، کتاب الرؤیا، حدیث نمبر:۲۱۴۹،ترمذی شریف: ۱۵۹/۲، باب ومن سورة "ص" کتاب تفسیر القرآن. حدیث نمبر:۳۲۳۳۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو نہایت

اچھی صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اوپر والے کس چیز میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے کہا آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی، پھر میں آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اس سے واقف ہوگیا اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: "وکذلک نری ابراھیم الخ" اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان وزمین کے تصرفات دکھائے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والے ہوجائیں۔
دارمی نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے، ترمذی نے بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عائش سے بھی تقریباً یہی الفاظ نقل کئے، اور ابن عباس و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے بھی روایت نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں، ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اے محمد! آپ کو معلوم ہے کہ اوپر والے کس چیز میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے کہا جی ہاں وہ کفارات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور کفارات میں نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا ہے، جماعت میں شریک ہونے والے کیلئے پیدل آنا ہے، ناگواری کی حالت میں وضو کو مکمل کرنا ہے جس نے یہ کام کیا وہ بھلائی پر جئے گا اور بھلائی پر مرے گا، اور گناہوں سے ایسا صاف ہوجائے گا جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب آپ نماز سے فارغ ہوجایا کریں تو یہ دعا پڑھیں: "اللھم انی اسألک الخ" [اے اللہ! میں بھلائیاں کرنے اور برائیاں ترک کرنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کا آپ سے سوال کرتا ہوں، اور جب آپ اپنے بندوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہیں تو مجھے فتنوں سے بچا کر مجھے اپنے پاس بلا لیجئے گا۔] پھر فرمایا: وہ اعمال کہ جن کے ذریعہ سے درجات بڑھ جاتے ہیں یہ ہیں: سلام کو پھیلانا، مسکین کو کھانا کھلانا، اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں، اور حدیث کے یہ الفاظ جیسے کہ مصابیح میں ہیں میں نے عبدالرحمٰن کی روایت سے شرح السنہ کے سوا کسی اور

کتاب میں نہیں پایا۔

تشریح: رأیت ربی عز وجل فی احسن صورة: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے، یا تو خواب میں دیکھنا مراد ہے یا بیداری میں، اگر خواب میں دیکھنا مراد ہے تو اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "**عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال احتبس علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الغدوۃ حتی کادت الشمس تطلع فلما صلی الغداۃ قال انی صلیت اللیل ما قضی ربی ووضعت جنبی فی المسجد فاتانی ربی فی احسن صورۃ**"

اور اگر بیداری میں دیکھنا مراد ہے تو اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے: "**فنعست فی صلاتی حتی استیقظت فاذا انا بربی عزو جل فی احسن صورۃ**" سلف صالحین کی اس جیسی احادیث کے بارے میں یہ رائے ہے کہ ان کے ظاہر پر ایمان لایا جائے اور ان کی کیفیت کی تحقیق میں پڑنے سے بچا جائے۔

فی احسن صورة: اس کے دو مفہوم ہیں:

(۱)......اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ کی صفت وشان کو بتانا مقصود ہے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہے اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اس وقت میں بہت اچھی حالت میں تھا۔

فیما یختصم الملأ الأعلی: فرشتے ایک دوسرے سے اس طرح بات کرتے ہیں جیسے دو فریق کسی مسئلہ میں بحث وتکرار کرتے ہیں اسی کو جھگڑا سے تعبیر کیا ہے۔

فوضع کفہ بین کتفی: اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے

درمیان اپنی ہتھیلی رکھی اس پر بھی ایمان لایا جائے گا اس کی کیفیت کی تحقیق میں نہیں پڑا جائیگا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجازی معنی مراد ہے: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر لطف وعنایت کی مزید بارش کی۔

فوجدت بردها بین ثدیی: یہ بھی کنایہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خصوصی کرم فرمایا تو اسکے اثر سے میرے علم ومعارف کے دروازے کھل گئے۔

نعم فی الکفارات: یعنی جن چیزوں کو فرشتے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں وہ اعمال ہیں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں یعنی جن سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس کے بعد ان تین اعمال کا تذکرہ کیا ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ بنتے ہیں:

(۱)......نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا یا اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا، یا مخلوق سے بچ کر اللہ کی یاد میں لگنے کے ارادہ سے بیٹھنا۔

(۲)...... جماعت کی ادائیگی کے لئے تواضع وانکساری کی بناء پر پیدل آنا۔

(۳)......جاڑے کی شدت یا کسی اور بناء پر وضو کرنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے اس کے باوجود مکمل طور سے وضو کرنا۔

وکان من خطیئته: مذکورہ بالا اوصاف کا حامل شخص گناہ صغیرہ سے مکمل طور سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

قال والدرجات: تین چیزوں کا ذکر ہے جن کے اختیار سے آدمی عنداللہ وعندالناس محبوب ومقبول ہو جاتا ہے۔

(۱)......آشنا ونا آشنا ہر طرح کے مسلمان کو سلام کرنا۔

(۲)......خاص وعام ہر طرح کی مخلوق کو کھانا کھلانا۔

(۳)...... جب لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں اس وقت ریا کاری وشہرت کی آمیزش سے پاک صاف ہو کر نماز پڑھنا۔

تین لوگوں کا اللہ ضامن ہے

﴿۶۷۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ کُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰهِ حَتّٰی یَتَوَفَّاهُ فَیُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ اَوْ یَرُدُّهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَةٍ وَرَجُلٌ رَاحَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَیْتَهٗ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۷/۳۳۶، باب فی رکوب البحر والغزو، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۴۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کا ذمہ لیا ہے: (۱) وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے ارادہ سے نکلا تو اس کے سلسلہ میں اللہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کو یا تو وفات دیکر جنت میں داخل فرمائیں گے، یا پھر اجر وثواب کے ساتھ یا مال غنیمت کے ساتھ اس کو لوٹائیں گے۔ (۲) وہ شخص جو مسجد کی طرف چلا اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (۳) وہ شخص جو سلام کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا اس کی ذمہ داری بھی اللہ پر ہے۔

تشریح: تین طرح کے لوگ ہیں جن کواللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں تکلیفوں اور پریشانیوں کا شکار ہونے سے محفوظ کردیا ہے وہ تین لوگ یہ ہیں: (۱) مجاہد۔ (۲) مسجد میں پابندی سے حاضر ہونے والا۔ (۳) جو شخص سلام کرکے اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے۔

ثلاثة کلھم ضامن علی اللہ: تین طرح کے لوگ ہیں کہ ان میں سے ہرایک کی اللہ حفاظت کرتا ہے۔ 'ضامن' مضمون کے معنی میں ہے، یاذو ضمان کے معنی میں ہے۔

رجل خرج غازیا: جہاد میں جو نکلے گا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو میں سے کسی ایک بات کی ذمہ داری ہے۔

(۱)...... یا تو اس کی روح قبض ہوگی، خواہ موت کے ذریعہ سے ہو یا قتل کے ذریعہ سے، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

(۲)...... یا وہ گھر واپس ہوگا اور اللہ کا وعدہ ہے کہ خالی ہاتھ گھر واپس نہیں آئے گا، یا مال غنیمت لے کر آئے گا یا اجر وثواب کا مستحق ہوکر آئے گا۔

ورجل راح الی المسجد: جو شخص پابندی کے ساتھ مسجد آتا جاتا رہتا ہے، وہ بھی اللہ کے زیرِ ضمان ہے اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کو اجر وثواب عنایت فرماتے رہیں گے، اور مرنے کے بعد جنت عطا فرمائیں گے۔

ورجل دخل بیتہ بسلام: جو شخص اپنے گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے زیرِ ضمان ہے، سلام کے ساتھ گھر میں داخل ہونے کے دو معنی ہیں۔

(۱)...... جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے، قرآن کریم میں اس کی تعلیم یوں ہے: "فان دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم تحیة من عند اللہ مبارکة طیبة" اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "ادخلوھا بسلام آمنین" ایک موقع پر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اذا دخلت علی اھلک فسلم برکۃ علیک وعلی اھل بیتک'' اگر کوئی قرآن وحدیث کے اس تعلیم پر عمل کرتا ہے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے گھر میں خیر وبرکت نازل فرمائے گا۔

(۲)......سلام کے ساتھ گھر میں داخل ہونے کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ فتنہ وفساد کے وقت برے لوگوں کی صحبت سے بچ کر امن وعافیت کے ساتھ گھر میں سکونت اختیار کرے جو شخص ایسا کرے گا اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کو فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

باوضو مسجد جانے کی فضیلت

﴿٦٧٣﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلٰى اِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۲٦۸، ابوداؤد شریف: ۸۲/۱، باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۵۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے تو اس کو ایسے ہی ثواب ملتا ہے جس طرح احرام باندھ کر حج کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، اور

جوشخص چاشت کی نفل نماز پڑھنے کے لئے نکلا اور اس کو نماز ہی کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کی طرح ہے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طور پر پڑھنا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لغو کام نہ ہوا ہو ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔

تشریح: جب تک حج وعمرہ کرنے والے گھر واپس نہیں آجاتے اس وقت تک ان کے ہر قدم پر ثواب لکھا جاتا ہے اسی طرح جو شخص گھر سے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے جاتا ہے یا چاشت کی نماز پڑھنے کے لئے جاتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ایسے لوگوں کے لئے بھی ہر قدم پر اس وقت تک ثواب لکھا جاتا ہے جب تک کہ وہ گھر واپس نہیں آجاتے، اسی طرح اگر کوئی شخص دو نمازوں کے بیچ میں کسی قسم کی لغو بات نہیں کرتا ہے تو وہ بہت افضل عمل ہے اس کی بنا پر یہ شخص بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق بنتا ہے۔

من خرج من بیته متطهرا: نماز پڑھنے کے ارادہ سے جو شخص گھر سے نکلتا ہے اس کو حج کرنے والے کی طرح اجر ملتا ہے، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱)...... نماز کے لئے گھر ہی سے وضو کر کے جانا افضل ہے۔

(۲)...... مذکورہ بالا شخص کو حج کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اس کی ایک توجیہ تو گذر چکی ہے، دوسری توجیہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو اجر مضاعف جو کہ فضل خداوندی سے ملتا ہے، حج کے اجر حقیقی کے برابر ہوتا ہے۔

ومن خرج الی تسبیح الخ: اس سے چاشت کی نماز کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس کا ثواب عمرہ کے برابر ہے، یہاں بھی وہی توجیہ ہے جو ماقبل میں گذر چکی ہے، فرض نماز پڑھنے والے کو حج کا ثواب اور چاشت کی نماز جو کہ نفل یا سنت ہے اس کے پڑھنے والے کو عمرہ کا ثواب ملنے کا تذکرہ ہے۔

جو نسبت فرض نماز اور چاشت نماز کے درمیان ہے وہی نسبت عمرہ اور حج کے درمیان

ہے، حاصل یہ نکلا کہ عمرہ سنت ہے۔

وصلاة على اثر صلاة: ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح ادا کی گئی کہ اسکے درمیان کوئی لغو فعل یا بات نہیں کی تو ایسی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں بے حد مقبول ہے۔

عليين: علیین سے مراد اعمال خیر کا رجسٹر ہے جس میں صلحاء واتقیاء کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔

مسجدیں جنتی باغ ہیں

﴿۶۷۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا. قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ الْمَسَاجِدُ. قِیْلَ وَمَا الرَّتْعُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱۹۱، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۳۵۰۹۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ تم جب جنت کے باغوں سے گذرا کرو تو میوے کھایا کرو، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! جنت کے باغ کیا ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجدیں۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! میوے کھانا کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ پڑھنا۔

تشریح: مساجد میں عبادت کرنے سے جنت کے باغات حاصل ہوتے ہیں اور جو شخص مسجد میں داخل ہو یا اس کے پاس سے گذرے تو اس کو کثرت سے ذکر کرنا چاہئے، اس سے اجر عظیم کا مستحق ہوگا، باغات سے پھل کھانے کا حاصل یہی ہے۔

اذا مررتم: جب تم مسجد کے پاس سے گذرو تو خاموشی کے ساتھ مت گذرو بلکہ ذکر کرتے ہوئے گذرو، ذکر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے اور اگر کوئی شخص دونوں کو جمع کرلے تو یہ نور علی نور ہے۔

ما ریاض الجنۃ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مساجد جنت کے باغات ہیں، ایک روایت میں اسی سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "حلق الذکر" یعنی ذکر کے حلقے جنت کے باغات ہیں، دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ذکر کے حلقے مسجد میں ہی لگتے ہیں لہٰذا حدیث باب خاص ہوگی۔ اور "حلق الذکر" والی حدیث عام ہوگی۔

وما الرتع: "رتع" کا حقیقی مفہوم ہے باغ سے میوے اور پھل وغیرہ کھانا، حدیث میں "رتـــع" کے مفہوم کو وسعت عطا کی گئی ہے چنانچہ یہاں اجر جمیل اور ثواب کا حاصل کرنے کے معنی ہیں، مساجد کا "رتـــع" ذکر اللہ ہے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص وقت مکروہ میں مسجد آئے اور وہ حدیث میں مذکور کلمات پڑھے تو اس کو تحیۃ المسجد کا ثواب ملے گا، یہیں سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ "رتـــع" مذکورہ کلمات میں منحصر نہیں ہے، چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: "وما الارتیاع یا رسول اللہ!؟" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الدعاء والرغبۃ الی اللہ عز وجل" (مرقاۃ: ٢/٢١٤)

مسجد میں اچھی نیت سے جانا چاہئے

﴿۶۷۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۶۸/۱، باب فی فضل القعود فی المسجد، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص مسجد میں جس غرض سے آئے گا اس کو اسی کے مطابق حصہ ملے گا۔

تشریح: اگر کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے، ذکرواذکار کرنے یا کسی اور دینی غرض سے آئے گا تو اس کو ثواب ملے گا اور کوئی شخص اپنی کسی دنیوی غرض سے آئے گا تو اس کو بجائے ثواب کے گناہ ملے گا۔

من اتی المسجد لشئی فهو حظه: جو شخص مسجد میں کسی دینی غرض سے آئے گا تو جتنی دیر عبادت کریگا اس کا ثواب تو اس کو ملے گا ہی اس کے علاوہ جتنی دیر عبادت نہیں کریگا، صرف مسجد میں ٹھہرا رہے گا تو یہ بھی اجر وثواب کا باعث ہوگا اس کے علاوہ اگر کوئی شخص دوستوں سے بات چیت کرنے کی غرض سے یا کسی اور دنیوی کام کے لئے مسجد آتا ہے تو چونکہ مسجد ان کاموں کے لئے تعمیر نہیں ہوتی ہے اس وجہ سے ایسے امور مسجد میں انجام دینا گناہ ہے، تو جتنی دیر وہ شخص مسجد میں اپنا دنیوی کام کرے گا اس وقت تک گناہ عمل کی وجہ سے ملے گا اور جتنی دیر اس غرض سے قیام رہے گا اس کا گناہ بھی لکھا جائے گا گویا اس حدیث میں مسجد آنے والے شخص کو تصحیح نیت کی ترغیب مقصود ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا

﴿٦٧٦﴾ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ۔ (رواہ الترمذی واحمد وابن ماجۃ) وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا إِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدَلَ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْهُ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۷۱، باب مایقول عند دخول المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۱۴۔مسند احمد: ۶/۲۸۲، ابن ماجہ شریف: ۵۶، باب الدعاء عند دخول المسجد، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۷۷۱۔

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت حسین اپنی دادی فاطمہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے: "صلی علی محمد وسلم" [محمد پر درود وسلام ہو] اور کہتے "رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک" [میرے رب میرے گناہوں کو بخش دیجئے، اور میرے لئے اپنے رحمت کے دروازے کھول دیجئے] اور مسجد سے باہر نکلتے تو

کہتے "صلی علی محمد وسلم" [اے اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام ہو] اور کہتے "رب اغفرلی الخ" [اے اللہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے، اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے۔] (ترمذی، احمد، ابن ماجہ) اور ترمذی، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا جب آپ مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب نکلتے تو کہتے: "بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ" [اللہ کے نام کے ساتھ اور سلامتی ہو اللہ کے رسول پر] "صلی علی محمد وسلم" کی جگہ پر۔ ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے، فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبریٰ کا زمانہ نہیں پایا۔

تشریح: اذا دخل المسجد صلی علی محمد: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درود سلام کے وقت اپنا نام لیتے تھے درود کے معنی ہیں بے پایاں رحمت اور سلام کے معنی سلامتی کے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا اپنے اوپر درود پڑھنا

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہونے کے بعد درود بھیجتے تھے۔ اپنے اوپر نام لیکر درود بھیجنے کی حکمت امت کو تعلیم دینا تو ہے ہی اسی کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خود درود وسلام کے ذریعہ اپنی تعظیم کرنے کا ویسا ہی حکم ملا تھا، جیسا کہ دیگر مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے۔

وقال رب: گذشتہ روایت میں "اللّٰھم" کے الفاظ ہیں دونوں طرح کا دعا کرنا مسنون ہے۔

رحمت وفضل کا فرق

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہونے کے وقت رحمت کا اور نکلنے

کے وقت فضل کا سوال کیا ہے، حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی توجیہ یہ ذکر کی ہے کہ رحمت سے مراد اخروی نعمت ہے اور فضل سے مراد دنیوی نعمت ہے، یعنی رزق ہے، صاحب مرقات اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ جب انسان مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور عبادت سے اللہ کی رحمت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ان رحمة الله قريب من المحسنين'' لہٰذا اسی رحمت کو حاصل کرنے کی دعا کی جارہی ہے اور جب آدمی مسجد سے باہر نکلتا ہے تو دنیوی امور میں مشغول ہوتا ہے اس وجہ سے نکلتے وقت فضل یعنی رزق کی دعا کی جارہی ہے، فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبریٰ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا ہے کیونکہ فاطمہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بچپن میں ان کی شادی سے پہلے ہی ہو گیا تھا تو فاطمہ صغریٰ کی فاطمہ کبریٰ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کا کوئی سوال ہی نہیں اور جب ملاقات ممکن نہیں تو ان سے روایت سننا بھی ممکن نہیں، لہٰذا کہا جائے گا یہ حدیث منقطع ہے اور دونوں کے بیچ کا راوی موجود نہیں ہے۔

مسجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت

﴿۶۷۷﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ فِى الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِى الْمَسْجِدِ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۴۵، باب التحلق یوم الجمعة قبل

الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۰۸۹۔ترمذی شریف: ۷۳/۱، باب کراھیة البیع والاشتراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۲۲۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور اس میں خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ جمعہ کے دن لوگ جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند باتوں سے منع فرمایا ہے:

(۱)...... مسجد میں مشاعرہ کرنا، بیت بازی کرنا یا لغو اشعار پڑھنا ممنوع ہے۔

(۲)...... مسجد میں خرید وفروخت کرنا اسی طرح دوسرے دنیوی امور انجام دینا منع ہے۔

(۳)...... مسجد میں جمعہ سے قبل حلقہ بنا کر بیٹھنا ممنوع ہے۔

مسجد میں اشعار کا حکم

اعتراض: یہ حدیث شریف اس حدیث شریف کے معارض ہے جس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں اشعار پڑھنا منقول ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت منقول ہے: ''کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینصب لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ ویھجو الکفار'' [حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے منبر بنایا تھا جس پر کھڑے ہوکر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اشعار کے ذریعہ کفار کی ہجو کرتے

تھے۔] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار سن کر خوش ہوتے تھے، کیونکہ اس میں دشمنان دین کا منہ توڑ جواب ہوتا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت حسان کے اشعار سن کر ان کی تائید کرتے ہیں۔

نسائی شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر مسجد نبوی کے پاس سے ہوا انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں اشعار پڑھتے ہوئے سنا تو ان پر خفگی نگاہ ڈالی، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**قد انشدت وفیہ خیر منک**'' میں اشعار مسجد میں اس ذات کی موجودگی میں پڑھتا تھا جو آپ سے بہتر تھی۔] (یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں اشعار پڑھتا تھا) حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''**اجب عنی اللھم ایدہ بروح القدس**'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''**اللھم نعم**'' ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھنا درست ہے، جب کہ حدیث باب میں ممانعت ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اس وجہ سے کہ اگر شعر حمد وثنا سے متعلق ہے تو اس کا مسجد میں پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور اگر اشعار لغو کلام پر مشتمل ہیں تو ان کا پڑھنا ممنوع ہے اس کی وضاحت ''**التعلیق الصبیح**'' میں یوں ہے کہ وہ اشعار جو فخر وغرور اور استلذاذ نفس سے متعلق ہیں ان کا مسجد میں پڑھنا مذموم ہے اور جو اشعار حق اور اہل حق کی تعریف اور باطل واہل باطل کی مذمت سے متعلق ہوں تو ان کو پڑھنے میں کوئی

حرج نہیں ہے۔(التعلیق الصبیح: ۳۲۳/ ۱)

عمدۃ القاری میں ہے:"ان شعر الحق لایحرم فی المسجد" [حق سے متعلق اشعار کا مسجد میں پڑھنا حرام نہیں ہے۔] (عمدۃ القاری: ۲/۴۰۴)

مسجد میں بیع وشراء

ومن البیع و الاشتراء: مسجد کی تعمیر کا مقصد نماز، تلاوت، ذکر واذکار ہے، لہٰذا مسجد میں خرید وفروخت کرنا مسجد کی تعمیر کے مقصد کے خلاف ہے، لہٰذا مسجد میں ان امور کا انجام دینا مکروہ ہے جو شخص مسجد میں معتکف ہے اس کے لئے مسجد میں بیٹھ کر خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ جب ہے جب کہ مبیع مسجد میں نہ لائی جائے۔ "جوز الفقهاء البیع و الشراء فی المسجد للمعتکف من غیر ان یحضر المبیع" (معارف السنن: ۲/۲۱۳)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت نفس مبیع وشراء میں نہیں ہے بلکہ کثرت بیع وشراء میں ہے اگر ایک دوآدمی نے کوئی چیز خرید لیا تو کوئی حرج نہیں اسی طرح ایک دوآدمی نے کوئی دوسرا کام مسجد میں کرلیا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسجد میں بیٹھ کر اپنا جوتا درست کرنا ثابت ہے، اور اس کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تھا، چنانچہ ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ولکنه خاصف النعل فی المسجد" لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ نفس عمل مسجد میں ممنوع نہیں، کثرت عمل ممنوع ہے۔

مسجد میں حلقے لگانا

و ان یتحلق الناس یوم الجمعة قبل الصلوة فی

المسجد: جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حلقہ لگا کر بیٹھنا بھی مکروہ ہوگا جب کہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں نہی کی علت خطبہ میں رکاوٹ کا پیدا ہونا ہے ایسی صورت میں نہی صرف خطبہ کے ساتھ مخصوص ہوگی اور یہی زیادہ بہتر ہے، اور اگر لوگوں کو حلقہ لگا کر بیٹھنے کی اجازت دیدی جائے تو اس سے قطع صفوف لازم آئے گا، "قبل الصلوۃ" کی قید سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے بعد حلقہ لگا کر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ''یوم جمعہ'' کی قید سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے علاوہ دوسرے ایام میں حلقہ لگایا جا سکتا ہے، اس موقعہ پر بھی امام طحاویؒ فرماتے ہیں: نفس حلقہ لگانے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ کثرت سے حلقہ لگانے کی ممانعت ہے۔

مسجد میں خرید وفروخت اور اعلان گمشدہ

﴿٦٧٨﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّبِيْعُ اَوْ يَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّنْشُدُ فِيْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ۔ (رواه الترمذی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۴۶، باب ماجاء فی حرمة الصلوۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۶۱۷۔ دارمی: ۱/۳۰۲، باب المحافظة علی الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۲۲۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں بیچتے یا خریدتے دیکھو تو یوں کہو اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم کسی شخص کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان

کرتے دیکھوتو یوں کہو اللہ کرے تمہاری چیز تم کو نہ ملے۔

تشریح: اذا رأیتم من یبیع: مسجد میں خرید وفروخت ممنوع ہے اس کی صراحت گذشتہ حدیث میں کردی گئی ہے دیکھ لیا جائے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ گمشدہ چیزوں کے اعلان کی دو صورتیں ہیں:

(۱)...... کوئی چیز گم باہر ہوئی ہے لیکن مسجد میں مجمع کثرت کی بناپر مسجد میں اعلان کرتا ہے تو یہ بہت قبیح وشنیع فعل ہے۔

(۲)...... مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی اسی کا اعلان بغیر شور وشغب کے کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کا حکم

سوال: لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: لاؤڈ اسپیکر اور اس کا ہارن اگر دونوں مسجد کے باہر ہیں تو اعلان کرنا درست ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک چیز اندر ہے تو پھر درست نہیں ہے۔

مسجد میں حدود قائم کرنا

﴿۶۷۹﴾ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُسْتَقَادَ فِي الْمَسْجِدِ وَاَنْ يُنْشَدَ فِيْهِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِيْهِ الْحُدُوْدُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ فِيْ سُنَنِهٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِيْهِ عَنْ حَكِيْمٍ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرٍ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۲/۶۱۷، باب اقامة الحد في المساجد،

کتاب الحدود، حدیث نمبر:۴۴۹۰۔مصابیح السنۃ:۱/۲۹۷، باب المساجد ومواضع الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۲۰۔

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے، اشعار پڑھنے اور اس میں حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابو داؤد شریف نے اس کو اپنی سنن میں نقل کیا، صاحب جامع الاصول نے بھی اپنی کتاب میں حکیم ہی سے روایت کیا ہے اور مصابیح میں یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں تین طرح کے امور مسجد میں انجام دینے کی ممانعت ہے:

(۱)......کسی شخص کو مسجد میں قصاصاً قتل کرنا۔

(۲)......مسجد میں مذموم اشعار پڑھنا۔

(۳)......کسی بھی قسم کی حد مسجد میں قائم کرنا یہ سب امور ممنوع ہیں، چونکہ ان امور کو مسجد میں انجام دینے میں ایک طرح سے مسجد کی حرمت پامال ہوتی ہے، نیز مسجد کی تعمیر بھی ان امور کو انجام دینے کی غرض سے نہیں ہوئی۔ لہٰذا ان امور کا مسجد میں انجام دینا ممنوع ہے۔

ان یستقاد فی المسجد: اس کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خون وغیرہ سے مسجد ملوث ہو جائے گی، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مسجد میں قصاصاً کسی کو قتل کرنا یوں بھی مکروہ ہے اگرچہ مسجد خون وغیرہ سے ملوث نہ ہو۔

ان ینشد فیہ الاشعار: مسجد میں برے اشعار پڑھنا مکروہ ہے، جب کہ حق سے متعلق اشعار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

وان تقام فیہ الحدود: مسجد میں ہر طرح کی حدود قائم کرنا مکروہ ہے،

خواہ بندوں کے حقوق سے متعلق معاملات پر ہوں یا اللہ تعالیٰ کے حق سے متعلق کسی معاملہ پر ہوں اور یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے، پہلے قصاص کا ذکر ہو چکا ہے وہ خاص ہے، یہاں اب تمام حدود کی ممانعت بھی کردی، شرح السنہ میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس پر مسجد میں حد لازم کرتے تو حد قائم کرنے کے لئے اس کو مسجد سے باہر کردیتے تھے، اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کرتے تھے۔ (مرقاۃ: ۱/۲/۲۱۷)

لہسن و پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت

﴿۶۸۰﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ أَكَلَهَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ آكِلِيْهِمَا فَأَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۳۷، باب فی اکل الثوم، کتاب الاطعمۃ، حدیث نمبر: ۳۸۲۷۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں سے یعنی پیاز و لہسن سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا: کہ جو ان دونوں کو کھائے وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ اگر ان دونوں کا کھانا تمہارے لئے ضروری ہے تو ان کو پکا کر ان کی بو زائل کرلو۔

تشریح: کچی پیاز اور لہسن نہ کھانا چاہئے، کیونکہ ان کے کھانے کے بعد منہ سے

بدبو آتی ہے، اگر کوئی ان چیزوں کو کھائے تو جب تک منہ سے بدبو زائل نہ کرلے مسجد نہ آئے کیونکہ اگر بدبو کے ساتھ مسجد آئے گا تو اس سے نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوگی۔ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔

قبرستان اور حمام میں نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۶۸۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبِرَةَ وَالْحَمَّامُ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۷۲/ ۱، باب الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۱۷۔ ابوداؤد شریف: ۷۰/ ۱، باب فی المواضع التی لاتجوز فیها الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۹۲۔ دارمی: ۳۷۵/ ۱، باب الارض کلها طهور ما خلا المقبرة والحمام، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۳۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ساری زمین سوائے قبرستان اور حمام کے مسجد ہے۔

تشریح: الا المقبرة: قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، شارح مدیہ نے کہا ہے: ”فتاویٰ“ میں ہے کہ قبرستان میں اس وقت نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ قبرستان میں کوئی جگہ نماز کی ادائیگی کے لئے تیار کی گئی ہو، اور اس میں کوئی قبر نہ ہو۔ تفصیل پہلے گذر چکی۔

سات جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۶۸۲﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُصَلّٰی فِیْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِی الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِی الْحَمَّامِ وَفِیْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۸۱/۱، باب کراهية مايصلی اليه وفيه، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۴۶۔ابن ماجه شریف: ۵۴، باب المواضع التی تکره فيها الصلوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۷۴۶۔

حل لغات: المزبلة، کوڑی، وہ جگہ ہے جہاں نجاست اور کوڑا ڈالا جائے۔جمع مزابل. زبل (ن) زبلاً. الزرع، کھیتی میں کھاد ڈالنا۔المجزرة مذبح، ذبح خانہ، ج مجازر جزر (ن) جزر الشیء کاٹنا،قارعة الطريق وسط راہ،معاطن معطن کی جمع ہے۔سیراب ہوکر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے: (۱) کوڑے خانہ میں۔ (۲) ذبح خانہ میں۔ (۳) قبرستان میں۔ (۴) بیچ راستہ میں۔ (۵) غسل خانہ میں۔ (۶) اونٹوں کے باڑے میں۔ (۷) خانہ کعبہ کی چھت پر۔

تشریح: حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نماز

پڑھنے کی جگہ بنائی ہے، اس حدیث میں سات جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے یہ نہی لغیرہ ہے، یعنی ممانعت دیگر عوارض کی بنا پر ہے۔

سات جگہوں میں سے دوجگہوں: (۱) قبرستان (۲) حمام کا تذکرہ گذشتہ حدیث میں ہے، ان کی وضاحت وہیں کردی گئی ہے، بقیہ پانچ چیزوں کی وضاحت یہاں کی جاتی ہے۔

المزبلۃ: جہاں گوبر اور اسی طرح کی دیگر نجاست ڈالی جاتی ہوں، وہاں نماز پڑھنا منع ہے۔

المجزرۃ: مذبح، یعنی جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں بھی نماز پڑھنا ممنوع ہے ان دونوں جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ناپاک جگہیں ہیں اور نماز پڑھنے کے لئے خوب پاک وصاف جگہ ہونا چاہئے۔

والمقبرۃ: قبرستان میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس کی وجہ گذشتہ حدیث میں دیکھیں۔

وقارعۃ الطریق: بیچ راستہ میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ راستہ پر نماز پڑھنے کی صورت میں گذرنے والوں کو تنگی میں مبتلا کرنا ہے، خود نماز پڑھنے والے کا دل منتشر ہوگا۔

وفی الحمام: غسل خانہ میں نماز پڑھنے کی کراہت کی وجہ گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے۔

وفی معاطن الابل: اونٹوں کے باڑ میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بھی نجاست رہتی ہے اس کی مؤید مسلم شریف کی حدیث ہے: "نھی عن الصلوۃ فی مبارک الابل"

اگر اونٹوں کے باڑے میں بغیر مصلی بچھائے کسی نے نماز ادا کرلی تو نماز باطل ہوگی

اور اگر مصلّٰی بچھا کر نماز ادا کی تو بھی نماز مکروہ ہے کیونکہ اونٹوں کے باڑے میں بہت سخت بدبو رہتی ہے۔(مرقاۃ:۲/۲۱۸)

وفوق ظهر بيت الله: بیت اللہ کی چھت پر بھی نماز مکروہ ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بیت اللہ کی تعظیم میں کمی ہے، جب تک کوئی اہم ضرورت پیش نہ آ جائے کعبہ کی چھت پر نہ چڑھنا چاہئے۔تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۶۸۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَاتُصَلُّوْ فِيْ اَعْطَانِ الْاِبِلِ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۸۱، باب الصلوة فی مرابض او اعطان الابل، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۴۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:”کہ بکریوں کے باڑہ میں تم نماز پڑھ سکتے ہو، لیکن اونٹوں کے تھان میں نماز مت پڑھو۔

تشريح: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ مسکین ہوتی ہیں ان سے نمازی کو تکلیف پہونچنے کا اندیشہ نہیں ہے، اس کے برخلاف اونٹوں سے تکلیف پہونچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔لہٰذا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔چونکہ وہاں خشوع وخضوع حاصل نہ ہوگا۔

قبروں پر چراغاں کی ممانعت

﴿٦٨٤﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۷۲/ ۱، باب کراهية ان يتخذ على القبور مسجدا، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۲۰۔ ابوداؤد شریف: ۴۶۱/ ۱، باب في زيارة النساء على القبور، كتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۳۲۳۶۔ نسائی شریف: ۲۸۷/ ۱، باب التغليظ في اتخاذ السرج على القبور، كتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۲۰۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے پر اور قبروں پر چراغاں روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں تین طرح کے لوگوں پر سخت لعنت کی گئی ہے:

(۱)...... قبروں کی زیارت کو جانے والی عورتیں، ان پر اللہ کی سخت لعنت ہوتی ہے۔

(۲)...... جو لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں تو یا وہ شرک جلی میں مبتلا ہیں یا پھر شرک خفی میں مبتلا ہیں، اس بناء پر اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہوتی ہے۔

(۳)...... جو لوگ قبروں پر چراغاں کرتے ہیں وہ بے مقصد اسراف کرتے ہیں اس بناء پر ان پر بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

زائرات القبور: بعض لوگ کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا، اور اس منع کا تعلق مردوں اور عورتوں دونوں سے تھا، پھر جب امت کے دلوں میں توحید کا عقیدہ مکمل طور سے راسخ ہو گیا اور شرک کی نفرت دلوں میں بیٹھ گئی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ ممانعت ختم فرمادی: "نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها" اب جب ممانعت ختم ہوئی تو مردوں اور عورتوں کے حق میں ختم ہوگئی اور حدیث باب سے عورتوں کے حق میں جو ممانعت سمجھ میں آرہی ہے وہ ممانعت رخصت سے پہلے کی ہے، یہ قول بعض لوگوں کا ہے، جو درست رائے ہے، وہ یہ ہے کہ عورتوں کے حق میں ممانعت ابھی بھی ہے، رخصت کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں کے حق میں رخصت نہیں ہے، اور عورتوں کی زیارت قبور سے اس وجہ سے منع کیا کہ ان کے اندر صبر کا مادہ کم ہوتا ہے وہ جب قبروں کو دیکھیں گی تو کثرت جزع وفزع کریں گی، اس لئے منع فرمادیا، لیکن اس حکم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مستثنیٰ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مردوں عورتوں دونوں کے لئے اجر وثواب کا باعث ہے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں عورتوں کے قبرستان جا کر قبروں کی زیارت کے مباح ہونے کے قول ہی کو ترجیح دی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ وہاں جا کر جزع وفزع نہ کریں اور پردہ وغیرہ کا معقول انتظام ہو، نیز شوہر کی اجازت بھی حاصل ہو۔

والمتخذين عليها المساجد: قبروں پر مساجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں نماز ادا کی جائے آپ نے قبرستان میں نماز پڑھنے والے پر لعنت فرمائی ہے اس مسئلہ کی توضیح ماقبل میں گذر چکی ہے۔

السرج: قبروں پر چراغاں روشن کرنے میں ایک تو اسراف ہے دوسری آگ جہنم کے آثار میں سے ہے، اس وجہ سے اس سے احتراز کرنا چاہئے، اس کے علاوہ اس صورت میں

بھی ایک قبور کی تعظیم ہے، لہٰذا جس طرح قبروں پر نماز پڑھنے سے اس وجہ سے روکا گیا کہ اس میں تعظیم کی وجہ سے شرک کا شائبہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی لعنت کر کے قبروں کی بے جا تعظیم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۱۹)

اگر قبرستان میں آنے جانے والوں کی سہولت کی غرض سے روشن کیا گیا ہے اور اس میں اسراف بھی نہ ہو تو چراغ روشن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بہترین اور بدترین جگہیں

﴿۲۸۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْكُتُ حَتّٰى يَجِیْءَ جِبْرَئِيْلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ اَسْأَلُ رَبِّیْ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ كَانَ بَيْنِیْ وَبَيْنَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا۔ (رواه ابن حبان فی صحيحه عن ابن عمر)

حواله: صحیح ابن حبان: ۳/۶۴، باب المساجد، حدیث نمبر: ۱۵۹۷۔

ترجمه: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بہترین جگہ کون سی ہے؟ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے

آنے تک خاموش ہی رہوں گا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہی رہے، اور جبرئیل علیہ السلام آ گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس بارے میں جس سے آپ پوچھ رہے ہیں وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہے، لیکن میں اپنے رب بزرگ و برتر سے سوال کروں گا، پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے محمد! بے شک میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا جتنا میں کبھی بھی قریب نہیں ہوا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا اے جبرئیل! آپ کتنا قریب ہوئے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا میرے اور پروردگار کے درمیان نور کے صرف ستر ہزار حجاب رہ گئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سب سے بدترین جگہیں بازار ہیں اور سب سے بہترین جگہیں مساجد ہیں اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱)...... جب تک کوئی مسئلہ اچھی طرح معلوم نہ ہو جواب نہ دینا چاہئے، جس چیز کے بابت سوال کیا گیا ہے پوری طرح واقفیت نہ ہونے کی صورت میں اس شخص سے دریافت کر لینا چاہئے جو اس بارے میں زیادہ جاننے والا ہے اسکے بعد جواب دینا چاہئے۔

(۲)...... روئے زمین پر سب سے بہترین جگہ مساجد ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور روئے زمین پر سب سے بدترین جگہیں بازار ہیں کیونکہ بازار شیاطین کے اڈے ہیں۔

ای البقاع خیر: یعنی لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں میں سب سے زیادہ خیر والی جگہ کون ہے؟

قال اسکت: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دل میں کہا کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے آنے تک خاموش رہوں گا یا پھر زبان سے کہا کہ میں خاموش رہوں گا، صاحب

مرقات کے مطابق دوسرے معنی زیادہ راجح ہیں، اورعلامہ طیبیؒ نے پہلے معنی ذکر کئے ہیں۔

حتی یجیء جبرئیل: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجتہاد کرنے میں جلدی نہیں کی اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ جب تک سخت ضرورت نہ ہو اجتہاد نہیں فرماتے تھے۔

ماالمسئول عنھا: اس مسئلہ کے بارے میں مجھے آپ سے زیادہ علم نہیں ہے۔ اسی قسم کی عبارت حدیث جبرئیل کے تحت گذرچکی ہے۔

تبارک وتعالی: یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں مذکور ہیں، پہلی صفت صفات ثبوتیہ کے اثبات کے لئے ہے اور دوسری صفت صفات سلبیہ کی نفی کے لئے ہے۔

ثم قال جبرئیل: جبرئیل علیہ السلام نے اس مسئلہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا پھر آکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتایا۔

ما دنوت منہ قط: حضرت جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں آج اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب ہوا اتنا قریب کبھی نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اتنا قرب آپ کی تعظیم کی وجہ سے بخشا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی خاطر محبوب کے قاصد کا بھی احترام کرتا ہے، یا پھر اس وجہ سے تقرب بخشا کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس طالب علم کی خاطر گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتے ہیں۔

اس توجیہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرشتوں کے علم اور تقرب الٰہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

وکیف کان یا جبرئیل: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا اے جبرئیل تم اللہ تعالیٰ سے کتنا قریب ہوئے۔

قال بيني وبينه سبعون الف حجاب من نور: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ آج میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوگیا ہوں کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ستر ہزار حجابات رہ گئے، یہ حجابات مخلوق کے اعتبار سے ہیں کیونکہ مخلوق کے اوپر جسمانیت وغیرہ کے اعتبار سے حجابات پڑے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ حجاب میں نہیں ہیں۔

فقال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شر البقاع الخ: سب سے بدترین جگہیں بازار ہیں، اس وجہ سے کہ یہ غفلت اور معصیت کی جگہیں ہیں اور یہاں شیطان اپنا اڈہ جمائے رہتا ہے۔

وخير البقاع: سب سے بہترین جگہ مساجد ہیں کیونکہ یہ اللہ کے گھر ہیں اطاعت کی جگہ ہیں، سوال صرف خیر کی جگہ کے بارے میں تھا لیکن جواب میں بری جگہ کا بھی ذکر کیا گیا، کیونکہ اشیاء اپنے اضداد کے ذکر سے خوب اچھی طرح واضح ہوجاتی ہیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

تعلیم وتعلم کے لئے مسجد آنے کی فضیلت

﴿۲۸٦﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ يَاْتِ اِلَّا بِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ اَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ

إِلٰی مَتَاعِ غَیْرِہٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ والبیھقی فی شعب الایمان)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۰، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، مقدمہ، حدیث نمبر: ۲۲۷۔ بیھقی فی شعب الایمان: ۲۶۳/۲، ۲، باب فی طلب العلم، حدیث نمبر: ۱۶۹۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میری مسجد میں آیا اور صرف نیک کام کے لئے آیا کہ اس کو سیکھے یا سکھائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مرتبہ میں ہے اور جو شخص نیک کام کے علاوہ کے لئے آیا تو وہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو اپنے علاوہ شخص کے سامان کو دیکھتا ہے۔

تشریح: من جاء مسجدی ھذا: مسجد نبوی مراد ہے اور اس حکم میں دوسری مساجد بھی شامل ہیں۔

مسجد میں تعلیم

لم یات الا بخیر: یعنی تعلیم وتعلم کی غرض سے آنا، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسجد میں درس وتدریس جائز ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فھو بمنزلۃ المجاھد فی سبیل اللّٰہ: مسجد میں تعلیم وتعلم کی غرض سے آنے والا ثواب میں مجاہد کے مانند ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور یہ دونوں فرض عین ہیں اور کبھی دونوں فرض کفایہ ہو جاتے ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا نفع عام مسلمانوں تک متعدی ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲۲۱/۲)

ومن جاء لغیر ذلک: جو شخص تعلیم وتعلم کے علاوہ کسی غرض سے آیا

تعلیم وتعلم کے حکم میں نماز اور اعتکاف زیارت سب شامل ہیں، حاصل یہ ہے کہ جو شخص ان مذکورہ بالا امور کے علاوہ اپنی کسی دنیوی غرض سے مسجد آیا۔

فهو بمنزلة الرجل ينظر الى متاع غيره: یعنی یہ شخص اس چیز سے محروم ہے جس سے لوگ دنیا میں نفع اٹھاتے ہیں (وہ علم وعمل ہے) اور آخرت میں بڑے درجات کے مستحق ہوتے ہیں۔

نماز اور تعلیم وتعلم کے علاوہ کسی غرض سے آنے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو دوسرے کے مال کو تکتا ہے اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کے مال کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح جن اغرض کے لئے مسجد تعمیر ہوئی ہے ان اغراض کے علاوہ کسی غرض سے مسجد آنا ممنوع ہے تو محض غیر کے مال کو دیکھنے کا ممنوع ہونا محل نظر ہے۔ (مرقاۃ: ١/٢٢٢)

ممکن ہے مقصد غیر کے مال کو دیکھنے کی ممانعت سے یہ ہو کہ بری نظر سے دیکھنا اور موقع ملتے ہی اڑا لینے کی غرض سے دیکھنا ممنوع ہے ایسی صورت میں واقعی یہ دیکھنا ممنوع ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مسجد میں دنیوی باتیں

﴿٦٨٧﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ۔

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

حواله: شعب الايمان للبيهقي: ٣/٨٧، كتاب الصلوة، فضل المشى

الی المساجد، حدیث نمبر:۲۹۶۲۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ اپنی مسجدوں میں اپنی دنیوی معاملات سے متعلق باتیں کریں گے تو تم لوگ ان کے ساتھ مت بیٹھنا اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں۔

تشریح: مساجد میں اپنی دنیوی بات چیت کی غرض سے نہ بیٹھنا چاہئے، اگر کچھ لوگ اس قبیح فعل میں مبتلا ہوں تو ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا چاہئے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔

یکون حدیثهم: یعنی ایک زمانہ آئے گا جب لوگ اپنی دنیوی بات چیت مسجد میں بیٹھ کر کیا کریں گے، اور چوں کہ مسجد کی تعمیر دنیوی کاموں کے لئے ہوئی نہیں لہٰذا اس میں دنیوی بات چیت ممنوع ہے۔ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عام جگہوں میں جو کلام مباح ہے وہ بھی مسجد میں مکروہ ہے، اور یہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

صحبت بد سے اجتناب

فلا تجالسوهم: جو لوگ مسجد میں دنیوی بات چیت میں مشغول ہوں ان کی بات چیت میں حصہ لینا تو ممنوع ہے ہی ان کے ساتھ بیٹھنا بھی منع ہے، اور بیٹھنے کی ممانعت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)......ایسے لوگوں کے ساتھ کسی بھی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے۔

(۲)......ایسے لوگوں کے ساتھ مسجد میں نہ بیٹھنا چاہئے۔

بہرصورت اس سے برے لوگوں اور گناہ کا کام کرنے والوں کی صحبت اور ہمنشینی کی

ممانعت معلوم ہوگئی کہ صحبت بد کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور پاس بیٹھنے والا بھی ایک درجہ میں ان کا شریک ہے، اس لئے کہ پاس بیٹھنا اور ان پر نکیر نہ کرنا، اور ناراضگی کا اظہار نہ کرنا بھی ایک درجہ میں رضامندی کا اظہار ہے۔

فلیس للہ حاجۃ: اس جز کے چند مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)......اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کے مسجد آنے اور اس میں عبادت کرنے کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے اس معنی کے اعتبار سے یہ کنایہ ہے عدم قبولیت سے یعنی ایسے لوگوں کے اعمال حسنہ بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے ہیں۔

(۲)......اللہ تعالیٰ ان سے بیزار ہے اور یہ لوگ اللہ کی پناہ اور اس کے عہد سے خارج ہیں، اس توجیہ کے اعتبار سے اس میں ان لوگوں کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے کیونکہ انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا ہے کیونکہ مسجد کی تعمیر کی غرض اس میں عبادت کرنا ہے اور انہوں نے اس کو دوسرے اغراض سے استعمال کیا ہے اور ظلم نام ہی ہے: "وضع الشي في غير محله" کا: صاحب مرقاۃ نے ان دونوں توجیہات کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہاں عبارت مقدر ہے، عبارت یوں ہے: "فليس لاهل الله في مجالستهم حاجة" [یعنی اہل اللہ کو ان کی مجلسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔] (مرقاۃ:۲/۲۲۲)

مسجد میں آواز بلند کرنا

﴿۶۸۸﴾ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ

الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۶۷/۱، باب رفع الصوت فی المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۷۰۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری تو میں نے دیکھا کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا جاؤ اور میرے پاس ان دو آدمیوں کو لاؤ میں ان دونوں کو لے آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے پوچھا تم دونوں کن میں سے ہو یا یہ کہا کہ تم دونوں کہاں سے آئے ہو ان دونوں نے کہا کہ ہم طائف والوں میں سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم لوگ مدینہ والوں میں سے ہوتے تو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں تمہارے آواز بلند کرنے کی وجہ سے تم کو سزا دیتا۔

تشریح: مسجد میں زور زور سے باتیں کرنا یہ مسجد کی حرمت اور اسکے تقدس کے منافی عمل ہے، اگرچہ علمی گفتگو ہی کیوں نہ کی جائے، فی نفسہ مسجد میں علمی گفتگو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے لیکن اس انداز میں بات چیت کرنا کہ لوگ سمجھیں جھگڑا ہو رہا ہے وہ درست نہیں۔

اجنبی کے ساتھ نرمی

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو شخص مسافر ہو یا مسئلہ سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے ساتھ حتی الامکان عفو درگذر کا معاملہ کرنا چاہئے۔

کنت نائما: صاحب مشکوۃ نے یہاں "نائما" کالفظ ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت مشکوۃ میں بخاری سے لی گئی ہے جیسا کہ "رواہ البخاری" کے الفاظ بتارہے ہیں اور بخاری کا جو نسخہ اور شروحات ہمارے پاس ہیں اس میں "قائما" کے الفاظ ہیں اس اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کھڑے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر ایک کنکری پھینکی۔

کنکر مارنے کی وجہ

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو کنکری پھینک کر کیوں متوجہ کیا؟

جواب: چونکہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دور تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے پکارنا درست نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے کنکری مار کر متوجہ کیا اور اگر مشکوۃ کے نسخہ کا اعتبار کر کے حدیث کے الفاظ "نائما" ہی مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید مسجد نبوی میں سو رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کنکری مار کر ان کو بیدار کیا۔

مسجد میں سونے کا حکم

سوال: مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کوئی مصلحت یا مجبوری ہو تو سونے کی اجازت ہے، بخاری شریف نے ایک باب قائم کیا ہے: "باب نوم الرجل فی المسجد" اس میں تین احادیث ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں سویا جا سکتا ہے۔ لیکن بلا ضرورت مسجد میں سونے سے

گریز کرنا چاہئے، کیونکہ مسجد کی تعمیر اس مقصد سے نہیں ہوئی ہے کہ اسمیں سویا جائے۔

ممن انتما: دولوگ مسجد میں زورزور سے بول رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پہچانتے نہیں تھے، اس لئے ان کو بلا کر ان سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو، اور تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہ یہ پردیسی ہیں ان کے ساتھ نرمی کی اور ان سے کہا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے اور مسجد نبوی میں زورزور سے بولتے تو میں تم کو سخت سزا دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں زورزور سے بولنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے، ان کے پیش نظر یہ آیت تھی: "لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض" [اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز پر بلند مت کرو اور نہ ان کے سامنے اس طرح زورزور سے بولو جیسے کہ آپس میں بولتے ہو]

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یہی حکم تھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہی حکم ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ کرکے ان دونوں مسافروں سے کہا تھا کہ یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ تم لوگ مسجد نبوی میں زورزور سے بول رہے ہو۔

مسجد میں فضول باتوں کی ممانعت

﴿٦٨٩﴾ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِیْ نَاحِيَةِ

اَلْمَسْجِدِ تُسَمّٰی الْبُطَیْحَاءَ وَقَالَ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّلْغَطَ اَوْ یُنْشِدَ شِعْرًا اَوْ یَرْفَعَ صَوْتَہٗ فَلْیَخْرُجْ اِلٰی ھٰذِہِ الرَّحْبَۃِ۔ (رواہ فی المؤطا)

حوالہ: موطا امام مالک: ۶۲، کتاب جامع الصلوۃ، باب قصر الصلوۃ فی السفر، حدیث نمبر: ۹۳۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک کنارے چبوترہ بنوایا تھا جس کو بطیحاء کہا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دے رکھا تھا کہ جو شخص فضول باتیں کرنا چاہتا ہو یا شعر گوئی کرنا چاہتا ہو، یا اپنی آواز بلند کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چبوترہ پر چلا جائے۔

تشریح: مسجد کے اندر فضول گوئی، بیت بازی اور بلند آواز سے کسی بھی موضوع پر گفت وشنید درست نہیں ہے اولاً تو ان امور سے ہمہ وقت گریز کرنا چاہئے اور اگر انمیں سے کوئی کام کرنا ہی ہے تو مسجد میں قطعی نہ کیا جائے بلکہ مسجد سے باہر نکل کر اسکو انجام دیا جائے۔

فلیخرج الی هذه الرحبة: یہ مقصد نہیں ہے کہ ان امور کا مسجد سے باہر انجام دینا درست اور اچھا عمل ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مسجد سے باہر ان امور پر اتنا مواخذہ نہ ہوگا، جتنا مسجد کے اندر ہوتا ہے۔

قبلہ کی جانب تھوکنے کی ممانعت

﴿۶۹۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَاَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُخَامَۃً فِی الْقِبْلَۃِ فَشَقَّ ذَالِکَ عَلَیْہِ حَتّٰی رُئِیَ فِیْ وَجْھِہٖ قَالَ فَحَکَّہٗ بِیَدِہٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ فِی الصَّلٰوۃِ

فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ وَإِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۵۸/۱، باب حک البزاق بالید من المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۰۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف بلغم پڑا ہوا دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ بات بہت گراں گذری یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے اثار ظاہر ہوگئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھے اور اس بلغم کو خود ہی کھرچ کر صاف کیا، پھر ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور بلا شبہ اس وقت اس کا رب اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے پس تم میں سے کوئی شخص ہرگز قبلہ کی جانب نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں طرف تھوکے یا اپنے قدموں کے نیچے تھوکے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کونا لیا اور اس میں تھوکا اور پھر اس کونے کے حصہ کو ایک دوسرے سے رگڑ کر اس کو صاف کیا اور فرمایا یا اس طرح کرلے۔

تشریح: رأی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نخامۃ فی القبلۃ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف کی دیوار پر بلغم پڑا ہے، بلغم وغیرہ کو دیکھ کر آدمی کو گھن آتی ہے ان چیزوں کو طبیعت سلیم پسند نہیں کرتی ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس چیز سے سخت تکلیف پہونچی۔

حتی رئی فی وجھہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس قدر

ناگواری ہوئی کہ چہرۂ مبارک سے اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔

ناراضگی کے کام پر ناراضگی

معلوم ہوا کہ ناراضگی کے کام سے ناراض ہونا برا نہیں بلکہ خلاف سنت بھی نہیں۔

فحکه بیده: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی کھرچ کر صاف کیا، دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی نوک دار چیز سے کھرچا تھا؛ لہٰذا اس روایت میں آنے والے کلمے "بیـــده" کے معنی واضح ہوگئے کہ اپنے ہاتھ سے بلغم صاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلغم کو چھوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی کسی چیز سے کھرچ کر بلغم کو صاف کیا۔

فائدہ: (۱)......اس سے مسجد کی صفائی کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی۔

(۲)......مسجد کی تعظیم اور احترام بھی ظاہر ہے۔

(۳)...... جہاں تک ممکن ہو کام از خود کرنا چاہئے۔

فانما يناجي ربه: جو شخص نماز پڑھ رہا ہوتا ہے وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور گویا اس کا رب اس کے سامنے ہے، ایسی صورت میں اس کے لئے قبلہ کی سمت تھوکنا سخت بے ادبی ہے۔

ولكن عن يساره: اگر مجبوریوں کی بنا پر تھوکنا پڑے تو بائیں طرف تھوکے اور اگر بائیں طرف بھی نمازی کھڑے ہوں تو اپنے قدموں تلے تھوکنا چاہئے۔

ثم اخذ طرف ردائه: اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے کے کونے پر تھوکا پھر اس کو ملا اور یہ بتایا کہ قدموں تلے تھوکنے کا

موقعہ نہ ہوتو کپڑے میں تھوک کرمل دینا چاہئے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بائیں طرف یا قدموں تلے تھوکنے کا حکم اس وقت ہے جب مسجد میں نہ ہو اور جب مسجد میں ہو تو صرف اپنے کپڑے پر تھوکنے کی اجازت ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۲۴)

ایضاً

﴿۶۹۱﴾ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ وَھُوَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِی الْقِبْلَۃِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِہٖ حِیْنَ فَرَغَ لَایُصَلِّی لَکُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِکَ اَنْ یُصَلِّیَ لَھُمْ فَمَنَعُوْہُ فَاَخْبَرُوْہُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّکَ قَدْ اٰذَیْتَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۶۹، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۸۱۔

ترجمہ: حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے ایک قوم کو نماز پڑھائی انہوں نے قبلہ کی جانب تھوک دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو دیکھ رہے تھے، چنانچہ جب

وہ صاحب نماز پڑھا چکے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم سے کہا کہ یہ شخص تم کو آئندہ نماز نہ پڑھائے، پھر اس کے بعد ان صاحب نے لوگوں کو نماز پڑھانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا اور ان کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی اطلاع دی، ان صاحب نے اس کا ذکر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں'' راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔

تشریح: قبلہ کی طرف تھوکنا ممنوع ہے اور جو یہ کام کرے وہ مقتدی اور امام بننے کے لائق نہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اسی فعل کے ارتکاب کی وجہ سے نماز پڑھانے سے روک دیا تھا۔

وھو رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالی علیہ و سلم: سائب بن خلاد کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں، اس بات کے کہنے کی کیا وجہ ہے؟ سائب بن خلاد مشہور صحابہ میں سے نہیں ہیں اس وجہ سے یہ بات کہی گئی یا پھر اس وجہ سے یہ بات کہی گئی کہ ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔

فائدہ: (۱)...... معلوم ہوا کہ امام کو باادب ہونا چاہئے، اور خلاف ادب کاموں سے احتراز کرنا چاہئے۔

(۲)...... نااہل کو امامت سے معزول کیا جا سکتا ہے، بلکہ معزول کر دینا چاہئے۔

کفارات اور رفع درجات والے اعمال

﴿۲۹۲﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

اِحْتَبَسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاۃٍ عَنْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی کِدْنَا نَتَرَاءٰی عَیْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِیْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِہٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰی مَصَافِّکُمْ کَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَیْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَّا اِنِّیْ سَاُحَدِّثُکُمْ مَاحَبَسَنِیْ عَنْکُمُ الْغَدَاۃَ اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّیْتُ مَاقُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلَاتِیْ حَتّٰی اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ لَااَدْرِیْ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَأَیْتُہٗ وَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِہٖ بَیْنَ ثَدْیِیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَارَبِّ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ فِی الْکَفَّارَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ مَشْیُ الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوْسُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِیْنَ الْکَرِیْهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِیْمَ قُلْتُ فِی الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُمْ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِیْنُ الْکَلَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ فَقَالَ سَلْ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَۃً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔ (رواہ احمد والترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ

اِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: مسند احمد: ۵/۲۴۳. باب ومن سورة 'ص'، كتاب تفسير القرآن، حدیث نمبر: ۳۲۳۵۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز کے لئے ہماری امامت کرنے کی غرض سے آنے میں اتنی دیر ہوگئی کہ سورج کی ٹکیا ہماری نگاہوں کے سامنے آنے ہی والی تھی اتنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلدی سے باہر نکلے، پھر نماز کے لئے تکبیر کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور مختصر نماز پڑھائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو بلند آواز سے پکارا اور ہم سے کہا تم لوگ اپنی صفوں میں ایسے ہی بیٹھے رہو جیسے کہ ابھی بیٹھے ہو، پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا سنو میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کی وجہ سے آج صبح تمہارے پاس آنے میں مجھ کو دیر ہوگئی، بلاشبہ تہجد کی نماز کے لئے رات میں اٹھا پھر میں نے وضو کیا اور جتنی میرے لئے نماز مقدر تھیں میں نے پڑھی پھر مجھے نماز ہی میں اونگھ آئی یہاں تک کہ میں بوجھل ہوگیا پس اچانک میں نے اپنے بزرگ وبرتر رب کو بہترین صورت میں دیکھا رب نے مجھ سے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں اے میرے رب! رب نے کہا ملائکہ مقربین کس بارے میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے کہا مجھے نہیں معلوم، پروردگار نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے پروردگار کو دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ میں نے پروردگار کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنی چھاتی میں محسوس کی، چنانچہ ہر چیز میرے لئے روشن ہوگئی اور میں نے سب کچھ جان لیا پھر اللہ تعالیٰ نے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے پوچھا مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا

کفارات کے بارے میں فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا جماعت میں شریک ہونے کے لئے پیدل چل کر آنا، نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا، ناگواری کے وقت وضو کا مکمل کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا درجات کے بارے میں، فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا مسکین کو کھانا کھلانا، نرم بات کرنا اور رات میں اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سورہے ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے کہا مانگ لو! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میں نے یوں مانگا اے اللہ میں آپ سے نیکیاں کرنے اور برائیاں چھوڑنے اور مسکینوں کو دوست رکھنے کی توفیق مانگتا ہوں اور یہ کہ مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ جب کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ ہو تو مجھ کو بچا کر وفات دے دیجئے، اور میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو آپ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت مانگتا ہوں جو آپ کی محبت کو قریب کرتا ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خواب بالکل سچا ہے تم لوگ اسے سیکھو اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دو۔ (احمد ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خصوصی تجلیات فرمائیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر علوم ومعارف کے دروازے کھل گئے، تقریباً اسی مضمون کی حدیث ماقبل میں گذر چکی ہے۔

فخرج سریعا: نماز فجر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نکلنے میں تاخیر ہوگئی اس وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر نکلے تو تیزی سے مصلی کی طرف بڑھے تاکہ سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر پڑھادیں۔

وتجوز في الصلوٰة: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلاف عادت فجر کی نماز وقت کی قلت کی بناپر مختصراً پڑھائی۔

فتجلی لی کل شیء: ہر چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ظاہر ہوگئی یہاں کل سے مراد عموم حقیقی نہیں ہے بلکہ عرفی ہے اور اس سے کثرت مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت کثیر علم عطا فرمایا، اس کی نظیر قرآن مجید ہے: "اجعل علی کل جبل یأخذ کل سفینة غصبا" یہاں بھی کل سے مراد کثرت ہے، یا پھر "کل شی" سے مراد اشیاء موجودہ ہیں نہ کہ "جمیع ما کان ویکون" جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ اس مضمون کی حدیث گذر چکی ہے، مزید تحقیق کے لئے وہیں دیکھ لیا جائے، اس حدیث سے یہ بات ضرور صراحتاً معلوم ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اور حالت خواب ہی میں سوال وجواب ہوئے تھے۔

فوائد حدیث

حدیث پاک سے متعدد فوائد معلوم ہوتے ہیں، بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱)......کسی وجہ سے نماز تاخیر ہو جائے اور وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو نماز میں عجلت کرنا چاہئے۔

(۲)...... امام سے کسی روز کسی وقت نماز میں تاخیر ہو جائے تو تاخیر کی وجہ مقتدیوں کے سامنے ظاہر کردے۔

(۳)......فجر بعد وعظ کہنا درست ہے۔

(۴)......وعظ کے لئے خود ہی امام یا واعظ اعلان کردے درست ہے۔

(۵)......کسی مصلحت اور کسی خاص فائدہ کے لئے اپنی نماز تہجد کا ذکر کر سکتے ہیں۔

(۶)...... اپنے ماتحتوں اور چھوٹوں کے سامنے ان کی عبرت اور فائدہ کے لئے اپنا خواب بیان کر سکتے ہیں۔

(۷)...... اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۸)...... اللہ تعالیٰ کے لئے صورت، چہرہ، اعضاء وغیرہ ہیں، مگر اس کے شایان شان ہے۔ (مخلوق جیسی صورت اعضاء وغیرہ سے منزہ و پاک ہے)

(۹)...... ملائکہ مقربین باہم گفتگو بھی کرتے ہیں، لہٰذا جو لوگ ملائکہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں یا ان کے وجود میں تاویل کرتے ہیں اس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔

(۱۰)...... جس چیز کا علم نہ ہو صاف کہہ دینا چاہئے کہ میں نہیں جانتا۔

(۱۱)...... بے شمار علوم و معارف حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔

(۱۲)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب والشہادۃ نہیں تھے، جیسا کہ "لا ادری" فرمانے سے صاف ظاہر ہے۔

(۱۳)...... گناہوں کا کفارہ ہونے اور انکے مٹنے میں ان تین اعمال کو بطور خاص دخل ہے۔

(۱)...... نماز با جماعت کے لئے مسجد پیدل چل کر جانا۔

(۲)...... نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھے رہنا۔

(۳)...... ناگواری کے وقت وضو مکمل کرنا۔

(۱۴)...... اسلئے اعمال ثلاثہ کا بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

(۱۵)...... درجات کی بلندی میں تین اعمال کو بطور خاص دخل ہے۔

(۱)...... کھانا کھلانا۔

(۲)...... نرم گفتگو کرنا۔

(۳)......نماز تہجد کا اہتمام کرنا۔

(۱۶)......اس لئے اعمال ثلاثہ کا بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

(۱۷)......اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو؟ اس کے جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نو چیزوں کا سوال کیا، اس سے ان نو چیزوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

وہ نو چیزیں یہ ہیں۔

(۱)......فعل الخیرات. [نیکیوں کا کرنا۔]

(۲)......ترک المنکرات. [برائیوں کا چھوڑنا۔]

(۳)......حب المساکین. [مساکین کی محبت۔]

(۴)......ان تغفرلی. [تو مجھ کو بخشدے۔]

(۵)......ترحمنی. [تو مجھ پر رحم فرما۔]

(۶)......اذا اردت فتنة فی قوم فتوفنی غیر مفتون. [تو کسی قوم میں فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھ کو فتنہ میں مبتلا کئے بغیر وفات دیدیجئے۔]

(۷)......حبک. [تیری محبت کا سوال کرتا ہوں۔]

(۸)......وحب من یحبک. [تجھ سے محبت کرنے والو (تیرے عاشقوں کی محبت کی محبت مانگتا ہوں۔]

(۹)......وحب عمل یقربنی الی حبک. [ایسے کام کی محبت جو تیری محبت کے قریب کردے، مانگتا ہوں۔]

(۱۸)......انها حق. [بلاشبہ یہ حق ہے۔] حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی

زبان مبارک سے اس خواب اور واقعہ کو فرما دینا ہی اس کی حقانیت کے لئے کافی تھا، مگر ”انها حق“ [بلاشبہ یہ حق ہے۔] فرما کر اس کو کتنا موکد بنا دیا۔

(۱۹)......فادرسوها. [اس کو سیکھ لو] اس سے اس کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا، اور بتا دیا کہ یہ میرے ساتھ ہی خاص نہیں سب اس کو سیکھ لیں، اور اس پر عمل کریں۔

(۲۰)......ثم علموها. [پھر اس کی تعلیم بھی دو۔] اس کو دوسروں کو بھی سکھاؤ، ان سب چیزوں سے اس کی اہمیت کتنی بڑھ گئی وہ ظاہر ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا دین اس کے اندر سمو دیا گیا ہے، اور گناہوں کا کفارہ والے اعمال ثلاثہ پھر بلندی پھر بلندئ درجات والے اعمال ثلاثہ ہی پورے دین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعائیں جامع ہیں، اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، یہ دعا بطور خود معجزہ ہے کہ غیر نبی ایسی جامع دعا مانگ ہی نہیں سکتا۔

”**فعل الخيرات**“ میں تمام مامورات شرعیہ آگئے۔ اور ”**ترک المنکرات**“ میں تمام منہیات آگئے، یہی پورا دین ہے، ان دو جملوں میں گویا پورا دین آگیا۔

”**حب المساكين**“ میں پوری معاشرت آگئی۔ اور ان ہی اعمال شرعیہ کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی امید وابستہ ہوتی ہے، اس لئے اس کے بعد ”**ان تغفرلي وترحمني**“ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کا سوال کرکے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ عبادات کے بعد بھی بندہ کو مطمئن ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورحمت کا سوال کرتے رہنا چاہئے، ہماری عبادات بھی کوتاہیوں کا مجموعہ ہوتی ہیں، اس لئے ان عبادات پر خود استغفار کرتے رہنا چاہئے۔

اور پھر اس کی رحمت کو بھی طلب کرنا چاہئے، اور ان سب عبادات اور ترک منہیات

اور طلب مغفرت ورحمت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور اس کی پکڑ سے مامون نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کی آزمائش اور فتنوں سے حفاظت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

اذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی غیر مفتون: کہ پروردگار آپ جب بھی کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ فرمائیں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ کر کے فتنہ سے بچا کر وفات دیدینا، فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔

اور اس دعا میں کامل شریعت کے ساتھ کامل طریقت بھی آ گئی، کہ آگے طریقت کا بیان ہے:

واسئلک حبک: اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں، یہ محبت کو طلب کرنا یہی طریقت ہے، جب اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی تو پھر پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے مطابق بسر کریگا، اور یہی تصحیح نیت ہے، یہی اخلاص ہے، یہ طریقت ہے، اور اسی اخلاص پر ثمرہ احسان مرتب ہوتا ہے، اس کو صفت احسان اور اسی کو نسبت اور یادداشت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی محبت بغیر اللہ والوں اور اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت اور ان کی محبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اس کے بعد کے جملہ میں اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی محبت کا سوال ہے۔

وحب من یحبک: اور پروردگار میں تجھ سے محبت کرنے والوں (تیرے عاشقوں) کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے عاشقوں (جو اس کے اولیاء ہیں) سے محبت ہوگی تو ان کی صحبت بھی اختیار کریگا، اور ان کی صحبت اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔

پس اس جملہ میں صحبت اولیاء ومشائخ کی ضرورت بھی ثابت ہوگئی۔ اور محبت کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی اطاعت میں اس کو لذت آنے لگے، اور جب محبوب کی اطاعت میں

لذت آنے لگتی ہے پھر اس کا نقشہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کے بعد سوال ہے۔

وحب عمل یقربنی الیک: اور ہر اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تیرے قرب کا ذریعہ بنے۔ اور اس کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعات میں لذت آنے لگے، بڑے بڑے مجاہدات اختیار کئے جاتے ہیں، بڑی بڑی ریاضتیں کی جاتی ہیں، غرضیکہ یہ دعا انتہائی جامع دعا ہے، جو تمام دین کو شامل ہے، پس اس کو خود بھی یاد کرلیں اور اس پر عمل کی کوشش کریں، اور دوسروں کو بھی اس کو سکھانے اور ان کو یاد کرانے کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا

﴿۲۹۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ قَالَ فَاِذَا قَالَ ذٰلِکَ قَالَ الشَّیْطَانُ حُفِظَ مِنِّیْ سَائِرَ الْیَوْمِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ٦٧/ ١، باب فیما یقول الرجل عند دخولہ المسجد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ٤٦٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہونے کے وقت یوں فرماتے تھے، "اعوذ باللہ العظیم الخ" میں پناہ لیتا ہوں اللہ کی جو بڑا ہے اور اس کی بزرگ و برتر ذات کی اور اس

کی قدیم سلطنت کی شیطان مردود سے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مسجد میں داخل ہونے والا شخص یہ دعا پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص سارے دن کے لئے مجھ سے محفوظ ہو گیا۔

تشریح: مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف اوراد منقول ہیں ان ہی اوراد میں سے ایک ورد یہ بھی ہے جس کا تذکرہ حدیث باب میں ہے، جو شخص اس دعا کو مسجد میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ لیتا ہے وہ شیطان کے شرور وفتن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

قال الشیطان حفظ منی سائر الیوم: جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے سے پہلے حدیث میں مذکور دعا پڑھ لیتا ہے تو شیطان کا اس پر کوئی بس نہیں چلتا ہے اور وہ خود کہتا ہے یہ شخص سارے دن کے لئے مجھ سے محفوظ ہو گیا۔

قبر کو سجدہ گاہ بنانا

﴿۶۹۴﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

(رواہ مالک مرسلا)

حوالہ: موطا امام مالک: ۲۰، کتاب جامع الصلوۃ، باب قصر الصلوۃ فی السفر، حدیث نمبر: ۸۵۔

ترجمہ: حضرت عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری قبر کو بت مت بنانا کہ لوگ اس کی عبادت کریں اس قوم پر اللہ تعالیٰ سخت غضب ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اس روایت کو امام مالک نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

تشـــریـــح: قبروں سے ایسی عقیدت رکھنا جیسے کہ مشرک بتوں سے رکھتے ہیں درحقیقت شرک ہے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دعا کی ہے کہ اے اللہ! میری قبر کو ایسا نہ بنادیجئے گا کہ لوگ اس کی پوجا کریں۔

اللهم لاتجعل قبری وثنا: اے اللہ! میری قبر کی لوگ ایسی تعظیم نہ کریں جیسی مشرک بتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔

اشتد غضب الله: یہ جملہ مستانفہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی نے جو دعا کی ہے وہ امت پر شفقت کرتے ہوئے کی ہے تا کہ جس لعنت میں اہل کتاب گرفتار ہوئے اس امت کے لوگ اس لعنت میں گرفتار نہ ہوں اہل کتاب اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی بنا پر ملعون ہو گئے۔

نفل نماز باغات میں

﴿۷۹۵﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْتَحِبُّ الصَّلٰوةَ فِی الْحِیْطَانِ قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهٖ یَعْنِی الْبَسَاتِیْنَ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ الْحَسَنِ بْنِ اَبِیْ جَعْفَرٍ وَقَدْ ضَعَّفَهٗ یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ وَغَیْرُهٗ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۷۷/ ۱، باب ماجاء فی الصلوۃ فی الحیطان، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۳۴۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باغات میں نماز پڑھنا پسند تھا، بعض راویوں نے کہا ہے کہ ''حیطان'' سے مراد باغات ہیں۔ (ترمذی) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم نے صرف حسن بن ابو جعفر کی روایت سے جانا ہے، اور ان کو یحیٰ بن سعید وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفل نماز باغات میں پڑھنے میں بڑا لطف آتا تھا، کیونکہ وہاں بہت سکون ہوتا ہے۔

یستحب الصلوٰۃ فی الحیطان: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیوار کے پہلو میں نماز پڑھتے تھے تاکہ کوئی گذرنے والا سامنے سے نہ گذرے، اور ذہن ادھر ادھر نہ بھٹکے، ''حیطان'' کے معنی باغ کے آتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باغ میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

مساجد کے ثواب میں فرق

﴿۷۹۶﴾ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلوٰةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِيْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ صَلَاةً وَصَلَاتُهُ فِيْ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجْمَعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلوٰةٍ وَصَلَاتُهُ فِيْ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلوٰةٍ وَصَلَاتُهُ فِيْ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ

صَلٰوۃٍ وَصَلَاتُہٗ فِیْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِأَۃِ أَلْفِ صَلَاۃٍ۔ (راہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۰۲، باب ماجاء فی الصلوۃ فی المسجد الجامع، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، حدیث نمبر: ۱۴۱۳۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی نے اپنے گھر میں جو نماز پڑھی وہ ایک نماز شمار ہوتی ہے اور محلّہ کی مسجد میں پڑھی ہوئی اس کی نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے اور اس کی اس مسجد میں پڑھی ہوئی نماز جس میں جمعہ ہوتا ہے پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور اس کی مسجد اقصیٰ کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی میری مسجد میں پڑھی ہوئی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی مسجد حرام میں پڑھی ہوئی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

تشریح: جو نماز گھر میں پڑھی گئی اس پر ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، محلّہ کی مسجد میں اگر نماز ادا کی گئی ہے تو اس پر پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اگر جامع مسجد میں نماز پڑھی تو پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور اگر مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی میں نماز پڑھی تو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور اگر مسجد حرام میں نماز پڑھی تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

صلوۃ الرجل فی بیتہ: نفل کے علاوہ نماز مراد ہے، اس وجہ سے کہ نفل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "افضل صلوۃ المرأ فی بیتہ الا المکتوبۃ" گھر میں نماز پڑھنے والے کو ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، یہاں اجر مضاعف کا اعتبار نہیں کیا ہے اس وجہ سے کہ وہ تو دس سے لے کر سات سو یا اس سے بھی زائد ہوتا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: حدیث ۶۴۰/ر کے تحت یہ بات گذری کہ مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ایک ہزار کے برابر ہے یہاں پچاس ہزار کے برابر کہا ہے تو ایسا کیوں؟

جواب: (۱)...... اس حدیث شریف میں صرف ایک ہزار کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ "خیر من الف صلوة" کے الفاظ ہیں، یعنی ایک ہزار سے بھی زائد اور اس زائد کی تحدید یہاں پچاس ہزار سے کردی ہے۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے یہ علم دیا گیا کہ مسجد نبوی میں ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے، پھر یہ علم دیا گیا کہ پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

سب سے پہلی مسجد

﴿۶۹۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ اَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ اَیُّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی قُلْتُ کَمْ بَیْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَیْثُ مَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلٰوۃُ فَصَلِّ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۴۷۷/۱، باب کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۳۶۶۔ مسلم شریف: ۱۹۹/۱، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، حدیث نمبر: ۵۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسجد حرام، میں نے کہا اس کے بعد؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسجد اقصیٰ، پھر میں نے پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فرق تھا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چالیس سال کا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے، جہاں وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو۔

تشریح: اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سب سے پہلی مسجد مسجد حرام ہے، اور دوسری مسجد، مسجد اقصی اور ان دونوں کی تعمیر کے مابین چالیس سال کا وقفہ ہے، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو بھی یہ سہولت حاصل ہوئی کہ روئے زمین پر جہاں چاہے نماز پڑھ لے، بعض جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے وہ نہی لذاتہ نہیں ہے، بلکہ نہی لغیرہ ہے، یعنی کسی خارجی عارض کی بنا پر ان جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

المسجد الحرام: بناء کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی ہے، اور بناء مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوئی اور ان دونوں میں مقدم حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان

میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے؟

جواب: (۱)......ملا علی قاریؒ نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے یہ جواب نقل کیا ہے کہ کعبہ کی بنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور مسجد اقصیٰ کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام مجدد بناء ہیں موسس نہیں ہیں اور یہ ممکن ہے کیونکہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔(مرقاۃ:۲/۲۲۹)

(۲)...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت آدم علیہ السلام کی کسی اولاد نے بیت المقدس کو تعمیر کیا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ رہا ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
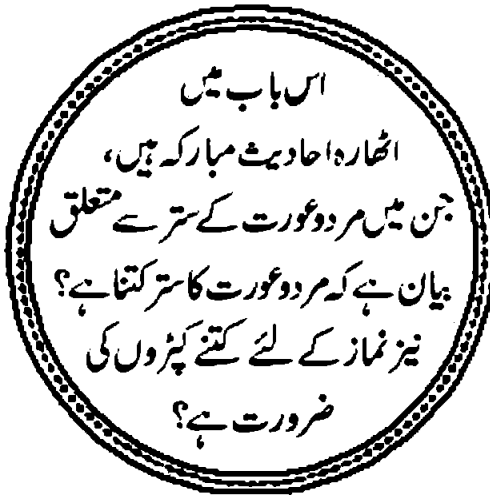
باب الستر

رقم الحدیث:...... ۶۹۸ تا ۷۱۵۔

بســـم اللّٰہ الرحمن الرحـــیم

باب الستر

(ستر ڈھانکنے کا بیان)

ستر عورت سب کے نزدیک نماز و غیر نماز میں فرض ہے اس کے بعد اگر کپڑوں میں وسعت ہو تو تین کپڑے سنت ہیں، ایک نصف اسفل کے لئے، اور دوسرا نصف اعلیٰ کے لئے، اور تیسرا سر کے لئے۔ کیونکہ اسی سے پورا جمال ہوتا ہے جس کا حکم قرآن کریم میں ہے: "خذوا زینتکم عند کل مسجد" پھر لباس میں ایسی صورت اختیار کی جائے جو بے ڈھنگی نہ ہو اور عام عادات معروفہ کے خلاف نہ ہو اور متکبرانہ صورت نہ ہو، نیز ایسی صورت اختیار کریں کہ کشف عورت کا خطرہ نہ ہو۔

ستر پوشی نماز کی ایک بے حد اہم شرط ہے اور ستر عورت یعنی لباس پہننا لازم اور ضروری ہے، لباس پر قدرت کے باوجود بغیر لباس کے نماز پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، ستر عورت کے واجب ہونے کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے: "خذوا زینتکم عند کل مسجد" [ہر مسجد میں حاضری کے وقت اپنی زینت اپنے ساتھ لیلو]

لباس کے حدود

لباس کی دو حدود ہیں: (۱) واجب۔ (۲) مستحب۔

لباس کی حد واجب دونوں شرمگاہیں ہیں، یہ دونوں حدوں میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، اصل ننگا ہونا انہی دونوں اعضاء کا غیر مستور رہونا ہے ان کا چھپانا سب سے زیادہ مؤکد ہے، مرد کی رانیں سبیلین کے ساتھ ملحق ہیں اور گھٹنا ستر ہے اور عورت کا سارا بدن ستر ہے، حاصل یہ نکلا کہ مرد کی شرم گاہ ران گھٹنا ستر ہے، اور عورت کا سارا بدن ستر ہے، چہرہ ہتھیلیاں اور پیر کے نیچے یہ ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں، یہ لباس کی حدود واجب ہیں، جو نماز کی صحت کے لئے شرط ہیں، اس سے کم لباس پہننے کی صورت میں نماز نہیں ہوگی۔

اور لباس کی حد مستحب پیٹ، پیٹھ، سینہ اور مونڈھوں کا مستور رہونا ہے، جسم کا یہ حصہ بھی ڈھانک کر نماز پڑھنا مستحب ہے اور اس میں کمال یہ ہے کہ سر اور ٹخنوں کے اوپر تک سارے جسم کو ڈھانک کر نماز پڑھی جائے، چہرہ اور ہتھیلیاں اس سے مستثنیٰ ہیں، عام حالات میں عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا ثابت ہے، معلوم ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام حالات میں تزئین کے لئے یہ لباس زیب تن فرماتے تھے، تو نماز کا وقت آنے پر ان کو پہن ہی کر نماز پڑھتے ہونگے ان کو اتارنہیں دیتے ہوں گے، کیونکہ نماز میں تو خاص طور پر تزئین کا حکم ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

چند اختلافی مسائل

(۱)...... ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ستر عورت نماز کی صحت کے لئے شرط ہے، مالکیہ کے نزدیک ستر عورت قدرت اور یاد ہونے کے وقت شرط ہے، اگر قدرت نہ ہو یا خیال نہ رہے تو معاف ہے۔

(۲)...... جمہور کے نزدیک ستر عورت کی مقدار وہی ہے جس کا ماقبل میں تذکرہ ہوا، لیکن ظاہریہ کے نزدیک ستر عورت میں صرف قبل اور دبر داخل ہیں بقیہ اعضاء بدن کا ستر

لازم نہیں ہے۔

(۳)......عورت کے قدمین ائمہ ثلاثہ کے یہاں سترعورت میں سے ہیں، امام صاحب کے یہاں عورتوں کے قدمین کا ڈھکنا لازم نہیں ہے۔

(۴)......امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک دوران نماز اگر سترعورت میں سے کچھ کھل گیا تو اگر اس کی مقدار چوتھائی عضو سے کم ہے تو معاف ہے، لیکن اگر چوتھائی عضو سے یا اس سے زائد ہے تو معاف نہیں ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دوران صلاۃ قطعاً انکشاف عورت مفسد صلاۃ ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

ایک کپڑے میں نماز

﴿۲۹۸﴾ وَعَنْ عُمَرَبْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلاً بِهٖ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَیْهِ عَلٰی عَاتِقَیْهِ۔

(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۵۲/ ۱، باب الصلوة فی الثوب الواحد ملتحفا به، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۵۶۔ مسلم شریف: ۱۹۸/ ۱، باب الصلوة فی ثوب واحد و صفة لبسه، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۵۱۷۔

ترجمه: حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام سلمہ کے گھر میں تھے اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اس کے دونوں کنارے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں پر تھے۔

تشریح: اگر آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ کپڑا بڑا ہے تو اس کو اس طرح استعمال کرے کہ ستر عورت کے ساتھ بدن کا بالائی حصہ بھی ڈھک جائے۔

یصلی فی ثوب واحد: ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور ایک کپڑے کے استعمال میں بھی اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو تہبند کے طور پر استعمال کیا جائے یا پھر لپیٹ کر نماز پڑھ لی جائے، بخاری نے اس سے پہلے جو باب ذکر کیا ہے اس میں ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کی ایک صورت کا تذکرہ ہے، وہ یہ ہے کہ گردن پر تہبند کی گرہ لگائی جائے، تاکہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں تہبند کھنچ کر کھل نہ جائے، اور کشف عورت نہ ہو، الفاظ حدیث یہ ہیں: **"عن سهل بن سعد صلوا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عاقدی ازارهم علی عواتقهم"** (بخاری شریف: ۲/۵۱)

[سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی گردنوں پر اپنے تہبند باندھے ہوئے نماز پڑھی]

لیکن یہ صورت اس وقت استعمال کی جائے جب کپڑا اتنا زیادہ نہ ہو کہ مونڈھوں پر لپیٹا جاسکے، اگر ایک کپڑا ہے اور وہ زائد ہے تو اس کے ذریعہ سے مونڈھوں کو بھی ڈھکا جائیگا، حدیث باب میں اسی صورت کا تذکرہ ہے، اور یہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی دوسری صورت ہے۔

مشتملا به: ''اشتمال'' کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے کا جو کنارہ دائیں مونڈھے پر ہے اس کو بائیں ہاتھ کے نیچے سے لے اور جو کنارہ بائیں مونڈھے پر ہے اس کو دائیں ہاتھ کے نیچے سے لے، پھر دونوں کناروں کو لے کر سینے پر گرہ دے لے۔

حدیث باب میں کپڑے کے لپیٹنے کو "اشتمال" سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک دوسری حدیث میں "توشیح" کا لفظ منقول ہے، اس کے علاوہ اسی بات کو بیان کرنے کے لئے "مخالفة بين الطرفين" کے الفاظ بھی منقول ہیں، سب کا مقصد ایک ہے اور سب کے معنی ایک ہیں، صرف تعبیرات کا فرق ہے، اسی بات کی وضاحت کے لئے امام بخاریؒ نے زہری کا قول نقل کیا ہے:"قال الزهری فی حديثه الملتحف المتوشح وهو المخالفة بين طرفيه علی عاتقيه وهو الاشتمال على منكبيه" (بخاری شریف:۵۱/۱)

[زہری نے اپنی روایت میں کہا ہے کہ ملتحف کے معنی متوشح کے ہیں اور متوشح اس شخص کو کہتے ہیں جو کپڑے کے داہنے گوشہ کو بائیں بغل کے نیچے سے نکال کر داہنی طرف اور بائیں گوشہ کو داہنی طرف بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لے اور اشتمال یعنی دونوں مونڈھوں پر لپیٹنا بھی یہی ہے]

زہری کی اس وضاحت سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ صرف تعبیر کا فرق لفظی ہے معنی اور مصداق سب کا یکساں ہے۔

اشتمال: کی مذکورہ صورت اس وقت اختیار کی جائے گی جب کپڑا ایک ہو اور وہ خوب زائد ہو اور اگر کپڑا کچھ کم ہے تو اس کی صورت گذشتہ سطور میں گذری کہ گردن پر تہبند کی گرہ لگائی جائے، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اگر خالی تہبند میں نماز ادا کی گئی اور مونڈھے پر کچھ بھی کپڑا نہ رہا تو اس میں بے ادبی کا ایک گونہ اظہار ہوتا ہے، لیکن اگر مجبوری ہے تہبند ہی کے بقدر کپڑا ہے زائد کپڑا ہے ہی نہیں تو ایسی صورت میں صرف تہبند میں نماز ادا کی جائے گی، بخاری شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس کا ایک جزیہ ہے:"وان كان ضيقا فاتزر به" [اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کو ازار کی طرح باندھ لینا چاہئے]

فائدہ: بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی ثوب واحد میں نماز پڑھ رہا ہو تو ثوب کی تین ممکنہ

صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی۔

(۱)......ضیق، ایسی صورت میں صرف لنگی کی طرح کپڑا لپیٹ لیا جائے۔

(۲)وسیع، ایسی صورت میں لپیٹ کر گردن پر باندھ لیا جائے۔

(۳)...... اوسع، ایسی صورت میں اشتمال کیا جائے گا، اشتمال کی وضاحت ماقبل میں گذر چکی ہے۔

نماز میں مونڈھا ڈھکنا چاہئے

﴿۶۹۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰی عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَیْءٌ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۵۲/۱، باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۵۹۔مسلم شریف: ۱۹۸/۱، باب الصلوة فی ثوب واحد وصفة لبسه، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۲۷۷۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ اس کے کاندھوں پر اس کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔

تشریح: اگر کوئی شخص صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ کپڑا بڑا ہے تو اس کو محض لنگی کی طرح نہ لپیٹے، بلکہ اشتمال کی جو صورت گذشتہ حدیث میں گذری ہے اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے مونڈھوں کو بھی ڈھانک لے۔

اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بدن کا ایک وافر حصہ ڈھک جائے گا، قرآن مجید کی آیت میں "یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سواٰتکم وریشا" پر عمل بھی ہو جائے گا۔[اے بنی آدم ہم نے تم پر وہ پوشاک اتاری ہے جو تمہاری شرمگاہ کو ڈھانکتی ہے اور آرائش کے کپڑے اتارے ہیں] اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کپڑے کے گر جانے یا کھل جانے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا، نیز ننگی پیٹھ سے باندھ کر نماز پڑھنے میں جو بے ادبی محسوس ہوتی ہے اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ حدیث باب میں جو حکم ہے وہ استحباب پر محمول ہے وجوبی نہیں ہے۔

امام احمدؒ کا مستدل: امام احمدؒ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہے اور گنجائش کے باوجود اس کپڑے کے کنارے کاندھوں پر نہیں پڑے ہیں جس کی وجہ سے شانے کھلے ہوئے ہیں تو ایسی صورت میں نماز ادا نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ نہی مؤکد استعمال کیا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے شانوں کے ساتھ نماز پڑھنا حرام ہو، حاصل یہ ہے کہ امام احمدؒ نے حدیث باب کو نہی تحریمی پر محمول کیا ہے۔

حدیث باب کا جواب: جمہور کے نزدیک نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ یہ نہی تنزیہی ہے؛ لہٰذا اگر ستر ڈھکا ہوا ہے اور مونڈھے ڈھکے ہوئے نہیں ہیں تو بھی نماز ہو جائے گی۔

ایضاً

﴿٧٠٠﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔

(رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ١/٥٢، باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ٣٦٠۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''کہ ایک کپڑے میں جو کوئی نماز پڑھے تو وہ کپڑے کا دایاں گوشہ بائیں طرف اور بایاں گوشہ دائیں طرف ڈال لے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی ماقبل کی احادیث ہی کا مفہوم ہے، صرف لفظی تعبیر کا فرق ہے، مقصد یہی ہے کہ اگر کپڑا ایک ہے اور بڑا ہے تو ستر ڈھانکنے کے بعد مونڈھوں کو بھی اشتمال کی صورت پر ڈھانک لیا جائے۔ اشتمال کی وضاحت گذر چکی۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ علامہ طحاویؒ نے احادیث باب کو جمع کر کے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر کپڑا بڑا ہے تو اس میں اشتمال کیا جائے، اور اگر کپڑا چھوٹا ہے تو لنگی کی طرح اس کو باندھ لیا جائے۔ (فتح الباری: ٢/١٨٦)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "قال (النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم) فان کان واسعا فالتحف به وان کان ضیقا فاتزر به" (بخاری شریف)

منقش کپڑے میں نماز پڑھنا

﴿٧٠١﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ

اِلٰی اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰی اَبِیْ جَهْمٍ وَأْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِیْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِیْ اٰنِفًا عَنْ صَلَاتِیْ۔ (متفق علیه) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِیِّ قَالَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰی عَلَمِهَا وَاَنَا فِی الصَّلٰوةِ فَاَخَافُ اَنْ يَّفْتِنَنِیْ۔

حواله: بخاری شریف: ۵۴/۱، باب اذا صلی فی ثوب له اعلام ونظر الی علمها، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۷۳۔ مسلم شریف:۲۰۸/۱، باب کراهیة الصلوة فی ثوب له اعلام، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۵۵۶۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر چادر کے نقوش پر پڑ گئی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لیجاؤ اور مجھے ابوجہم سے سادہ چادر لا کر دو، اسلئے کہ اس منقش چادر نے ابھی مجھے نماز سے غافل کر دیا۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں فرمایا میں نے اس چادر کے نقش ونگار کی طرف نماز کی حالت میں نظر کی تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ مجھے فتنہ میں نہ ڈال دے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ منقش چادر میں نماز تو ہو جائیگی کیونکہ صحت صلوۃ کیلئے کپڑے کا ساتر اور طاہر ہونا شرط ہے، غیر منقش ہونا شرط نہیں ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسا لباس زیب تن نہ کیا جائے جو نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل انداز ہو۔

وأتونی بانبجانیة: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوجہم رضی اللہ عنہ کی خمیصہ یعنی منقش چادر تو واپس کر دی لیکن ساتھ میں یہ بھی حکم دیا کہ ان سے ''انبجانیه'' چادر لے آؤ، انبجان ایک جگہ کا نام ہے یہاں کی چادر سادی ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے انبجانی چادر اس غرض سے منگوائی تا کہ ابوجہم رضی اللہ عنہ کا ہدیہ واپس کرنے کی وجہ سے ان کی دل شکنی نہ ہو۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اپنے متعلقین کی دل شکنی وغیرہ کا خیال رکھنا چاہئے۔

فانها الهتني : معلوم ہوا کہ ظاہری نقش ونگار نفوس قدسیہ کے اندر بھی اثر کر سکتے ہیں، اور یہ اثر کرنا ان کے باطن کے بہت زیادہ صاف وشفاف ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ سفید کپڑے پر داغ جلد پڑتا ہے اور وہ نمایاں ہوتا ہے۔

اشکالات وجوابات

اشکال: یہاں پر "الهتني انفا" گذرا اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ نقش ونگار والی چادر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور قلب میں موثر ہوگئی، جب کہ آگے بخاری شریف کی دوسری روایت کے حوالہ سے آ رہا ہے: "اخاف ان يفتنني" اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ توجہ بٹنے کا خوف ہوا توجہ ہٹی نہیں، دونوں میں بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے۔

جواب: "الهتني" کے اندر قرب فعل پر فعل کا اطلاق ہے اصل عبارت ہے: "كادت تلهني" یعنی قریب تھا کہ یہ منقش چادر مجھے غافل کر دیتی اور یہی مفہوم "اخاف ان يفتني" کا بھی ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

اشکال: جب یہ منقش کپڑا نماز میں خلل ڈالنے کی وجہ سے فتنہ کا باعث تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند نہیں کیا تو پھر ابوجہم رضی اللہ عنہ کو یہ کپڑا کیوں دیا؟

جواب: (ا)......ابوجہم رضی اللہ عنہ نابینا تھے اس لئے منقش کپڑا ان کے حق میں سامان

فتنہ نہیں تھا۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوجہم رضی اللہ عنہ کے پاس کپڑا بھیجا ہے اس کو پہن کر نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا ہے۔

(۳)...... نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب مبارک بہت مجلی تھا دوسرے لوگوں کا اتنا قلب مجلی نہیں ہے، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جن چیزوں کا اثر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینہ قلب پر ہوا اس کا اثر دوسروں پر بھی ہو۔

تصویر والا کپڑا نمازی کے سامنے ہونا

﴿۷۰۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا سَتَرَتْ بِہٖ جَانِبَ بَیْتِھَا فَقَالَ لَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمِیْطِیْ عَنَّا قِرَامَکِ ھٰذَا فَاِنَّہٗ لَایَزَالُ تَصَاوِیْرُہٗ تُعْرَضُ لِیْ فِیْ صَلَاتِیْ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۵۴، باب ان صلی فی ثوب مصلب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۷۴۔

حل لغات: قرام منقش پردہ، مختلف رنگوں کا موٹا اونی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے، جمع قُرُمٌ، امیطی، امر واحد حاضر، اماط اماطۃ دور کرنا، ہٹانا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک چادر تھی جس سے انہوں نے اپنی کوٹھری کے ایک کنارے کو ڈھانک دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمارے سامنے سے اس پردہ کو ہٹا

دو، کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں برابر میرے سامنے آتی رہی ہیں۔"

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منقش پردے کے سامنے نماز پڑھی دوران نماز منقش پردے کی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی رہی، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میرے سامنے سے یہ پردہ ہٹادو، معلوم ہوا کہ منقش کپڑے کے سامنے نماز ادا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے نماز کے اندر خشوع وخضوع میں کمی آتی ہے، لیکن اگر نماز شروع کردی گئی ہے تو اس کو قطع نہ کرنا چاہئے، نیز منقش کپڑے کے سامنے ادا شدہ نماز صحیح ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ تو اس نماز کا اعادہ کیا اور نہ ہی نماز کو قطع کیا۔

ستر ت بہ جانب بیتھا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کوٹھری کی دیوار یا دروازہ پر پردہ لٹکا دیا، چونکہ اس وقت تک کہ ان کو منقش پردہ کی قباحت معلوم نہیں تھی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو اتار دیا۔

تصویر کا حکم

لایزال تصاویر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کی تصاویر بار بار میرے سامنے آتی رہیں جس سے نماز میں خلل پڑتا ہے، تصویر عام ہے، خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی، ایسی ہو جس کی مشرکین پوجا کرتے ہوں یا وہ تصویر ہو جس کی پوجا نہ کرتے ہوں بہر صورت تصویر کا نماز میں سامنے آنا نماز میں نقصان کا سبب ہے، لہٰذا تصویر دار کپڑے کو نمازی کے سامنے ہرگز نہ رکھنا چاہئے، تصویر کے سامنے ہوتے ہوئے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن مکروہ ضرور ہوتی ہے اسی طرح اگر مصلی کے کپڑے پر تصویر ہے تو بھی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

ریشمی قبا میں نماز

﴿٧٠٣﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اُهْدِیَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِیْرٍ فَلَبِسَهٗ ثُمَّ صَلّٰی فِیْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهٗ نَزْعًا شَدِیْدًا کَالْمَکَارِهِ لَهٗ ثُمَّ قَالَ لَایَنْبَغِیْ هٰذَا لِلْمُتَّقِیْنَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ١/٥٤، باب من صلی فی فروج حریر ثم نزعه، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ٣٧٥۔ مسلم شریف: ٢/١٩٢، باب تحریم استعمال اناء الذهب و الفضة، کتاب اللباس و الزینة، حدیث نمبر: ٢٠٧٥۔

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشم کی ایک قبا ہدیہ میں پیش کی گئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پہنا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح جلدی سے اتار کر الگ کر دیا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے نفرت فرما رہے ہیں اور فرمایا کہ یہ اہل تقویٰ کے لئے مناسب نہیں ہے۔

تشریح: ریشم کا لباس پہننا درست نہیں لیکن اگر کسی نے پہن کر نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، ریشم کا لباس پہنتے ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی قباحت کا ادراک ہو گیا اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً اتار دیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز نہیں دوہرائی معلوم ہوا کہ نماز ہو جائے گی۔

اهدی لرسول الله صلی الله علیه وسلم فروج: "فروج"

اس قبا کو کہتے ہیں جو پیچھے سے بھی تھوڑی کھلی ہو، جنگ اور گھوڑسواری کے لئے یہ نہایت موزوں لباس سمجھا جاتا تھا، علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قبا دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر بن عبدالملک نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ کے طور پر دی تھی۔

ریشم استعمال کرنے کی وجہ

سوال: ریشم تو حرام ہے جیسا کہ اس کی حرمت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**حرم لباس الحرير والذهب على ذكور امتي واحل لاناثهم**" [ریشم اور سونے کا پہننا میری امت کے لئے مردوں پر حرام کردیا گیا ہے، اور عورتوں کے لئے حلال یعنی جائز ہے۔] اب سوال یہ ہے کہ جب ریشم حرام ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیوں پہنا؟

جواب: جس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریشمی قبا پہنی اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ریشم کے حرمت کا علم نہیں ہوا تھا، نماز کے فوراً بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی حرمت کی اطلاع ہوئی لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناگواری کے ساتھ اس کو اپنی جسم سے علیحدہ کردیا، مسلم شریف میں اس کی صراحت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لباس اتارنے کے بعد کہا: مجھے جبرئیل نے اس سے منع کیا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لاينبغي هذا للمتقين**" یعنی ریشمی لباس اہل تقویٰ کے لئے مناسب نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر متقی

ریشم کا لباس پہن سکتا ہے جب کہ گذشتہ سطور میں صراحت کے ساتھ یہ بات گذر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امت کے تمام مردوں کے لئے ریشم پہننا حرام قرار دیا ہے، ان دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: متقی کے دو معنی ہیں:

(۱)......متقی عن المعاصی. [معاصی سے بچنے والا شخص۔]

(۲)......متقی عن الکفر. [کفر سے بچنے والا شخص۔]

متقی عن الکفر: کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے بچا ہوا شخص یعنی مسلمان، یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں اور جب دوسرے معنی مراد ہوں گے تو متقی سے مراد مسلمان ہوگا اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ریشم پہننا درست نہیں اس توجیہ کے بعد کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہے گا۔

(۲)...... دوسرا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک ریشم کی حرمت نہیں ہوئی تھی، حرمت اس کے بعد نازل ہوئی، اس لئے اپنے طور پر ارشاد فرمایا کہ یہ متقیوں کیلئے مناسب نہیں۔

﴿الفصل الثانی﴾

صرف قمیص میں نماز پڑھنا

﴿۷۰۴﴾ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّي رَجُلٌ اَصِيْدُ فَاُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ۔ (رواه ابو داؤد) وَرَوَى

اَلنَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۹۲، باب فی الرجل یصلی فی قمیص واحد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۶۳۲۔نسائی شریف:۱/۸۸، باب الصلوۃ فی قمیص واحد، کتاب القبلۃ، حدیث نمبر:۷۶۴۔

حل لغات: اُزْرُرْ، امر حاضر ہے،زرَّ (ن) زراً الثوب، کپڑے کے بٹن لگانا، شوکۃ، کانٹا،جمع اشواک.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بے شک میں شکاری آدمی ہوں تو کیا میں صرف ایک قمیص میں نماز پڑھ سکتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ ہاں پڑھ سکتے ہو، لیکن قمیص کو بند کرلو، اگرچہ کانٹے ہی کے ذریعہ سے بند کرو۔ (ابوداؤد) نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: انی رجل اصید: سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مجبوری بیان کررہے ہیں کہ میں عام طور پر شکار میں رہتا ہوں، شکار کی حالت میں زیادہ لباس زحمت کا سبب بن جاتا ہے، دوڑنے بھاگنے میں دشواری ہوجاتی ہے، تو کیا میں صرف ایک قمیص پہن کر نماز پڑھ سکتا ہوں۔

نعم وازررہ ولو بشوکۃ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص قمیص پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت تو مرحمت فرمادی، لیکن ساتھ میں یہ بھی حکم دیا کہ قمیص کے گریبان کو بند کرلو، خواہ کانٹے سے ہی کیوں نہ بند کرو۔

حالت نماز میں اپنے ستر پر نظر پڑنا

کیونکہ گریبان کھلا رہنے کی صورت میں رکوع کی حالت میں ستر عورت پر نگاہ پڑنے کا

قوی اندیشہ ہے امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک نمازی کی نگاہ اگر اپنے ستر پر پڑتی ہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے ہمارے یہاں راجح یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے البتہ مکروہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔

ازار لٹکا کر نماز

﴿٧٠٥﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یُصَلِّیْ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَالَكَ اَمَرْتَه اَنْ یَتَوَضَّأَ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ یُصَلِّیْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَایَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ٩٣/ ١، باب الاسبال فی الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ٦٣٨۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی لنگی لٹکا کر نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: ”جاؤ اور وضو کرو، چنانچہ وہ شخص گیا اور وضو کیا، پھر آئے اس پر ایک صاحب بولے کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے ان کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ شخص اپنی ازار لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا، اور جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہوتا ہے، اللہ اس کی نماز نہیں قبول کرتا ہے۔

تشریح: ازراہ تکبر کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا بہت بڑا گناہ ہے ایسے کپڑے

میں اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو فریضہ کی حد تک وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتا ہے، لیکن اس نماز کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی قدر نہیں ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نہ تو اس کی نماز قبول کرتا ہے اور نہ اس پر ثواب عطا کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسبال ازار یعنی تہبند یا پائجامہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا سخت ناپسند فرمایا ہے، چنانچہ ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یاسفیان لا تسبل ازارک فان اللہ لایحب المسبلین" [اے سفیان اپنے تہبند کو اتنا مت لٹکاؤ کہ ٹخنے چھپ جائیں اس لئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ تہبند یا پائجامہ سے ٹخنے چھپانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔]

اسبال ازار کا حکم

علماء نے لکھا ہے کہ یہ کپڑا لٹکانا تکبر کی وجہ سے ہو تب تو حرام ہے، اور اگر غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے ہو تو مکروہ بھی نہیں ہے، جیسا کہ روایات میں آتا ہے: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لنگی ان کے پیٹ کے اندر ہونے کی وجہ سے لٹک جاتی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری لنگی نیچے سرک جاتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا یہ فعل تکبر کی وجہ سے نہیں ہے۔

اسبال ازار کی وجہ سے وضو کا حکم

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسبال ازار کی بناء پر وضو کا حکم کیوں دیا؟

جواب: (۱)......وضو کا حکم اس وجہ سے دیا تا کہ وہ شخص اپنے عمل پر متنبہ ہو اور غور وفکر

کرے، اور غور وفکر کے نتیجے میں اپنی اس غفلت سے باز آئے۔

(۲)......طہارت ظاہری طہارت باطنی کا سبب بنتی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہری طہارت کا حکم دیا تا کہ تکبر کی بنا پر جو ازار لٹکائے ہوئے ہے یہ باطنی خبث ظاہری پاکی کی وجہ سے دور ہو جائے۔

ننگے سر عورت کی نماز

﴿۷۰۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُقْبَلُ صَلٰوةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۹۴/۱، باب المرأة تصلی بغیر خمار کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۴۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر نہیں ہوتی۔

تشریح: بالغہ عورت کی نماز بغیر سر ڈھانکے ہوئے نہیں ہوگی، کیوں کہ عورت کا سر اور اس کے بال ستر عورت میں سے ہیں، لہٰذا سر کھلا ہوا ہے یا ایسے باریک کپڑے سے ڈھانک رکھا ہے جس سے بالوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہے تو نماز کی شرط ستر عورت نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ ہوگی۔

لاتقبل صلوة حائض: حائضہ سے مراد بالغہ عورت ہے، یعنی وہ عورت جو کہ حیض کی عمر کو پہونچ گئی ہو خواہ اس کو حیض آئے یا نہ آئے۔

الا بخمار : چونکہ آزاد عورت کا سارا بدن ستر عورت میں داخل ہے، اس وجہ سے اگر کھلے سر نماز پڑھ رہی ہے تو نماز کی شرط ستر عورت کے مفقود ہونے کی بناء پر نماز صحیح نہیں ہوگی۔ یہاں قبول سے مراد قبول اصابت ہے۔

قبول کے دو معنی

اصل میں قبول کے دو معنی ہیں:

(۱)......قبول اصابت: جس کا مطلب ہے"کون الشی مستجمعا لجمیع الشرائط والارکان" اس معنی کے اعتبار سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اس کا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے تو اب جب کہ اوڑھنی کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی ہے یہی قبول اصابت ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ نماز ادا ہی نہیں ہوئی اور فریضہ جوں کا توں باقی رہا۔

(۲)......قبول کے دوسرے معنی قبول اجابت ہے اس کا مطلب یہ ہے:"وقوع الشیء فی حیز مرضاۃ الرب سبحانہ وتعالیٰ" اس کا نتیجہ آخرت کا ثواب ہے، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:"من شرب الخمر لم تقبل لہ صلوۃ اربعین صباحا" جس نے شراب پی تو اس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ فریضہ تو ساقط ہو جاتا ہے لیکن ثواب نہیں ملتا ہے۔

آزاد عورت اور باندی میں فرق

اوڑھنی کے بغیر آزاد عورت کی نماز قبول نہیں ہے، باندی کی نماز بغیر اوڑھنی کے بھی قبول ہو جاتی ہے، کیوں کہ سر باندی کے حق میں ستر نہیں ہے اس کا ستر تو پیٹ اور پیٹھ کے

اضافہ کے ساتھ مرد کا ستر ہے۔

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر آزاد عورت نے بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہے، لیکن اگر مقدار یسیر یعنی چوتھائی سے کم سر کھلا ہے اور اس حالت میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو گی یا نہیں؟ امام صاحب کے نزدیک مقدار یسیر معاف ہے اس لئے نماز ہو جائے گی، امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں ہو گی۔

عورت کا ایک کپڑے میں نماز پڑھنا

﴿۷۰۷﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا اَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّيْ الْمَرْأَةُ فِيْ دِرْعٍ وَخِمَارٍ لَيْسَ عَلَيْهَا اِزَارٌ قَالَ اِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّيْ ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا۔ (رواہ ابو داؤد) وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ وَقَفُوْهُ عَلىٰ اُمِّ سَلَمَةَ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۹۴/ ۱، باب فی کم تصلی المرأة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۴۰۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورت اس حال میں نماز پڑھ سکتی ہے کہ اس کے جسم پر صرف ایک قمیص اور ایک اوڑھنی ہو؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب قمیص کشادہ ہو کہ وہ عورت کے دونوں قدموں کی پشت کو ڈھانپ لے۔“

تشریح: اتصلی المرأة فی درع وخمار: جمہور کے نزدیک نماز پڑھنے کے وقت عورت کیلئے دو کپڑوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) خمار۔ (۲) قمیص۔

خمار ستر راس کے لئے، اور قمیص باقی تمام بدن کے ستر کے لئے، جمہور نے دو کپڑوں کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بھی تمام بدن کا مستور ہونا ضروری ہے، دو کپڑے ضروری نہیں، چنانچہ اگر سارا بدن صرف ایک کپڑے سے مستور ہو جائے تو بھی نماز ہو جائے گی، بخاری شریف میں روایت ہے: **"کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الفجر فتشھد نساء من المومنات متلفعات بمروطھن ثم یرجعن الی بیوتھن ماعرفھن احد"** [حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھاتے تھے تو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں اسی طرح حاضر ہوتیں کہ وہ سر سے پیر تک چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو اس حال میں واپس ہوتیں کہ کوئی ان کو پہچان نہیں پاتا تھا] روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سارا بدن صرف ایک کپڑے میں ڈھکا ہے تو بھی نماز ہو جائے گی، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی یہ تحقیق نہیں فرمائی کہ عورتیں جو چادر پہنے ہیں ان کے نیچے لباس ہے یا نہیں، جمہور نے دو کپڑوں، اوڑھنی اور قمیص کو ضروری قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ان دونوں لباسوں سے سارا بدن ڈھک جاتا ہے۔

اذا کان الدرع سابغا یغطی ظھور قدمیھا: یعنی ازار کے بغیر صرف کرتے میں نماز پڑھنا اس وقت درست ہے جب کہ کرتا اتنا لمبا ہو کہ وہ قدموں کے پشت کو ڈھانک لے، حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عورتوں کا پشت قدم یعنی قدم کا اوپری حصہ بھی ستر میں داخل ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ عورت کے قدم ستر کے حکم میں داخل نہیں ہیں، حنفیہ کا یہی مذہب ہے، حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے۔

حدیث باب کا جواب

یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک مجہول راوی محمد ہیں جن کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے کہ "لانعرف" نیز اس حدیث کی سند میں اضطراب بھی ہے، بعض لوگوں نے اس کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بعض لوگوں نے موقوفاً روایت کیا ہے، جیسا کہ "وذکر جماعة وقفوه علی ام سلمة" سے معلوم ہو رہا ہے۔

نماز میں منہ ڈھانکنے کی ممانعت

﴿۷۰۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ السَّدَلِ فِی الصَّلٰوةِ وَاَنْ یُغَطِّیَ الرَّجُلُ فَاهُ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۹۴/۱، باب ماجاء فی السدل فی الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۴۳۔ ترمذی شریف: ۸۷/۱، باب کراهیة السدل فی الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل سے منع فرمایا اور اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے منہ ڈھانکے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں مذکور ہیں۔

(۱)......سدل یعنی کپڑے کو غیر معروف طریقہ پر پہننا یا اسکو ٹخنے سے نیچے لٹکانا ممنوع ہے۔

(۴)...... نماز کی حالت میں منہ کا ڈھانکنا ممنوع ہے کیوں کہ آتش پرست اپنے منہ آتش پرستی کے وقت ڈھانکتے تھے اس وجہ سے ان کی مشابہت کرنا ممنوع ہے۔

سدل کا حکم

نھی عن السدل: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سدل سے منع فرمایا ہے: ''سدل'' کیا ہے؟ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں، اس میں تین تفسیریں ہیں:

(۱)...... چادر یا رومال وغیرہ کو اپنے سر یا مونڈھے پر ڈال لیا جائے اور پھر جانبین کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔

(۲)...... ایک کپڑے کو اس طرح اوڑھ لیا جائے کہ دونوں ہاتھ بھی اسکے اندر بندھ جائیں۔

(۳)...... کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکا لیا جائے جس کو اسبال ازار بھی کہتے ہیں جس کی وضاحت گذشتہ احادیث میں گذر چکی ہے، پہلی اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے کراہت کا تعلق نماز کے ساتھ خاص ہے، غیر نماز میں اس قسم کا سدل مکروہ نہیں ہے، جب کہ تیسری تفسیر کے اعتبار سے سدل نماز و غیر نماز دونوں حالتوں میں ممنوع ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر سدل قمیص کے اوپر ہو رہا ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے، کیونکہ سدل کی کراہت مصلی کے اپنی شرمگاہ پر نظر پڑنے کا اندیشہ ہے اور جب قمیص اور ازار وغیرہ پہنے ہوئے ہے تو ایسی صورت میں سدل کرنے سے شرمگاہ پر نظر پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے، لہٰذا سدل بھی مکروہ نہیں ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سدل کی کراہت بہر صورت ہے۔

سدل کے مکروہ ہونے کی علت

کیوں کہ سدل کے مکروہ ہونے کی علت ان حضرات کے نزدیک خلاف معروف

طریقہ پر لباس کا استعمال ہے، بلکہ اہل کتاب سے مشابہت کی کراہت کی علت ہے، چنانچہ معارف السنن میں علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے قمیص وازار کے اوپر سدل کو مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے تو اگر سدل بغیر پائجامہ پہنے ہے تو اس کی کراہت رکوع کے وقت کشف عورت کے احتمال کی وجہ سے ہے اور اگر ازار کے ساتھ سدل ہے تو اس کی کراہت اہل کتاب سے مشابہت کی وجہ سے ہے، خلاصہ یہ ہے کہ سدل مطلقاً مکروہ ہے تکبر کی وجہ سے ہو تو بھی مکروہ ہے اور بغیر تکبر کی وجہ سے ہے تو بھی مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں بغیر کسی تفصیل کے سدل کی مطلقاً ممانعت وارد ہے۔ (معارف السنن: ۳/۴٦۳)

نماز میں منہ ڈھانکنا

ان یغطی الرجل فاہ: دوران نماز منہ ڈھانکنا بھی ممنوع ہے، عرب کے لوگ عمامہ باندھتے تھے تو اس کا کونہ منہ پر لپیٹ لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا، کیونکہ اس کی وجہ سے قراءت وسجدہ میں دشواری ہوتی ہے نیز یہ آتش پرستوں کا طریقہ ہے، آتش پرستوں کے بارے میں آتا ہے: **"فانهم يتلثمون في عبادتهم النار"** [آتش پرست آتش پرستی کے وقت اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کرتے تھے] ان قباحتوں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منہ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر کسی شخص کے منہ سے بو آتی ہو اور وہ اس وجہ سے منہ ڈھانکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جوتے پہن کر نماز پڑھنا

﴿۷۰۹﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَايُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَاخِفَافِهِمْ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۹۵، باب الصلوة فی النعل، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۵۲۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہودیوں کی مخالفت کرو، اس لئے کہ وہ نہ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور نہ موزے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔''

تشریح: جوتے اگر پاک ہوں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر یہود کی مخالفت کی نیت سے جوتے پہن کر نماز پڑھی جارہی ہے تو یہ عمل مخالفت یہود کی بنا پر فضیلت میں بڑھ جائے گا، بلکہ عزیمت میں سے شمار ہوگا۔

خالفوا الیھود: یہود کی مخالفت کرو، یہود جوتے پہن کر نماز پڑھنا بہت معیوب سمجھتے تھے، ایسا وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا: ''اِخْلَعْ نَعْلَیْکَ'' [اپنے نعلین اتار دیجئے۔]

حقیقت یہ ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا مباح ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوتے پہن کر نماز پڑھی بھی ہے، چنانچہ ابو داؤد شریف میں روایت ہے: ''کان یصلی حافیا و متنعلا'' اور اس حدیث میں یہودیوں کی مخالفت کی بنا پر جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم بھی ہے، اگر چہ وجوب کے لئے نہیں ہے، بلکہ اباحت کے لئے ہے، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی یوں وضاحت بھی منقول ہے: ''من شاء ان یصلی فی نعلیه فلیصل فیهما و من شاء ان یخلع فلیخلع'' [جس کا جی چاہے جوتے پہن کر نماز پڑھے اور جس کا جی چاہے جوتے اتار کر نماز پڑھے] لیکن مخالفت یہود کے ارادہ سے اگر کوئی شخص اس پر عمل

کررہا ہے تو بہتر عمل ہے۔

علامہ سہارنپوریؒ نے لکھا ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم یہودیوں کی مخالفت کی بنا پر ہے، ہندوستان میں نصاریٰ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں لہٰذا اس دور کے اعتبار سے جوتے اتار کر ہی نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اسی میں نصرانیوں کی مخالفت ہے۔ واللہ اعلم

جوتے میں اگر گندگی لگی ہے تو اتار دینا چاہئے

﴿۷۱۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی بِاَصْحَابِہٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْہِ فَوَضَعَھُمَا عَنْ یَسَارِہٖ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَھُمْ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَاتَہٗ قَالَ مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی اِلْقَائِکُمْ نِعَالَکُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاکَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْکَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْھِمَا قَذِرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی فِیْ نَعْلَیْہِ قَذِرًا فَلْیَمْسَحْہُ وَلْیُصَلِّ فِیْھِمَا۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۹۵، باب الصلوۃ فی النعل، کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۶۵۰۔ دارمی: ۱/۳۷۰، باب الصلوۃ فی النعلین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۳۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس وقت جبکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے، اچانک آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی جوتیاں اتاریں، اور ان کو اپنے بائیں طرف رکھ دیا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پوری کر چکے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اپنے جوتے نکالنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جوتے اتار دیئے تو ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ ان دو جوتوں میں گندگی لگی ہوئی ہے تم میں سے جب کوئی شخص مسجد آئے تو چاہئے کہ وہ نظر ڈال لے، پس اگر اپنے جوتوں میں کوئی گندگی دیکھے تو اس کو پوچھ لے اور جوتے پہن کر نماز پڑھے۔

تشریح: فوضعهما عن يساره: حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوتے پہن کر نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دیئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دیئے، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس میں امت کو تعلیم دینا ہے کہ ضرورت پڑنے پر جوتے بائیں جانب رکھنا چاہئے نہ کہ دائیں جانب۔ صاحب مرقاۃ کہتے ہیں کہ اس میں دوران صلوۃ عمل قلیل کے جواز کی بھی دلیل ہے۔

القوا نعالهم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوتے اتارتے دیکھا اسی وجہ سے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے وجوب پر دلیل ہے، اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جوتے اتارنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے اس کا سبب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع قرار دیا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اتباع سے روکا نہیں بلکہ ان کو اس پر برقرار رکھا، البتہ اپنے اس عمل کے کرنے کی وجہ ذکر کی۔

اتاني جبرئيل: میں نے جوتے اس وجہ سے اتار دیئے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آکر بتایا کہ میرے جوتے میں گندگی لگی ہے۔ "قـذر" سے مراد یا تو وہ چیز ہے جس سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہے اور حقیقت میں وہ نجس نہیں ہوتی، مثلاً بلغم، رینٹھ وغیرہ یا پھر "قـــذراً" سے مراد نجاست ہے لیکن چوں کہ وہ نجاست بہت قلیل مقدار میں لگی تھی اور قلیل مقدار معاف ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو نماز ادا کر لی تھی اس کا اعادہ نہیں کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اطلاع دینے کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے اس گندگی کے ساتھ سجدہ میں جاتے وقت ملوث نہ ہوں یا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر اس لئے اطلاع کر دی تا کہ نماز کامل طریقہ پر ادا ہو اور خبر کرنے میں تاخیر کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امت جان لے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کی اشیاء کا علم بس اسی قدر تھا جتنا اللہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔

اذا جاء احدكم المسجد: جب کوئی شخص مسجد آئے تو اچھی طرح اپنے جوتوں کو دیکھ لے، اگر کسی قسم کی گندگی لگی ہے تو اس کو صاف کر لے تا کہ مسجد اس کی گندگی سے ملوث نہ ہو۔

وليصل فيهما: جوتے میں اگر کوئی نجاست نہیں لگی ہے یا اگر کوئی گندگی لگی ہے تو اس کو پوچھ کر صاف کر لیا ہے تو اب جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، قاضی عیاض نے حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر جوتا نجس ہے اور اس کو زمین

پر رگڑ لیا گیا ہے تو وہ پاک ہوجاتا ہے، ہمارا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر نجاست ذی جرم ہے مثلاً پاخانہ وغیرہ تو اچھی طرح بالو یا مٹی سے رگڑ لیا گیا تو پاک ہوجائے گا، لیکن اگر نجاست غیر ذی جرم ہے مثلاً شراب یا پیشاب جوتے پر لگ گیا تو پھر جوتے کا دھلنا ضروری ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۷)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱)...... اگر جوتے پر کوئی ایسی چیز لگی ہے جس سے طبیعت سلیمہ گھن کرتی ہے تو جوتا اتار کر نماز پڑھنا بہتر ہے، لیکن اگر کسی نے ایسی چیز کے لگے رہنے کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی، دیکھئے حدیث مذکور میں جبرئیل علیہ السلام نے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوتے میں کچھ گندگی لگی ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جوتے اتار دیئے لیکن جس قدر نماز پڑھ چکے تھے اس کا اعادہ نہیں فرمایا۔

(۲)...... جب تک کسی عمل کے بارے میں صراحت کے ساتھ نہ معلوم ہوجائے کہ یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اس وقت تک کہ ہر عمل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے گی، دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوتیاں اتارتے ہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں جوتیاں اتارنے کا سبب جاننے اور بوجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر نکیر بھی نہیں فرمائی۔

جوتوں کو اپنے پیروں کے درمیان رکھنا چاہئے

﴿۷۱۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلَا عَنْ يَسَارِهٖ فَتَكُوْنُ عَنْ يَمِيْنِ غَيْرِهٖ اِلَّا اَنْ لَا يَكُوْنَ عَلٰى يَسَارِهٖ اَحَدٌ وَلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَوْ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا۔ (رواه ابو داؤد) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ۔

حواله: ابو داؤد شریف: ۹۶/ ۱، باب المصلی اذا خلع نعلیه این یضعهما، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۶۵۴۔ ابن ماجه شریف: ۱۰۳، باب ماجاء فی این توضع النعل اذا خلعت فی الصلوة، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر:۱۴۳۲۔

تنبیه: ابن ماجہ میں الفاظ حدیث میں کافی تغیر ہے۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے جوتے کو نہ اپنی دائیں جانب رکھے اور نہ اپنے بائیں جانب رکھے، کیونکہ بائیں جانب رکھنے کی صورت میں دوسرے آدمی کے دائیں جانب رکھنا ہوگا ہاں اگر کوئی اس کے بائیں جانب نہ ہو، اور چاہئے کہ جوتیوں کو دونوں پاؤں کے درمیان رکھے، اور ایک روایت میں ہے کہ جوتیاں پہنے ہوئے نماز پڑھ لے۔“ (ابوداؤد) ابن ماجہ نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: فلا یضع عن یمینه ولا عن یساره: اگر کوئی ضرورت پڑ جائے تو جوتا بائیں جانب رکھ لے، لیکن اگر ضرورت نہیں ہے تو جوتا پہن کر نماز پڑھے، دائیں بائیں نہ رکھے، اگر رکھنا ہی ہے تو سامنے رکھے، ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جوتا اتار کر نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ اپنے جوتا سے کسی کو تکلیف میں مبتلا نہ کرے، دونوں جوتے اپنے پیروں کے درمیان میں رکھے، آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا کہ اپنے پیچھے رکھ لے، اس لئے کہ پیچھے رکھنے کی صورت میں ہر وقت یہ خدشہ رہے گا کہ اس کو کوئی چرا نہ لے اور اس خدشہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں خشوع وخضوع جاتا رہے گا۔

او لیصلی فیھما: اگر جوتے پاک ہیں تو جوتے پہن کر بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔(مرقاۃ:۲/۲۳۸)

﴿الفصل الثالث﴾

زمین پر کوئی چیز بچھا کر نماز پڑھنا

﴿۷۱۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْ عَلٰی حَصِیْرٍ یَسْجُدُ عَلَیْهِ قَالَ وَرَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ۔ **(رواہ مسلم)**

حوالہ: مسلم شریف:۱/۱۹۸، باب الصلوۃ فی ثوب واحد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۵۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی پر سجدہ کر رہے ہیں، راوی (ابوسعید خدری) کہتے ہیں میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک کپڑے کو اشتمال کے طریقہ

پرڈال کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں مذکور ہیں۔

(۱)......زمین پر کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲)......ایک کپڑے کو اشتمال کی صورت پر لپیٹ کر بھی نماز پڑھنا جائز ہے، اشتمال و توشح ایک ہی چیز ہے۔

فرأیته یصلی علی حصیر یسجد علیه: راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ایسی چیز پر نماز پڑھنا جو مصلی اور زمین کے درمیان حائل ہو جائز ہے، قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ زمین پر نماز پڑھنا افضل ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً سخت گرمی یا سخت جاڑا ہے، یا زمین پر نجاست ہے تو کوئی چیز بچھا کر ہی نماز پڑھنا چاہئے، شرح مدیہ میں ہے کہ زمین پر اور اس چیز پر جو زمین سے اگنے والی شی سے بنی ہوئی ہے مثلاً چٹائی پر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس وجہ سے کہ اسمیں تواضع وانکساری زیادہ ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۳۸)

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے لئے مٹی لائی جاتی تھی، وہ اس کو بوریے پر رکھتے اور اس پر سجدہ فرماتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایسا غایت خشوع اور تواضع کی وجہ سے کرتے تھے، اس کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے، لیکن اگر کپڑا وغیرہ بچھا کر سجدہ کیا تو بھی اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک زمین کے علاوہ کسی دوسری جنس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔

وفی ثوب واحد الخ: ایک کپڑے سے متعلق تفصیل اوپر گذر چکی۔

ننگے پاؤں نماز پڑھنا

﴿۷۱۳﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَمُتَنَعِّلًا۔

(رواه ابو داؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۹۵/۱، باب الصلوة فی النعل، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۵۳۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ننگے پاؤں نماز پڑھتے ہیں اور کبھی جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح: جوتے اگر پاک ہیں تو ان کو پہن کر بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور اتار کر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، دونوں طرح نماز پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔

بہتر یہی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو رخصت قرار دیا ہے۔

صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنا

﴿۷۱۴﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُنْكَدِرٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ

عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۵۱، باب عقد الازار علی القفا فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۵۲۔

حل لغات: المشجب، کھونٹی وغیرہ، جس پر کپڑے لٹکائے جائیں، یا لکڑی کا اسٹینڈ، جمع مشاجب۔

ترجمہ: حضرت محمد بن منکدرؒ سے روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک تہبند میں نماز پڑھی جس کی گرہ انہوں نے اپنی گردن پر لگائی تھی، جب کہ ان کے کپڑے سہ پایہ لکڑی پر رکھے ہوئے تھے، کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ آپ نے ایک ہی تہبند میں نماز پڑھ لی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ایسا صرف اس لئے کیا تا کہ مجھ کو تم جیسا بے وقوف دیکھ لے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟

تشریح: ایک تہبند باندھ کر اگر نماز ادا کی گئی تو نماز ادا ہو جائے گی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے باوجود اس کے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کپڑے موجود تھے صرف ایک ازار باندھ کر نماز پڑھی اور کسی کے ٹوکنے پر بتایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں اکثر صحابہؓ کپڑے کی قلت کی بنا پر ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے۔

سوالات وجوابات

سوال: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تہبند کو اٹھا کر گردن پر گرہ کیوں لگائی تھی؟

جواب: رکوع وسجدہ میں تہبند کے کھینچ کر کھل جانے کا اندیشہ تھا اور کشف عورت کا احتمال تھا، لہذا آپ رضی اللہ عنہ نے لنگی کے سرے کو گردن پر باندھ لیا۔

سوال: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس کپڑے تھے، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز کیوں ادا کی؟

جواب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایسا لوگوں کو مسئلہ بتانے کے لئے کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ صرف ایک کپڑے میں بھی نماز ہو جاتی ہے۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی عمل میں ترک سنت دیکھ کر ان سے بدگمان ہونا یا ان پر لعن طعن کرنا درست نہیں ہے، یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ مقدس جماعت سنتوں کی سب سے زیادہ حریص جماعت ہے، اس سے اگر کوئی سنت کے خلاف عمل ہو رہا ہے تو وہ یا تو بیان جواز کے لئے ہوگا یا کسی مجبوری کی بنا پر ہوگا۔ علماء امت کا اجماع ہے کہ نماز دو کپڑوں میں پڑھنا افضل ہے، لیکن دو کپڑوں کا استعمال فرض نہیں ہے، ایک کپڑے میں بھی نماز ہو جاتی ہے، اللہ کے نبی حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں بھی نماز پڑھنا ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا بیان جواز کے لئے کیا یا پھر دوسرا کپڑا نہ ہونے کی بنا پر کیا۔

دو کپڑوں میں نماز پڑھنا

﴿۷۱۵﴾ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ الصَّلٰوۃُ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّۃٌ کُنَّا نَفْعَلُہٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَایُعَابُ عَلَیْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا کَانَ ذٰلِکَ اِذْ

كَانَ فِيْ الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَلَمَّا إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَالصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكىٰ۔

(رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۵/۱۴۱.

ترجمه: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو منع نہیں فرماتے تھے، اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ کپڑوں کی قلت تھی جب اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمادی تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا جائز ہے لیکن افضل کم از کم دو کپڑوں میں نماز ادا کرنا ہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب السترة

اس باب میں سترہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں، اور اس باب میں اٹھارہ احادیث مبارکہ ہیں۔

رقم الحدیث:......٧١٦ تا ٧٣٣۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب السترة

(سترہ کا بیان)

سترة جمع سُتَر روک یا آڑ کو کہتے ہیں۔ جسے نمازی اپنے سامنے کی جانب گذرنے والوں سے نماز کی حفاظت کے لئے قائم کر لیتا ہے تا کہ کسی کے سامنے گذرنے سے اس کے خشوع وخضوع میں فرق نہ آئے، اور اس کی توجہ دوسری طرف مبذول نہ ہو۔

نمازی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ ممانعت

سترہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے اس کی تین وجہیں ہیں:

(۱)...... **حق شعائر:** نماز شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے، لہٰذا جو شخص نمازی کے سامنے سے گذرتا ہے وہ شعائر اللہ کی توہین کرتا ہے۔

(۲)...... **حق نماز:** جس طرح آقا کے سامنے اس کے غلام باادب کھڑے ہوتے ہیں اور دست بستہ حاضری دیتے ہیں اسی طرح نماز میں بھی ان کی مشابہت اختیار کرنا پیش

نظر ہے، نماز کی تعظیم میں سے یہ بات ہے کہ کوئی نمازی کے سامنے سے نہ گذرے کیونکہ آقا اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے غلاموں کے بیچ سے گذرنا بڑی بے ادبی کی بات ہے۔

(۳)......**حق نمازی:** نمازی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ سے کبھی نمازی کا دل پراگندہ ہو جاتا ہے اور اس کی نماز کا سارا لطف ختم ہو جاتا ہے۔

سترہ قائم نہ کرنے کی وجہ سے یہ تین بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں اس لئے ایک طرف نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا اور دوسری طرف نمازی کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ سترہ قائم کرلے۔

سترہ سے متعلق چند احکام ومسائل

(۱)......سترہ قائم کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہے، بعض لوگوں نے امام احمدؒ کی طرف وجوب کی نسبت کی ہے۔

(۲)......سترہ کی مقدار لمبائی میں کم از کم ایک ذراع اور موٹائی میں کم از کم ایک انگلی ہونا چاہئے، حدیث میں آتا ہے: **"مثل مؤخرة الرحل واما عرضا فقیل ینبغی ان یکون فی غلظ اصبع"**

(۳)......سترہ نہ ہونے کی صورت میں مصلی کے سامنے سے نہ گذرنے کا حکم ہے کتنی دور سے گذرا جائے؟

جمہور علماء اس کی مقدار تین ذراع کے بقدر بتلاتے ہیں جو کہ تقریباً نماز پڑھنے والے کے محل قیام سے موضع سجود تک ہے اگر کوئی کھلے میدان یا صحرا میں گذر رہا ہے تو موضع سجود کے سامنے سے گذرنا درست ہے، مسجد کے اندر مصلی کے سامنے سے

مطلقاً گذرنا ممنوع ہے، بعض لوگوں نے مسجد صغیر اور کبیر میں فرق کیا ہے، مسجد صغیر میں تو مطلقاً گذرنا ممنوع قرار دیا ہے، اور مسجد کبیر کو صحرا کے حکم میں رکھا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں بغیر ارادہ کے زمین کے جس حصہ تک نظر پڑتی ہے وہ حصہ حریم مصلی ہے اتنی دور سے گذرنا درست نہیں، اس کے آگے سے گذرا جا سکتا ہے۔

(۴)......نمازی اور سترہ کے درمیان کم سے کم فاصلہ ہونا بہتر ہے تا کہ گذرنے والوں کے لئے راستہ تنگ نہ ہو اور ان کو دقت نہ ہو۔

(۵)......سترہ قائم کرنے میں حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ کھلی جگہ میں بغیر سترہ کے نگاہ ایک جگہ ٹھہرتی نہیں، سترہ قائم کیا جائے گا تو نگاہ اور خیال مجتمع رہیں گے، نیز سترہ قائم رہے گا تو کوئی اس کے سامنے سے گذرے گا نہیں۔

(۶)......نمازی کے سامنے سے اگر کوئی شخص گذرے تو ہاتھ کے اشارے یا تسبیح کے ذریعہ روکنا مستحب ہے۔

(۷)...... جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا، مقتدیوں کے لئے الگ سے سترہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۸)......ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی مصلی کے سامنے بیٹھا ہو تو اس کا اٹھکر جانا جائز ہے، کیونکہ یہ مرور نہیں نہوض ہے۔

تنبیہ: مسجد صغیر وہ ہے جو چالیس ذراع سے کم ہو اس میں مصلی کے سامنے سے مطلقاً گذرنا ممنوع ہے۔ کما مر.

﴿الفصل الاول﴾

آنحضرت ﷺ کے سترہ کا ذکر

﴿۷۱۶﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْا إِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۳۳/ ۱، باب حمل العنزة، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح عیدگاہ تشریف لے جاتے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نیزہ لیجایا جاتا تھا، جو عیدگاہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے گاڑ دیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدگاہ نماز پڑھنے کی غرض سے جاتے تو ایک خادم نیزہ لے کر جاتا تھا اس نیزہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے گاڑ دیا جاتا تھا، یہی نیزہ سترہ ہوتا تھا، اس کے گاڑنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا خیال ادھر ادھر نہ جائے، اور لوگ نمازی کے سامنے سے گذرنے کے نتیجے میں جو گناہ ہوتا ہے اس گناہ سے بچ جائیں۔

فوائد: نیزہ ساتھ لیجانے میں متعدد فوائد تھے۔

(۱)...... پیشاب کے لئے جگہ اگر سخت ہو اس کو نرم کر لینا۔

(۲)......ڈھیلے توڑ کر چھوٹے کر لینا۔

(۳)......راستہ خراب ہو یا پانی وغیرہ ہو اس پر سہارا لگا کر گذر جانا۔

(۴)......موذی جانوروں سے حفاظت۔

(۵)......دشمنوں سے حفاظت۔

سترہ کے آگے سے گذرنا

﴿۷۱۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْاَبْطَحِ فِیْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَاَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَیْتُ النَّاسَ یَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَیْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ یُصِبْ مِنْهُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ یَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰی اِلَی الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَیْنِ وَرَاَیْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ یَمُرُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ الْعَنَزَةِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۵۴/ ۱، باب الصلوة فی الثوب الاحمر، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۷۶۔ مسلم شریف: ۱۹۵/ ۱۹۶/ ۱، باب سترة المصلی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۰۳۔

ترجمه: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھا جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ابطح" میں

چمڑے کے سرخ خیمے میں تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لئے ہوئے تھے اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے ہیں اور جس شخص کو اس پانی کا کچھ حصہ مل جاتا ہے وہ اس کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے اور جس کو اس پانی میں سے کچھ نہیں ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری میں سے کچھ حاصل کرتا ہے، پھر میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک نیزہ لئے ہوئے ہیں اور انہوں نے اس نیزہ کو گاڑ دیا، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرخ جوڑے میں دامن اٹھائے ہوئے باہر تشریف لائے اور نیزہ کو سترہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور چوپائے اس نیزہ کے سامنے سے گذر رہے تھے۔

تشریح: وهو بالابطح: "ابطح" مکہ کی اس وادی کا نام ہے جو شہر کے بالائی سرے پر جنۃ المعلا کے قریب ہے اور ادھر ہی سے گذر کر منی کو راستہ جاتا ہے، اسی کو محصب کہا جاتا ہے، یہ وادی چونکہ سیلاب کی پہاڑی گذرگاہ ہے اور اس حصہ میں سنگریزے بہت ہیں اسلئے اس کو ابطح کہتے ہیں، اور بطحاء اور ابطح کے لغوی معنی ہیں نالے کی نرم پتھریاں۔

ورأيت الناس يبتدرون ذلك الوضوء: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو سے بچا ہوا پانی مراد ہے، لوگ اس پانی کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

في حلة حمراء: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے، حافظؒ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے اس وجہ سے کہ حنفیہ سرخ جوڑا مردوں کے لئے استعمال کرنا مکروہ قرار دیتے ہیں، سچائی یہ ہے کہ حافظؒ کا یہ فرمانا درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ عینیؒ نے حافظ کی اس بات کا بھرپور

تعاقب کیا ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خالص سرخ رنگ کا کپڑا زیب تن نہیں کیا تھا، بلکہ ایسا کپڑا پہنا تھا جس پر سرخ دھاریاں تھی، ان ہی دھاریوں کی وجہ سے اس کو سرخ کپڑا کہا گیا، اور سرخ دھاریوں دار کپڑا حنفیہ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔

تنبیہ: اس تقریر سے وہ اشکال بھی ختم ہوگیا کہ سرخ رنگ کا استعمال مردوں کے لئے ممنوع ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرخ رنگ کا حلہ کیوں استعمال فرمایا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ممانعت خالص سرخ کی ہے، اور جو حلہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا وہ خالص سرخ نہیں تھا، بلکہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں، اس لئے وہ ممنوع نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب تک سرخ رنگ کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ فقط

فائدہ: اس حدیث شریف سے تین باتیں خاص طور سے معلوم ہوتی ہیں:

(۱)......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت وتعلق رکھتے تھے اور اسی محبت وتعلق کا نتیجہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو بھی باعث برکت سمجھتے تھے اور اس کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

(۲)......سرخ دھاری دار کپڑا پہننا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳)......اگر سترہ نصب کیا گیا ہے تو سترہ کے آگے سے گذرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

جانور کو سترہ بنانا

﴿۷۱۸﴾ وَعَنْ نَافِعٍ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْرِضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا۔ (متفق علیه) وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قُلْتُ أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ فَيُصَلِّيْ إِلَى آخِرَتِهِ۔

حواله: بخاری شریف: ۷۲/۱، باب الصلوۃ الی الراحلۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۷۔ مسلم شریف: ۱۹۵/۱، باب سترۃ المصلی، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۲۔

ترجمه: حضرت نافع ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو عرض یعنی چوڑائی میں بٹھاتے تھے، پھر اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم) بخاری کی روایت میں مزید یہ الفاظ ہیں نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا جب سواری حرکت کرنے لگتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کجاوا لیتے اس کو اپنے سامنے سیدھا رکھتے پھر اس کی پچھلی لکڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

تشریح: نمازی کو اختیار ہے وہ جس چیز کو چاہے سترہ کے طور پر استعمال کرلے، حیوان ہو یا غیر حیوان درخت ہو یا لکڑی، ہر چیز سترہ کے طور پر استعمال ہو سکتی ہے، اس حدیث میں دو چیزوں کے سترہ بنانے کا صراحتاً تذکرہ ہے:

(۱)......حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اونٹنی کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔

(۲)......سواری کے قابو میں نہ ہونے کے وقت کجاوہ کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔

کان یعرض راحلته فیصلی الیها: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سواری کو چوڑائی میں بٹھاتے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس

سے معلوم ہوا کہ حیوان کو سترہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی ہے، ابوداؤدشریف کی ایک حدیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے الفاظ حدیث یہ ہیں: "**ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یصلی الی بعیرۃ**" [حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اونٹ کی طرف رخ کرکے نماز ادا فرماتے تھے۔] حیوان کو سترہ بنانے کے سلسلہ میں امام مالکؒ وامام شافعیؒ سے کراہت کا قول منقول ہے، اور امام احمدؒ کا مذہب حنفیہ کے مطابق ہے، امام بخاریؒ کا رجحان بھی جواز بلا کراہت محسوس ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو جس باب کے تحت ذکر کیا ہے اس کا عنوان یوں قائم کیا ہے: "**باب الصلوۃ الی الراحلۃ والبعیر والشجر والرحل**" باب میں اونٹنی، اونٹ، درخت اور کجاوہ کو سترہ کے طور پر ذکر کرکے انہوں نے توسع کی طرف اشارہ کیا ہے، حدیث باب میں اونٹنی کو سترہ بنانے کا تذکرہ صراحۃً ہے۔ جس سے اونٹ کا حکم بھی معلوم ہوگیا، اسی طرح لکڑی کے کجاوہ کا صراحۃً ذکر ہے اس سے درخت کا حکم بھی معلوم ہوگیا، ایسے ہی ابوداؤد کے حوالہ سے گذشتہ سطور میں وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں اونٹ کو سترہ بنانے کا صراحۃً تذکرہ موجود ہے اور درخت کو سترہ بنا کر نماز پڑھنے کا تذکرہ نسائی شریف میں صراحۃً یوں ہے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں: "**لقد رأینا یوم بدر ومافینا انسان الا نائم الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانہ کان یصلی الی شجرۃ یدعو حتی اصبح**" [میں نے غزوہ بدر والی رات میں دیکھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ ہم میں سے ہر کوئی سوگیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درخت کو سترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح تک دعا میں مشغول رہے۔

پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے لئے سترہ بنانے میں توسع ہے جو چیز چاہے نمازی سترہ کے طور پر استعمال کرے۔

افرأیت اذا ھبت الرکاب: حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اگر سواری کا جانور اٹھ کر چلا جاتا یا بے قابو ہونے کی وجہ سے بیٹھتا ہی نہیں یا پانی وغیرہ پینے چلا جاتا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے؟

کان یأخذ الرحل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایسی صورت میں کجاوہ کو سامنے رکھ کر اس کی پچھلی لکڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

الی آخرتہ: کجاوہ میں دو لکڑیاں ہوتی ہیں:

(۱)......آگے کی لکڑی جسے پکڑ کر سوار بیٹھتا ہے۔

(۲)...... پیچھے کی لکڑی جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی پیچھے والے حصہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

سترہ کے آگے سے گذرنے میں کوئی حرج نہیں

﴿۷۱۹﴾ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤَخِّرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ۔ **(رواہ مسلم)**

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۵، باب سترۃ المصلی، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے کوئی چیز سترہ کے طور پر رکھ لے، مثال کے طور پر کجاوہ کی پچھلی لکڑی رکھ لے تو اب وہ نماز پڑھے اور

اس سترہ کے سامنے سے گذرنے والے کی پرواہ نہ کرے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱)......سترہ قائم ہونے کے بعد اگر سترہ کے آگے سے کوئی گذر رہا ہے تو اس صورت میں نمازی کے خشوع وخضوع میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، لہٰذا نمازی کو گذرنے والے کی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔

(۲)......سترہ کے آگے سے گذرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے اس سے تعرض کرنے سے منع کیا ہے۔

ولایبال من مرور ذلک: اگر کوئی نمازی کے سامنے سے گذرے تو گذرنے والے کو اشارہ یا تسبیح سے روکنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے، لیکن اگر نمازی نے سترہ قائم کر رکھا ہے تو سترہ کے سامنے سے گذرنے والے کو گذرنے سے نہ روکے، کیوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ

﴿۷۲۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ جُهَیْمٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ الْمَارُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْهِ لَکَانَ اَنْ یَّقِفَ اَرْبَعِیْنَ خَیْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْهِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِیْ قَالَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ سَنَةً۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۷۳، باب اثم المار بین یدی المصلی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۰۔ مسلم شریف: ۱/۱۹۷، باب منع المار بین

یدی المصلی، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۰۷۔

ترجمہ: حضرت ابوجہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جان لے کہ اس کا گناہ کتنا ہے تو وہ نمازی کے سامنے سے گذرنے سے چالیس سال تک کھڑا رہنا بہتر سمجھے۔ ابونضر کہتے ہیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ چالیس دن فرمایا تھا یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اپنے اس عمل کی بناپر ہونے والے نقصان کا علم ہو جائے تو چالیس برس تک ٹھہرے رہنے کو گذرنے پر ترجیح دے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

علامہ نوویؒ نے نمازی کے سامنے سے گذرنے کو حرام قرار دیا ہے اس حدیث میں ایک لطیف پیغام یہ بھی ہے کہ اگر کوئی غلطی سے نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے اور نمازی نے اس کو روک دیا تو گذرنے والے کو برا ماننے کے بجائے شکر گذار ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس نے بہت بڑے خسارہ سے بچالیا ہے۔

لو یعلم المار: اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اپنے اس عمل پر ملنے والے گناہ اور عذاب کا علم ہو جائے۔

علم سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

(۱)......علم سے تفصیلی علم مراد ہے یعنی نمازی کے سامنے سے گزرنے کی بناپر جو عذاب اور گناہ ملتا ہے اس کی مکمل تفصیلات کا علم ہو جائے۔

(۲)......علم مشاہدہ مراد ہے یعنی اس عمل کی بناپر جو عذاب ملتا ہے اس کو دکھا دیا جائے۔

حاصل یہ نکلا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا یا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ عذاب کی

تفصیلات نہیں معلوم یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ عذاب کا مشاہدہ نہیں ہوا، اگر عذاب کا تفصیلی علم ہو جائے یا عذاب کا مشاہدہ ہو جائے تو آدمی کو چالیس سال تک کھڑا رہنا پڑے تو کھڑا رہے لیکن نمازی کے سامنے سے نہ گذرے، حدیث کے اس جز کا مقصد نمازی کے سامنے سے گذرنے کو روکنا اور اس کی قباحت وشناعت کو بیان کرنا ہے۔

چالیس سے مراد

چالیس سے کیا مراد ہے؟ راجح قول یہی ہے کہ چالیس سے مراد چالیس سال ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں "مائة عام" [سو سال] کی صراحت ہے؛ لہٰذا یہاں بھی چالیس سے چالیس سال مراد ہے، چالیس اور سو دونوں طرح کی روایات میں تعارض نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ بات مشہور ہے، مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت کا ذکر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں: "**قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لو یعلم احدکم ماله فی ان یمر بین یدی اخیه معترضا فی الصلوة کان لان یقیم مائة عام خیر له من الخطوة التی خطاها**".

(ابن ماجہ) [حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اس کو اپنے بھائی کے سامنے سے گذرنے پر کیا گناہ ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک قدم چلنے کے مقابلہ میں سو سال تک کھڑا رہنا بہتر ہوگا۔]

نماز میں سامنے سے گذرنے والے کو روکنا

﴿۷۲۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی شَیْءٍ

يَسْتُرُهٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ۔

حواله: بخاری شریف: ۷۳/۱، باب يرد المصلي من مر بين يديه، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۵۰۹۔مسلم شریف: ۱۹۷/۱، باب منع المار بين يدي المصلي، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۵۰۵۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جس کو اس نے لوگوں سے آڑ بنا رکھا ہو تو اگر کوئی شخص اس کے سامنے سے گذرنا چاہے تو اس کو باز رکھنا چاہئے، تو اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کرے، کیونکہ یہ شیطان ہے۔ روایت کے یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں، اور مسلم شریف نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اذا صلى احدكم الى شیء یستره من الناس: ایک شخص سترہ قائم کر کے نماز پڑھ رہا ہے، دوسرا شخص سترہ اور نمازی کے درمیان سے گذر رہا ہے پہلے شخص کو گذرنے والے کو روکنا چاہئے، اور دوسرے شخص کو رک جانا چاہئے، اگر نہیں رکے گا تو گنہگار ہوگا، اس مسئلہ کی لوگوں نے چار صورتیں ذکر کی ہیں۔

(۱)...... گذرنے والے کی طرف سے تعدی ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی راستہ سے الگ ہو کر سترہ قائم کر کے نماز پڑھ رہا ہے اب اگر کوئی سترہ کے درمیان سے جان بوجھ کر گذر رہا ہے تو یہی گذرنے والا شخص صرف گنہگار ہوگا۔

(۲)...... نمازی کی طرف سے تعدی ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی بغیر سترہ قائم کئے راستے پر نماز پڑھ رہا ہو گذرنے والے کیلئے اس راستہ سے گذرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو

ایسی صورت میں اگر وہ گذرتا ہے تو گناہ کی ذمہ داری صرف نمازی پر ہوگی۔

(۳)......جانبین سے تعدی ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی بغیر سترہ قائم کئے راستہ پر نماز شروع کردے لیکن جس راستہ پر نماز پڑھ رہا ہے اس کے علاوہ بھی راستہ ہے اب گذرنے والا جان بوجھ کر دوسرا راستہ ترک کر کے اسی طرف سے گذر رہا ہے اس صورت میں دونوں کی جناب سے تعدی ہے لہٰذا دونوں گنہگار رہوں گے۔

(۴)......کسی کی طرف سے بھی تعدی نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی نے راستہ سے ہٹ کر اور سترہ قائم کر کے نماز شروع کی لیکن گذرنے والے کے راستہ سے گذرے بغیر کوئی چارہ نہ ہو ایسی صورت میں نہ نمازی گنہگار ہوگا اور نہ گذرنے والا۔فافهم.

اس حدیث میں "یسترہ" کی قید ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے سامنے سترہ ہے تب تو نمازی کو روکنے کا حق ہے اور اگر سترہ نہیں ہے تو نمازی کو گذرنیوالے کو روکنے کا حق بھی نہیں ہے جن احادیث میں "الی شیء یسترہ" کی قید نہیں ہے وہ اسی حدیث سے مقید ہیں۔

فلیدفعہ: یہ امر ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے تو اس کو روکنا ضروری ہے۔

سامنے سے گذرنے والے کو روکنا واجب ہے یا نہیں؟

جمہور کا مذہب: علامہ نوویؒ نے صراحت کی ہے کہ کسی بھی فقیہ کے نزدیک نمازی کے لئے سامنے سے گذرنے والے کو روکنا واجب نہیں ہے، کچھ لوگ تو فرماتے ہیں کہ "دفع" ایک حکم رخصت ہے، افضل یہ ہے کہ دفع نہ کرے کیونکہ یہ عمل صلوۃ میں سے نہیں ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل آگے فصل ثانی میں آرہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "اتانا رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن فی بادیة لنا ومعه عباس فصلی فی صحراء لیس یدیه سترة وحمارة لنا وکلبه تعبثان بین یدیه فما بالیٰ ذلک“

اصحاب ظواہر کا مذہب: ان کے نزدیک نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے سے گذرنے والے کو ہٹائے یعنی ہٹانا واجب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فلیدفعه“ یہ امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

جواب: یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ ابتداء اسلام میں نماز کے اندر کلام کرنے کی اجازت تھی تو یہ اسی زمانہ کا حکم ہے یا پھر یہ امر رخصت کیلئے ہے یعنی ہٹانے کی گنجائش ہے۔

فانه شیطان: اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ شیطان نے اس کو اس گناہ پر ابھارا ہے، اور پھر وہ منع کرنے سے مان بھی نہیں رہا ہے؛ لہٰذا اس شیطانی حرکت کی وجہ سے گویا وہ شیطان کے منزلہ میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ شیطان انس ہے۔ (شرح طیبی: ۲/۲۷۶)

سترہ نماز کو ٹوٹنے سے بچاتا ہے

﴿۷۲۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ وَالْکَلْبُ وَیَقِیْ ذٰلِكَ مِثْلُ مُؤَخِّرَةِ الرَّحْلِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۷، باب قدر مایستر المصلی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت، گدھا اور کتا نماز کو توڑتا ہے اور نماز کو توڑنے سے جو چیز بچاتی ہے وہ کجاوہ کی پچھلی لکڑی جیسی چیز کا سترہ ہے۔''

تشریح: تین چیزیں عورت گدھا اور کتا نمازی کے ذہن کو بہت زیادہ بنا دیتی ہیں اگر کوئی شخص سترہ کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے سامنے سے کسی چیز کا بھی گذرنا اس کے خشوع میں اثر انداز ہوگا، لیکن مذکورہ بالا تین چیزیں خصوصیت سے نماز کے خشوع وخضوع پر اثر انداز ہوتی ہیں لہٰذا آدمی کو سترہ قائم کر کے نماز پڑھنا چاہئے، بغیر سترہ قائم کئے نماز پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے۔

کیا مذکورہ اشیاء کے گذرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جمہور کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ان اشیاء ثلاثہ کے مصلی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔

دلیل: (۱)......ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی فصل ثانی میں حدیث ہے: "**لایقطع الصلوة شیء**" نمازی کے سامنے سے گذرنے والی کوئی چیز نماز کو توڑتی نہیں ہے۔

(۲)......فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "**اتانا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ونحن فی بادیة لنا ومعه عباس فصلی فی صحراء لیس بین یدیه سترة وحمارة لنا وکلبة تعبثان بین یدیه فما بالی بذلک**" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے گدھی اور کتیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہی تھیں، مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی پرواہ نہیں کی یعنی ان کو نماز توڑنے والی اشیاء نہیں سمجھا۔

(۳)......حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:"قالت کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی من اللیل وانا معترضة بینه وبین القبلة کاعتراض الجنازة" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کونماز پڑھتے تھے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اورقبلہ کے درمیان لیٹی رہتی تھی جیسے جنازہ پڑا رہتا ہے۔]

اہل ظواہر کا مذہب: اہل ظواہر کے نزدیک اشیاءمذکورہ یعنی عورت، کتے اور گدھے کا گذرنا مفسد صلوۃ ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صراحت ہے کہ اشیاءمذکورہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

امام احمد واسحاق کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک صرف کتا مفسد صلاۃ ہے۔(کتا سے مراد کالا کتا ہے) باقی دونوں چیزوں میں امام احمد واسحاق توقف کرتے ہیں۔

دلیل: یہ حضرات بھی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں؛لیکن چوں کہ عورت کے سلسلہ میں اسکے معارض حدیث حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود ہے، جس کا ذکرگذشتہ سطور میں جمہور کی دلیل نمبر:۳رکے تحت کیا گیاہے۔اورگدھے کے سلسلہ میں اس کے معارض فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کوجمہور کی دلیل نمبر:۲رکے تحت ذکرکیا گیا ہے۔ان معارض دلائل کی وجہ سے یہ حضرات عورت اور گدھے کے سلسلہ میں توقف کرتے ہیں البتہ کتے کے معارض کوئی حدیث نہ ہونے کی وجہ سے کتے کا گذرنا مفسد صلوۃ قراردیتے ہیں اور کتے سے مراد کالا کتا ہے، جیسا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے:"قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا صلی الرجل ولیس بین یدیه کآخرة الرحل قطع

الصلوة الكلب الاسود والمرأة والحمار فقلت مابال الاسود من الاحمر والابيض فقال یا بن اخی سألتنی کما سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال الکلب الاسود شیطان" (رواہ الترمذی وابوداؤد)

جواب: دونوں مذاہب کا دارومدار حدیث باب پر ہے، حدیث باب میں کئی جوابات دیئے گئے ہیں، تین مشہور ہیں:

(۱)...... یہ حدیث جمہور کے دلائل کے تحت جو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں ان سے منسوخ ہے، امام طحاویؒ نے اس قسم کی احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ جو قطع صلوۃ والی احادیث کے راوی ہیں انہوں نے بعد میں خود عدم قطع کا فیصلہ دیا ہے اور راوی کا فتویٰ اگر روایت کے خلاف ہے تو یہ روایت منسوخ ہونے کی علامت ہے۔

(۲)...... یہاں قطع صلوۃ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں خصوصیت کے ساتھ خشوع فی الصلوٰۃ کے لئے قاطع ہیں۔

(۳)...... نماز میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو تعلق قائم ہوتا ہے یہ چیزیں اس تعلق کو منقطع کردیتی ہیں۔

اشیاء ثلاثہ کو ذکر کرنے کی وجہ

اشکال: کسی بھی چیز کے مصلی کے سامنے سے گذرنے سے خشوع وخضوع میں کمی آجاتی ہے پھر ان اشیاء مذکورہ کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: ان تینوں چیزوں میں شیطانی اثرات کا دخل ہے اس لئے ان چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، عورتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے:''النساء حبائل الشیطان'' [عورتیں شیطان کا پھندہ ہیں] گدھے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''اذا سمعتم نهیق الحمار فتعوذوا بالله من الشیطان فانها رأت شیطاناً'' [جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو، اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے۔] کتے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''الکلب الاسود شیطان'' [کالا کتا شیطان ہے۔]

عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا

﴿۷۲۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۵۶، باب الصلوة علی الفراش، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۸۳۔ مسلم شریف: ۱/۱۹۷، باب الاعتراض بین یدی المصلی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۲۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے تھے، اور میں ان کے اور قبلہ کے درمیان ایسے لیٹی رہتی تھی جیسے جنازہ (نمازی کے سامنے) رکھا ہوتا ہے۔

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے وقت پورے طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی رہتی تھیں اور

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پوری فرماتے تھے، اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے آگے عورت آجائے یا اسکے سامنے سے عورت گذر جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی ہے۔

گدھے کا نمازی کے سامنے سے گذرنا

﴿۷۴۴﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنىً اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۷۱/ ۱، باب سترة الامام سترة من خلفه، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۹۳۔ مسلم شریف: ۱۹۶/ ۱، باب سترة المصلى، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۵۰۴۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں جوانی کے قریب عمر کو پہنچا ہوا تھا، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت منیٰ میں دیوار کے علاوہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، میں نمازیوں کے صف کے سامنے سے گذرا پھر میں اتر گیا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں شامل ہو گیا، میرے اس عمل پر مجھ کو کسی نے ٹوکا نہیں۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بلوغت سے پہلے گدھی پر سوار ہو کر نمازیوں کے سامنے سے گذرے، لیکن ان کی کم عمری کی وجہ سے کسی نے ان سے باز پرس نہیں

کی اور چوں کہ وہ گدھی پر سوار تھے، اس وجہ سے گدھی بھی نمازیوں کے سامنے سے گذری، اس پر بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا، معلوم ہوا کہ گدھی کے نمازی کے سامنے سے گذر جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

اقبلت راکبا علی اتان: "اتان" کے معنی گدھی کے ہیں یہاں پر صرف "اتان" کا لفظ ہے، لیکن بخاری کی روایت میں "حمار اتان" ہے۔ "اتان" یا تو حمار کی صفت ہے یا بدل ہے چونکہ خالی حمار ذکر کیا جاتا تو گدھی متعین نہ ہوتی اور حمارۃ کا لفظ شاذ ہے اس لئے گدھی کو متعین کرنے کے لئے "حمار اتان" یا خالی "اتان" بولا جاتا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: سب لوگ تو نماز میں شریک تھے تو باز پرس کون کرتا؟

جواب: اشارے سے تو منع کیا جا سکتا ہے، پھر نماز ختم ہونے کے بعد بھی باز پرس ہو سکتی تھی، لیکن مطلقاً باز پرس نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں کوئی خلل نہیں ہوا، جو لوگ کہتے ہیں کہ گدھے کا نمازی کے سامنے سے گذرنا نماز کو منقطع کر دیتا ہے، یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

الفصل الثانی

سترہ کی جگہ لکیر کھینچنا

﴿٧٢٥﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ

تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَايَضُرُّهٗ مَا مَرَّ اَمَامَهٗ۔ (رواه ابو داؤد وابن ماجة)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۰۱، باب الخط اذا لم یجد عصا، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۶۸۹۔ ابن ماجہ شریف: ۶۷، باب مایستر المصلی، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۹۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ لے، پس اگر کوئی چیز نہ پائے تو اپنی لاٹھی کھڑی کرلے، پس اگر اس کے پاس لاٹھی بھی نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ خط کھینچ لے ایسا کرنے سے اس کے سامنے سے گذرنے والا اس کو نقصان نہیں دے گا۔

تشریح: نمازی کو کسی نہ کسی چیز کا سترہ ضرور بنالینا چاہئے، سترہ قائم کرلینے سے نماز میں خشوع خضوع باقی رہتا ہے، اور گذرنے والا اس کے خشوع وخضوع میں اثر انداز نہ ہوگا۔

اذا صلی احدکم: نمازی جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔

فلیجعل تلقاء وجهه: تو اپنے سامنے سترہ قائم کرلے، سترہ پیشانی اور بالکل دونوں آنکھوں کے درمیان نہ ہو، بلکہ ذرا سا دائیں بائیں ہو۔

شیئا: درخت، دیوار، عمارت، لکڑی سب چیزیں سترہ بن سکتی ہیں۔

فان لم یجد: اگر کوئی ایسی چیز نہ پائے جس کو سترہ بنایا جاسکے تو اپنی لاٹھی کو سترہ بنالے، اگر لاٹھی نصب نہیں کی بلکہ طول میں رکھ لی تو بھی کافی ہے۔

فان لم یکن معه: اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو مصلی اپنے سامنے ایک لکیر

کھینچ لے۔

لکیر سترہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصلی سترہ قائم کرنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو ایک لکیر ہی کھینچ لے، یہ لکیر سترہ کے قائم مقام ہوگی، چنانچہ امام احمدؒ کا مذہب یہی ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے، اور امام احمد سے منقول بھی ہے: "**حدیث الخط ضعیف**" لیکن اس کے باوجود اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں، امام مالکؒ سترہ بالخط کے بالکل قائل نہیں ہیں، شوافع وحنفیہ کے یہاں دونوں طرح کے اقوال ہیں، حنفیہ کے یہاں مشہور یہی ہے کہ خط کا اعتبار نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ خط دور سے نظر نہیں آتا ہے، لہٰذا سترہ کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا البتہ ابن ہمامؒ نے خط کھینچنے کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ وہ نمازی کے لئے کسی نہ کسی درجہ موجب اطمینان ہے۔

سوال وجواب

سوال: خط کیسا کھینچا جائے؟

جواب: خط ہلالی راجح ہے اور قبلہ کی جانب میں طویل خط یا جنوب وشمال میں سیدھا خط بھی کھینچنا جائز ہے۔

سترہ کو قریب رکھنا چاہئے

﴿۷۲۶﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی سُتْرَةٍ فَلْیَدْنُ مِنْهَا لَایَقْطَعُ الشَّیْطَانُ عَلَیْهِ صَلَاتَهٗ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۰۱/۱، باب الدنو من السترة، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۶۹۵۔

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ سترہ اپنے قریب رکھے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑ دے۔

تشریح: نمازی سترہ کو سجدہ کے قریب کی جگہ رکھے اگر زیادہ دور رکھے گا تو برابر شیطان دل میں خیال ڈالتا رہے گا کہ ممکن ہے کوئی شخص سترہ اور میرے درمیان سے گذر جائے اس طرح کے خیالات برابر آتے رہے تو نماز کا خشوع وخضوع جاتا رہے گا، اور بغیر خشوع وخضوع والی نماز میں کوئی کمال نہیں ہوتا، لہٰذا کمال سے خالی ہونے کی وجہ سے یہ نماز ایسی ہی ہوگی جیسے وہ نماز جو منقطع ہو جائے۔

اذا صلی احدکم الی سترة فلیدن منها: نمازی اور سترہ کے درمیان فاصلہ کم سے کم ہونا چاہئے، فاصلہ کم رکھنے کی تاکید کی دو وجہیں ہیں:

(۱)...... اگر مصلی اور سترہ کے درمیان زیادہ فاصلہ ہوگا تو گذرنے والوں کو زحمت ہوگی، اور راستہ تنگ ہو جائے گا۔

(۲)...... نمازی کے دل میں شیطان خیال ڈالتا رہے گا کہ اتنا زیادہ فاصلہ ہے کوئی اس کے درمیان سے گذر نہ جائے ان خیالات کے تسلسل کی بنا پر نماز کی روح جاتی رہے گی۔

نمازی اور سترہ کے درمیان فاصلہ کی مقدار

سوال: فاصلہ کم رکھنا چاہئے لیکن کم سے کتنا مراد ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)......"کان بین مقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبین القبلۃ ممر عنز" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بکری کے گذرنے کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے۔

(۲)......"بینہ وبین القبلۃ ثلاثۃ اذرع" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز ادا کی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور جدار قبلہ کے درمیان تین ذراع کے بقدر فاصلہ تھا، بکری کے گذرنے کے بقدر جو فاصلہ ہے وہ ایک ذراع کے بقدر ہے اور اس حدیث میں تین ذراع کے بقدر فاصلہ مذکور ہے، دونوں روایتوں کو ملا کر محدثین نے لکھا ہے کہ موضع سجود اور سترہ کے درمیان ایک گز کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے، اس کا بیان "ممر عنز" والی روایت میں ہے اور مصلی کے جائے قیام و سترہ کے درمیان تین گز کا فاصلہ ہونا چاہئے اس کا بیان "ثلاثۃ اذرع" والی حدیث میں ہے۔

اگر سترہ نہیں ہے تو تین ذراع کے بقدر جگہ چھوڑ کر اس کے آگے سے گذرا جا سکتا ہے، یہ کھلے میدان کا حکم ہے، مسجد میں مصلی کے سامنے سے گذرنے سے بعض لوگوں نے مطلقاً روکا ہے، اور بعض نے مسجد صغیرہ کبیر میں فرق کیا ہے، مسجد صغیر میں گذرنا جائز نہیں اور مسجد کبیر کو صحرا کے حکم میں رکھا ہے۔

سترہ کو بالکل پیشانی کے سامنے رکھنے کی ممانعت

﴿۷۲۷﴾ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي اِلٰى عَوْدٍ

وَلَاعُمُوْدٍ وَلَاشَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَلَايَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا۔ (رواه ابو داؤد)

حواله: ابوداؤد شريف: ١٠٠/١، باب اذا صلى الى سارية او نحوها، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ٦٩٣۔

ترجمه: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بھی کسی لکڑی یا ستون یا درخت کو سترہ بناتے تھے تو اس کو اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے تھے، اور بالکل اس کے سیدھ میں نہیں کھڑے ہوتے تھے۔

تشریح: سترہ کو بالکل دونوں آنکھوں اور پیشانی کے درمیان نہ رکھنا چاہئے، بلکہ تھوڑا سا دائیں بائیں کر کے رکھنا چاہئے، تاکہ بت پرستی کا شائبہ بھی نہ رہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سترہ کو دائیں یا بائیں ابرو کے برابر رکھتے تھے۔

سترہ کا قائم کرنا مستحب ہے واجب نہیں

﴿٧٢٨﴾ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِيْ بَادِيَةٍ لَّنَا وَمَعَهٗ عَبَّاسٌ فَصَلّٰى فِيْ صَحْرَاءَ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَّنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالٰى بِذٰلِكَ۔ (رواه ابو داؤد) وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ١٠٤/١، باب من قال الكلب لايقطع

الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:٧١٨۔ نسائی شریف:١/٨٧، باب ذکر مایقطع الصلوۃ وما لا یقطع، کتاب القبلۃ، حدیث نمبر:٧٥٢۔

حل لغات: تعبثان تثنیہ کا صیغہ ہے، عبث (س) عبثاً، کھیل کود میں لگنا، بے فائدہ کام کرنا۔

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنگل میں تھے، کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جنگل میں اس طرح نماز پڑھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کوئی سترہ نہ تھا، اور ہماری گدھی و کتیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے کھیلتی رہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ (ابوداؤد) نسائی نے بھی اس کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اگر کوئی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے جو گذرگاہ نہیں ہے تو سترہ قائم کرنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر سترہ قائم کرلیا جائے تو بہتر ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ گدھا اور کتا اگر نمازی کے سامنے سے گذر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ونحن فی بادیۃ: عرب میں یہ رواج تھا کہ آبادی میں رہنے والے لوگ بھی آب وہوا کی تبدیلی کی غرض سے کچھ دن کھلے جنگل میں خیمہ نصب کرکے رہتے تھے، اس کے لئے ہر قبیلہ اور خاندان کا اپنا الگ جنگل تھا، جن دنوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال جنگل میں خیمہ نصب کرکے رہ رہے تھے، انہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔

فصلی فی صحراء لیس بین یدیہ سترۃ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی جنگل میں نماز پڑھائی اور سترہ قائم نہیں کیا، معلوم ہوا کہ سترہ

قائم کرنا لازم نہیں ہے۔

وحمارة لنا وكلبة تعبثان: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے کتا اور گدھا گذر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گدھی اور کتیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھیلتی رہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

نمازی کے آگے سے کسی کے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی

﴿۷۲۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَقْطَعُ الصَّلٰوۃَ شَیْءٌ وَادْرَءُوْا مَااسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا ھُوَ شَیْطَانٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ١٠٤/١، باب من قال لايقطع الصلوة شيء، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۷۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی چیز نمازی کے سامنے سے گذرنے والی نماز کو توڑتی نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہو گذرنے والی چیز کو تم دور کرو، اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔''

تشریح: نمازی کے آگے سے گذرنے والی چیز نماز کو توڑتی نہیں ہے، البتہ نمازی کی توجہ بٹنے کی بنا پر خشوع وخضوع میں فرق ضرور آتا ہے، لہٰذا نمازی کو چاہئے کہ حتی الامکان گذرنے والی چیز کو گذرنے سے روکے۔

و ان ابیٰ فلیقاتلہ: اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے تو چونکہ اس کے گذرنے سے نماز میں خلل واقع ہو رہا ہے، لہٰذا نمازی کو حتی المقدور روکنا چاہئے، اولاً اشارہ سے روکے، پھر سختی سے دفع کرے، تب بھی نہ مانے تو مزید سختی سے دفع کرے، لیکن خیال رہے کہ دفع کرنے میں عمل کثیر نہ ہو اگر عمل کثیر ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

فانہ شیطان: یہ شیطانوں جیسا کام کر رہا ہے یعنی نماز میں خلل ڈال رہا ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

عورت نمازی کے آگے ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی

﴿۷۳۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِيْ قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ وَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۷۳/۱، باب التطوع خلف المرأة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۳۔ مسلم شریف: ۱۹۷/۱، باب الاعتراض بین یدی المصلی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۱۲۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح سویا کرتی تھی کہ میرے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ کی جگہ میں ہوتے، (یعنی سجدہ کی جگہ میں) پھر جب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو چھوتے میں اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں کو پھیلا لیتی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

تشــریح: اگر کوئی شخص سورہا ہے اور نمازی اس کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر نمازی کو اپنے نفس پر اطمینان ہے تو سونے والے کو بطور سترہ کے استعمال کر سکتا ہے، جب جانور سترہ بن سکتا ہے تو انسان بھی سترہ کا کام دے سکتا ہے۔

کنت انام بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح سوتی رہتی تھی کہ میرے پاؤں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ میں ہوتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں جانے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو چھوکر مجھے متنبہ فرمادیتے، میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی حالت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کے پاؤں کو چھوتے تھے، اس سے نماز نہیں ٹوٹتی تھی، معلوم ہوا کہ "مس مرأة" یعنی عورت کا چھونا ناقض وضو نہیں ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے، ائمہ ثلاثہ کا اس میں اختلاف ہے۔

فاذا قام بسطتهما: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے پیر پھیلا لیتی تھیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس عمل کو جائز رکھتے تھے، اصل میں جگہ تنگ تھی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر پر نماز پڑھتے تھے، لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ خالی جگہ دیکھ کر پاؤں پھیلا

لیتیں، اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو پاؤں سمیٹ لیتی تھیں۔

و البیوت یومئذ لیس فیها مصابیح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوتا تھا، درحقیقت اس جز سے اپنا عذر بیان کر رہی ہیں، کہ میں جو پیر پھیلا لیتی تھی اور شرم نہیں کرتی تھی نیز حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیروں کو حرکت دینے کی نوبت آتی تھی، خود سے پیر کیوں نہیں سکوڑ لیتی تھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوتا تھا۔

نمازی کے سامنے سے گذرنا

﴿۷۳۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُکُمْ مَالَهٗ فِیْ اَنْ یَمُرَّ بَیْنَ یَدَیْ اَخِیْهِ مُعْتَرِضًا فِی الصَّلٰوةِ کَانَ لَاَنْ یُقِیْمَ مِائَةَ عَامٍ خَیْرٌ لَهٗ مِنَ الْخُطْوَةِ الَّتِیْ خَطَاهَا۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه شریف: ٦٧، باب المرور، بین یدی الصلوة، کتاب الصلوة و السنة فیها، حدیث نمبر: ٩٤٦۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اگر یہ جان لے کہ اپنے اس بھائی کے آگے سے جو نماز پڑھ رہا ہے اس کا گذرنا کیسا سخت گناہ ہے، تو وہ اپنا سو برس تک کھڑا رہنا اس ایک قدم سے زیادہ بہتر سمجھے گا جو اس نے اٹھایا۔''

تشریح: نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے، لوگ اس گناہ کا ارتکاب اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس گناہ پر ہونے والے عذاب کی پوری حقیقت کا ان کو علم نہیں اگر علم ہو جائے تو ہرگز نہ گذریں۔

لو یعلم احدکم مالہ: اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اس عمل پر ملنے والے گناہ کا علم ہو جائے، علم سے مراد یا تفصیلی علم ہے، یا تو مشاہدہ کا علم ہے۔

بین یدی اخیہ: ''اخی'' کی قید اس لئے لگادی تا کہ گذرنے والے کو دل میں رحم پیدا ہو کیونکہ نمازی کے سامنے سے گذرنا یہ تکلیف دینا ہے اور کوئی بھی بھائی اپنے بھائی کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھتا ہے، اس وجہ سے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اپنے بھائی کی رعایت میں گذرنا نہیں چاہئے۔

مائۃ عام: اگر سو سال کھڑا رہنا پڑے تو کھڑا رہے، لیکن نہ گذرے کیونکہ گذرنے کا جو عذاب ہے وہ سو سال کھڑا رہنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے اور ماقبل میں گذر چکا ہے، اس میں چالیس سال کا ذکر ہے، دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہے، اصلاً کثرت مراد ہے۔

نمازی کے آگے سے گذرنے کا عذاب

﴿۷۳۲﴾ وَعَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يُخْسَفَ بِهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ اَهْوَنَ عَلَيْهِ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک:۵۴، باب التشدید فی ان یمر احد بین یدی المصلی، کتاب قصر الصلوة فی السفر، حدیث نمبر:۳۵۔

ترجمہ: حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جان لے کہ اس پر کیا گناہ ہے تو وہ اپنا زمین میں دھنس جانا نمازی کے سامنے سے گذرنے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، (تو وہ اپنا زمین میں دھنس جانے کو) زیادہ ہلکا جانے گا۔

تشریح: اس حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا جرم ہے اور بہت بڑے عذاب کا سبب ہے، آدمی اپنی جہالت ونادانی کی بنا پر نمازی کے سامنے سے گذر جاتا ہے، لیکن اس گذرنے پر ہونیوالے عذاب کا اگر اس کو صحیح پتہ لگ جائے تو یہ زمین میں دھنس جانا گوارہ کرلے، لیکن مصلی کے سامنے سے گذرنا گوارہ نہ کرے کیوں کہ زمین میں دھنس جانے کے مقابلہ میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کا عذاب بڑھا ہوا ہے۔

لکان ان یخسف خیر الہ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جان لے کہ گذرنے کی بنا پر اس پر کیا گناہ ہوگا تو وہ سو سال کھڑا رہے اور یہ سو سال کھڑا رہنا اس کے حق میں گذرنے سے زیادہ بہتر ہوگا اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر گذرنے والا جان لے کہ گذرنے کی بنا پر کیا گناہ ہے تو زمین میں دھنس جانے کی تمنا کرے اور زمین میں دھنس جانا اس کے حق میں گذرنے سے بہتر ہوگا۔ (مرقاۃ:۲/۴۴۸)

نمازی کے کتنا آگے سے گذرا جائے

﴿۷۳۳﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ إِلٰى غَيْرِ السُّتْرَةِ فَإِنَّهٗ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْخِنْزِيْرُ وَالْيَهُوْدُ وَالْمَجُوْسُ وَالْمَرْأَةُ وَتُجْزِئُ عَنْهُ إِذَا مَرُّوْا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلٰى قَذْفَةٍ بِحَجَرٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۰۲، باب مایقطع الصلوۃ، حدیث نمبر: ۷۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے جب کوئی شخص سترہ کے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت توڑ دیتی ہیں، اگر یہ چیزیں اتنی دور سے گذریں جتنی دور پھینکا جانے والا پتھر جا کر گرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں خصوصی طور پر بیان کی گئی ہیں:

(۱)...... نمازی کو سترہ قائم کر کے نماز پڑھنا چاہئے، اگر بغیر سترہ قائم کئے نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے سے کوئی چیز گذر رہی ہے جس کی بنا پر اس کا ذہن بھٹک رہا ہے تو ذہن بھٹکنے کی وجہ سے نماز کا کمال جاتا رہتا ہے، بلکہ بسا اوقات نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے اس جانب خصوصی توجہ دینا چاہئے۔

(۲)...... اگر کوئی تین گز کی دوری سے گذرا تو تو اس گذرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث میں خنزیر، یہودی، اور مجوسی کا بھی تذکرہ ہے، جب کہ اکثر روایات میں عورت، گدھے اور کتے کا تذکرہ ہے۔ الدر المنضود میں لکھا ہے کہ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشیاء ثلاثہ کے علاوہ جو زائد چیزیں مذکور ہیں یہ کسی راوی کا وہم ہے۔ (الدر المنضود: ۲/۲۰۴)

وتجزی عنه اذا مروا: اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین

ہاتھ کی دوری سے نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں جو پتھر کا تذکرہ ہے اس سے رمی جمار مراد ہے، یعنی حج کے موقعہ پر ماری جانے والی کنکریاں اور اس کی دوری کی مقدار تین ہاتھ بیان کی جاتی ہے، یہ مسئلہ حریم مصلی سے متعلق ہے، اس کو باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے دیکھ لیجئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صفة الصلوة

رقم الحدیث:...... ٧٣٣/ تا ٧٥٥/

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

باب صفة الصلوة

(نماز کی صفت کا بیان)

صفت صلوٰۃ سے نماز کے تمام ارکان فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات مراد ہیں، اس باب میں جو احادیث منقول ہیں ان سے معلوم ہوگا کہ نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن چیزوں سے نماز میں کراہت آتی ہے؟ اور کن چیزوں کے چھوٹ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ اور کن چیزوں کے ترک کرنے سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؟ اور کن چیزوں کی نماز میں گنجائش ہے؟

﴿الفصل الاول﴾

تعدیل ارکان

﴿۷۳۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِیْ

نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ اَوْ فِي الَّتِيْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِهٖ كُلِّهَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴/۱۰۵/۱، باب وجوب القراءة للامام دائما، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۵۷۔ مسلم شریف: ۱۷۰/۱، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة، کتاب الصلوٰة، حدیث نمبر: ۳۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے، کہ ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے، انہوں نے نماز پڑھی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: ''جاؤ اور پھر سے نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی'' وہ صاحب چلے گئے، نماز پڑھی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیکر پھر ان

سے ارشاد فرمایا: ''واپس جاؤ نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی'' تیسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ کے بعد (چوتھی مرتبہ) ان صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے سکھلا دیجئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو، پھر تکبیر کہو، پھر قرآن میں سے جو تمہیں آسان معلوم ہو اس کو پڑھو، پھر رکوع میں جاؤ اور اطمینان کے ساتھ رکوع پورا کرو پھر سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ میں جاؤ اور اطمینان کے ساتھ سجدہ پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر دوسرا سجدہ کرو، اور اطمینان کے ساتھ سجدہ پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، ایک روایت میں ہے کہ پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ (یعنی دوسرے سجدہ کے بعد جلسۂ استراحت کا اس میں ذکر نہیں ہے) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔

تشریح: ان رجلا دخل المسجد: ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ان کا نام خلاد بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: خلاد بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حدیث میں ہے، غزوۂ بدر سے پہلے پیش آیا، اور اس واقعہ کو روایت کرنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو ۷ھ میں ایمان لائے، اشکال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو کیسے روایت کر رہے ہیں جب کہ اس واقعہ کے وقت نہ وہ ایمان لائے تھے، اور نہ ہی وہ مدینہ میں تھے۔

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ کسی ایسے صحابیؓ سے سنا ہوگا جو واقعہ کے وقوع کے وقت موجود رہے ہوں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ذکر ترک کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چونکہ سب کے سب عادل ہیں اس لئے اگر کوئی صحابیؓ راوی اپنے سے اوپر کے راوی کا نام ذکر نہ کرے تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، اس کو محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہتے ہیں اور مرسل صحابیؓ بالاتفاق حجت ہے۔

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے سے مسجد میں تشریف فرما تھے، بخاری شریف کی روایت میں "دخل المسجد" کے الفاظ ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں پہلے سے بیٹھے ہوئے نہیں تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی وقت مسجد میں تشریف لائے تھے۔

فصلی: تو خلاد بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی، نسائی کی روایت میں "فصلی رکعتین" کے الفاظ ہیں، یعنی دو رکعت نماز پڑھی، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھی، یا پھر نفل نماز ادا کی اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ مسجد میں نماز ہو چکی ہو تو انہوں نے اپنی فرض نماز ادا کی ہو، اتنا طے ہے کہ انہوں نے تنہا نماز پڑھی۔

ثم جاء فسلم علیہ: بعض روایت میں "یرمقه" کے الفاظ ہیں، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان صاحب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے، بہر حال جب انہوں نے نماز پوری کر لی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، پہلے انہوں نے حق تعالیٰ کا حق ادا کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی کی، ادب کا بھی یہی تقاضہ ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک شخص مسجد

میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد پڑھنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:"ارجع فصل ثم ائت فسلم علی" [لوٹ کر جاؤ نماز پڑھو، پھر میرے پاس آ کر مجھے سلام کرو]

وعلیک السلام ارجع فصل: یہ صاحب سلام کر کے جانا چاہ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دینے کے ساتھ ارشاد فرمایا: کہ تم دوبارہ جا کر نماز پڑھو، اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔

کچھ وقفہ کے بعد ملاقات پر سلام

فرجع فصلی ثم جاء فسلم: وہ صاحب لوٹ کر گئے اور نماز پڑھنے کے بعد آئے اور آ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پھر سلام کیا، معلوم ہوا کہ فصل ہونے کے بعد اگر دوبارہ ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرنا مستحب ہے، اگرچہ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد ملنا کیوں نہ ہو۔

فقال وعلیک السلام ارجع فصل: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیکر دوبارہ ارشاد فرمایا: کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو، کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، نماز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کامل نماز نہیں ہوئی، چنانچہ فریضہ تو ساقط ہو گیا، لیکن نماز واجب الاعادہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوئی، لیکن یہ درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ نماز اگر بالکلیہ باطل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار باطل نماز ادا نہ کرواتے، اس میں کچھ نہ کچھ قبولیت کی شان ضرور رہی ہوگی، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی بار اعادہ کرایا۔

قال فی الثالثۃ او فی التی بعدھا: جب تین یا چار بار ایسا

ہوگیا تو ان صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میری نماز میں کیا کمی ہے؟ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے سکھلا دیں۔

پہلی مرتبہ میں تعلیم نہ فرمانے کی وجہ

اشکال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ ہی نماز پڑھنے والے کو نماز کا صحیح طریقہ کیوں نہیں بتادیا؟

جواب: اصل میں یہ صحابیؓ تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے، چونکہ احتمال تھا کہ تعدیل ارکان کا ترک کرنا بھولنے یا غفلت کی وجہ سے ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوبارہ نماز پڑھنے کی تلقین کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اگر ایسا ہے تو وہ اپنے طور پر نماز درست کرلیں۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ اس کے اندر طلب پیدا ہو اور وہ اپنی طلب کا اظہار کرے، اسلئے کہ طلب کے بعد تعلیم وتلقین اوقع فی النفس ہوتی ہے، بلا طلب تعلیم کی زیادہ قدر نہیں ہوتی، طلب کے بعد تعلیم میں تعلیم نماز کی عظمت اور اہم بھی ہے۔

تعلیم سے قبل طلب پیدا کرنا

فائدہ: حدیث پاک سے اساتذہ کا ایک ادب معلوم ہوا کہ طلباء میں تعلیم سے قبل طلب پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، تاکہ پھر تعلیم راسخ فی القلب ہو، یہی ادب مشائخ کا بھی ہے کہ طالبین میں تعلیم وتلقین سے قبل طلب وشوق پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

طلباء کی نگرانی

فائدہ (۲): حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اپنے طلباء

کے اعمال کی نگرانی رکھیں، اور کوتاہی پر ان کو تنبیہ کرتے رہیں، اس طرح مشائخ کو بھی چاہئے کہ اپنے مریدین وطالبین پر نگرانی رکھیں، اور کوتاہی پر ان کو تنبیہ کرتے رہیں۔

فقال اذا قمت: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو سب سے پہلے فرائض وسنن کی مکمل طور پر رعایت کرتے ہوئے وضو کرو۔

ثم استقبل القبلة: پھر قبلہ کا استقبال کرو، استقبال قبلہ شرائط صلوۃ میں سے ہے۔

جہت قبلہ کا استقبال

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہت قبلہ ہی کافی ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو گذر چکی ہے: "ما بين المشرق والمغرب قبلة"

تکبیر تحریمہ

فکبر: پھر تکبیر کہنے، تکبیر تحریمہ ہمارے یہاں شرائط صلوۃ میں سے ہے، رکن صلوۃ میں سے نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "وذكر اسم ربه فصلى" ہے۔[اپنے رب کے نام کا ذکر کیا] یعنی تکبیر تحریمہ کہی، پھر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ داخل صلوۃ یعنی رکن صلوۃ نہیں ہے، امام شافعیؒ کے یہاں تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے۔

نیت وغیرہ شرائط صلوٰۃ کے ترک کرنے کی وجہ

نیت کا ذکر ترک کر دیا، باوجودیکہ وہ بھی شرائط صلوۃ میں سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

نیت نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، یا پھر اس کے بہت زیادہ واضح ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کردیا، اسی طرح بقیہ شرائط! طہارت ثوب، طہارت مکان، ستر عورت وغیرہ کو بھی ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

معنی تکبیر

تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں، لہٰذا تکبیر تحریمہ کے لئے "اللہ اکبر" بھی کہا جا سکتا ہے، اور ہر اس لفظ کو نماز شروع کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے جو اللہ کی بڑائی پر دلالت کرے، یہ امام صاحب کا مذہب ہے دیگر ائمہ کا اختلاف ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مطلق قراءت فرض ہے

ثم اقرأ بما تیسر معک من القرآن: قرآن کریم کا جو حصہ تمہارے لئے آسان ہو یعنی تم کو یاد ہو اس کی تلاوت کرو، حدیث میں مطلق قراءت کا حکم دیا گیا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ "ما تیسر" سے مراد سورہ فاتحہ ہے تو یہ تشریح قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہوگی، حدیث کے اسی جز کے تحت یہ بحث کی جاتی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض ہے یا نہیں؟ حدیث پاک سے معلوم ہوا مطلق قراءت فرض ہے، سورۂ فاتحہ مخصوص طور پر فرض نہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً: اطمینان کے ساتھ رکوع وسجدہ کرنا فرض ہے اور ان میں تعدیل ارکان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔

تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ قومہ، جلسہ اور رکوع وسجدہ پورے سکون واطمینان

کے ساتھ ادا کرنا۔

حتی تستوی قائما: رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سیدھے کھڑا ہونا چاہئے، حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ قومہ کرنا چاہئے، قومہ میں اطمینان کا لفظ منقول نہیں، لیکن ابن حبان کی ایک روایت میں منقول ہے۔ **حتی تطمئن قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا** قومہ کے بعد اطمینان سے سجدہ کرنا چاہئے، حدیث کے ان اجزاء سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعدیل ارکان ضروری ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

جلسۂ استراحت

ثم ارفع حتی تطمئن جالسا: حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سجدہ کے بعد بھی کچھ دیر بیٹھا جائے، یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں بھی، دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ کو جلسہ استراحت کہتے ہیں، امام شافعیؒ اس کو سنت قرار دیتے ہیں، امام صاحب اس کے مسنون ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

وفی روایۃ ثم ارفع حتی تستوی قائما: اس روایت میں جلسہ استراحت کا تذکرہ نہیں ہے۔

وافعل ذلک فی صلوتک کلھا: اپنی پوری نماز اسی طرح پڑھو "**صلوتک**" سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ انفرادی نماز ہے اور منفرد کے لئے قراءت کرنا نماز میں فرض ہے۔

اختلافی مسائل

اس حدیث میں کئی مسائل مختلف فیہ ہیں:

(۱)......مثال کے طور پر تکبیر تحریمہ شرط صلوۃ ہے، یا رکن صلوۃ۔

(۲)......تکبیر میں صرف "اللہ اکبر" کہا جائے یا اس کے علاوہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی بڑائی پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی کہے جاسکتے ہیں۔

(۳)......سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے یا واجب؟

(۴)......تعدیل ارکان واجب ہے یا فرض ہے؟

(۵)......دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟ اول الذکر دو مسائل حدیث: ۲۹۱ر کے تحت تفصیل سے گذر چکے ہیں، اس لئے ان کو یہاں نہیں چھیڑا جائے گا، البتہ مؤخر الذکر تین مسائل کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے یا نہیں؟

احناف کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض نہیں ہے، فرض تو مطلق قراءت ہے، سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب ہے۔

دلائل: حدیث باب حنفیہ کی دلیل ہے، حدیث میں ہے: "**اقرأ بما تیسر معک من القرآن**" [قرآن میں سے جو تم کو آسان معلوم ہو اس کو پڑھو] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان عام ہے، فاتحہ اور غیر فاتحہ سب کو شامل ہے، اور یہ حدیث قرآن مجید کی آیت: "**فاقرؤا ما تیسر من القرآن**" کی تشریح ہے، جس طرح قرآن میں قراءت کا حکم عام ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی عام حکم دیا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: جب آپ مطلقاً قراءت کو کافی سمجھتے ہیں تو پھر کم از کم تین چھوٹی آیات یا ایک

طویل آیت کی قید کیوں لگاتے ہیں؟

جواب: ایک آیت طویلہ یا تین آیات قصیرہ کی قید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل متواتر کی بنیاد پر لگاتے ہیں، اس سے کم کا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کو فرض قرار دیتے ہیں۔

دلیل: عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: **"لاصلوٰة لمن لا یقرأ بفاتحة الکتاب"** یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں "لا" نفی جنس کا ہے، مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی، اور یہ حدیث قرآن مجید کی آیت: **"فاقرؤا ماتیسر من القرآن"** کے لئے بیان بھی ہے۔

جواب: (۱)...... یہاں "لا" نفی جنس کے لئے نہیں ہے، بلکہ نفی کمال کے لئے ہے، یعنی بغیر فاتحہ کی نماز سے فریضہ تو ساقط ہو جاتا ہے، لیکن اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا، بلکہ نماز واجب الاعادہ رہتی ہے۔

(۲)...... اس حدیث کو قرآن کریم کی آیت کے لئے بیان قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ قرآن کریم کی آیت مجمل نہیں ہے کہ اس کے لئے بیان کی ضرورت ہو، ائمہ ثلاثہ نے حدیث **"لا صلوٰة لمن یقرأ بفاتحة الکتاب"** سے قرآن مجید کی آیت **"فاقرؤا ماتیسر من القرآن"** کی تخصیص کی ہے، اور مذکور حدیث سے آیت کی تخصیص درست نہیں ہے، کیونکہ مذکور حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے آیت قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔

(۳)...... ائمہ ثلاثہ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں **"فصاعداً"** کا اضافہ بھی منقول ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا جو حکم ہے وہی حکم سورۂ فاتحہ سے کچھ زائد کا بھی ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کا یہ کیسا فیصلہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو تو فرض قرار دیتے ہیں

اور ''فصاعداً'' یعنی ما زاد علی الفاتحة کو واجب قرار نہیں دیتے ہیں، بلکہ اس کو صرف مسنون قرار دیتے ہیں، حنفیہ کا مذہب بہت ہی معتدل ہے کہ مطلقاً قراءت فرض ہے اور فاتحہ اور ما زاد علی الفاتحة کی قراءت واجب ہے، اس طرح کتاب اللہ اور حدیث پاک دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

تعدیل ارکان فرض ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے، بلکہ تعدیل ارکان واجب ہے، اگر کوئی شخص اس کو چھوڑ دے گا تو فریضہ صلوۃ ساقط ہو جائے گا، لیکن نماز واجب الاعادہ رہے گی۔

دلائل: (۱)......قرآن مجید کی آیت ہے: ''وارکعوا واسجدوا'' [رکوع اور سجدہ کرو] رکوع کے معنی ''انحناء'' [جھکنا ہے] اور سجدہ کے معنی ''وضع الجبهة علی الارض'' [زمین میں پیشانی رکھنا] ہے۔ قرآن مجید کی آیت میں تعدیل ارکان کا حکم نہیں ہے، تعدیل کا حکم اخبار آحاد میں ہے، اور اخبار آحاد سے قرآن کریم پر زیادتی جائز نہیں ہے، لہٰذا کہا جائے گا کہ مطلقاً جھکنا اور پیشانی رکھنا یہ فرض ہے آیت قرآن کی بنا پر، اور تعدیل ارکان واجب ہے احادیث کی بنا پر۔

(۲)......ترمذی شریف: ۶۶/۱، ''باب ما جاء فی وصف الصلوة'' کے تحت حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اس میں انہوں نے جہاں تعدیل ارکان کے ترک پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا، ''فارجع فصل فانک لم تصل'' وہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے: ''فاذا فعلت ذلک قد تمت صلوتک وان انتقصت منه شیئا

انتقصت من صلوتک" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں تعدیل ارکان ترک کرنے پر نماز کے باطل ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ نقصان کا حکم لگایا ہے، اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تعدیل ارکان واجب ہے، کیونکہ اگر فرض ہوتا تو نماز باطل ہو جاتی، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی یہی مفہوم سمجھا کہ نماز باطل نہیں ہوتی، چنانچہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "وکان هذا اهون عليهم من الاولىٰ من انتقص من ذلک شيئا انتقص من صلوته ولم تذهب کلها" مطلب یہ ہے کہ جب شروع میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "فصل فانک لم تصل" تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمجھے کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا فعلت فقد تمت الخ" تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز میں کمی آجائے گی، لیکن باطل نہ ہوگی، اسی کو کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد میں جو بات فرمائی وہ آسان تھی اور پہلے والی بات دشوار تھی۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: یہ حضرات کہتے ہیں کہ تعدیل ارکان فرض ہے، تعدیل ارکان کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فصل فانک لم تصل" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بار بار یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔

جواب: (۱)......اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز کامل ادا نہیں ہوئی، یہ مطلب نہیں ہے کہ سرے سے نماز ہوئی ہی نہیں۔

ابھی چند سطور قبل امام صاحبؒ کی دلیل ثانی میں ترمذی کی جو روایت ذکر کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اذا فعلت هذا فقد تمت صلوتک و ان انتقصت منه شيئا انتقصت من صلوتک" معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان کا ترک کرنا نماز میں نقصان کا باعث بنتا ہے، نہ کہ نماز کے فساد کا، گذشتہ سطور میں راوی صحابیؓ کا قول بھی نقل ہوا کہ "و کان هذا اهون عليهم الخ" یعنی صحابہؓ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان "فاذا فعلت هذا الخ" ترک تعدیل ارکان کو فساد صلوۃ کا باعث سمجھتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کے بعد تعدیل ارکان کو نقصان صلوۃ کا باعث سمجھنے لگے۔

معارف السنن میں علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم نوا لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان "صل فانک لم تصل" کے وہ معنی سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان سے قبل سمجھتے تھے، یعنی نماز کا فاسد ہو جانا، اور امام ابوحنیفہؒ وہ معنی سمجھتے ہیں جو کہ صحابہؓ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کے بعد سمجھے، یعنی نماز کے کمال کی نفی، آپ کو اختیار ہے جو معنی چاہیں مراد لیں۔

اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے قول "و ان تبدوا ما في انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله" ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہت گھبرا گئے، لیکن جب آیت "لا يكلف الله نفسا الا وسعها" نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو صحیح مفہوم معلوم ہوا اور ان کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ (معارف السنن: ۳/۱۳۳)

(۲)...... یہ حدیث خبر واحد ہے، لہٰذا اس سے قرآن کریم پر زیادتی کرنا درست نہیں ہے، قرآن کریم میں مطلقاً رکوع اور سجود کا حکم ہے، اس حکم کو خبر واحد کے ذریعہ مقید کر کے یہ کہنا کہ رکوع، سجدے وغیرہ میں اطمینان بھی فرض ہے، کتاب اللہ پر زیادتی ہے، جو کہ خبر واحد کے ذریعہ درست نہیں۔

اختلاف کی بنیاد

تعدیل ارکان اور قراءت فاتحہ دونوں مسئلوں میں اختلاف ایک اصولی اختلاف پر مبنی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اخبار احاد سے ثبوت فرضیت کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان ایک درجہ واجب بھی ہے، چنانچہ امام صاحب اخبار آحاد سے ثبوت وجوب کے قائل ہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان درجہ نہیں ہے، چنانچہ وہ اخبار آحاد سے بھی ثبوت فرضیت کے قائل ہیں۔

جلسۂ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟

جلسۂ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد کچھ دیر بیٹھنا مسنون ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ کے مذاہب مختلف ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون ہے۔

دلائل: (۱)...... حدیث باب امام شافعیؒ کی دلیل ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے دوسرے سجدہ کے بعد فرمایا: "ثم ارجع حتی تطمئن جالسا"

(۲)...... "لم ینهض حتی یستوی قاعدا" [پہلی اور تیسری رکعت پڑھ کر جب تک آپ سیدھے نہیں بیٹھ جاتے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔]

جمهور کا مذہب: جمہور کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے، البتہ جائز ہے۔

دلائل: (۱)......"كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهض على صدور قدميه" [یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلسۂ استراحت کئے بغیر اپنے پنجوں پر کھڑے ہوجاتے تھے۔]

(۲)......"عن النعمان بن عياش ادركت غير واحد من اصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فكان اذا رفع رأسه من السجدة في اول ركعة والثالثة قام كما هو ولم يجلس" [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلی اور تیسری رکعت سے سر اٹھانے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھتے نہیں تھے۔]

(۳)......"عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه انه كان ينهض في الصلوة على صدور قدميه" [عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے سجدہ کے بعد اپنے پنجوں پر کھڑے ہوجاتے تھے۔]

عقلی دلیل (۱)......عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جلسۂ استراحت مسنون نہ ہو، اگر جلسۂ استراحت مسنون ہوتا تو اس میں کوئی نہ کوئی ذکر بھی ہوتا، لیکن جلسۂ استراحت میں کوئی ذکر منقول نہیں ہے، معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے۔

(۲)......جلسۂ استراحت وضع صلوۃ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ عبادت کی غرض نفس کو مشقت میں ڈال کر اس کی اصلاح کرنا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے: "اجوركم على حسب نصبكم" اور جلسۂ استراحت میں نفس کو مشقت کے بجائے آرام ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ وضع صلوۃ کے خلاف ہے۔

شوافع کے دلائل کے جوابات: (۱)......اگر جلسۂ استراحت مسنون ہوتا تو

نماز کے اوصاف بیان کرنے والے تمام رواۃ اس کا ذکر کرتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اکثر روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے، معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے۔

(۲)......جن روایات میں جلسۂ استراحت کا تذکرہ ہے ان کو عذر کی حالت یا مرض کی حالت پر محمول کیا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری عمر میں بدن بھاری ہوگیا تھا، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلسۂ استراحت فرمالیا کرتے تھے؛ چنانچہ حدیث میں ہے: ''لاتبادرونی فانی قد بدنت'' مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کیا کرو، کیونکہ میرا بدن بھاری ہوگیا ہے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلسۂ استراحت فرمانا عذر کی بنا پر تھا، اس لئے اس کو مسنون نہیں قرار دیا جائے گا۔

(۳)...... یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلسۂ استراحت بیان جواز کے لئے کیا ہو، اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ اختلاف مسنون ہونے میں ہے، جو عمل عذر کی بنا پر ہو یا بیان جواز کیلئے ہو اس کو مسنون قرار نہیں دیا جائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث باب یا اس طرح کی دیگر احادیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہیں۔

قعدہ کی کیفیت

﴿۷۳۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهٗ

وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۹۴، ۱۹۵/ ۱، باب مایجمع صفة الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۹۸.

حل لغات: یشخص اشخص اشخاصا، باب افعال سے، بلند کرنا، شخص (ف) شخوصا الشیء، بلند ہونا، لم یصوبہ صوب تصویبا، باب تفعیل سے، الشیء جھکانا، العقبة جمع عقب، ہر چیز کا آخر۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ''تکبیر'' سے اور قراءت ''الحمد للہ رب العالمین'' سے شروع فرماتے تھے، اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع فرماتے تو اپنا سر مبارک نہ بہت زیادہ بلند فرماتے اور نہ بہت زیادہ پست فرماتے بلکہ درمیان میں رکھتے تھے، اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو بغیر سیدھے کھڑے ہوئے سجدہ میں نہیں جاتے تھے، اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو بغیر سیدھے ہوئے دوسرے سجدہ میں نہ جاتے اور ہر دو رکعت کے بعد ''التحیات'' پڑھتے تھے، اور اپنا بایاں پیر بچھاتے اور اپنا دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے، اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں اس طرح

بچھانے سے منع فرماتے تھے جس طرح درندہ بچھاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پر نماز کو ختم فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی کیفیت کا ذکر ہے، راوی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل چند باتیں نقل کی ہیں:

(۱)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی شروعات تکبیر کے ذریعہ کرتے تھے۔

(۲)......قراءت کی شروعات "الحمدللہ" سے کرتے تھے، معلوم ہوا کہ "بسم اللہ" آہستہ پڑھتے تھے۔

(۳)......رکوع میں پیٹھ اور گردن بالکل برابر رکھتے تھے۔

(۴)......قومہ اور جلسہ ضرور کرتے تھے۔

(۵)......دو رکعت کے بعد قعدہ فرماتے اور قعدہ میں "التحیات" پڑھتے تھے۔

(۶)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاعدہ میں عموماً افتراش کے طور پر بیٹھتے تھے، تورک کے طور پر بیٹھنا عذر کے وقت ہوتا تھا۔ (افتراش اور تورک کی وضاحت آگے آرہی ہے۔)

(۷)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جانوروں کی طرح پیر پھیلا کر بیٹھنے اور کتے کی طرح جو کہ شیطان کے بیٹھنے کا طریقہ ہے، بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔

یستفتح الصلوۃ بالتکبیر: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کو تکبیر تحریمہ سے شروع کرتے تھے۔

و القراءۃ بالحمدللہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت کی شروعات "الحمد للہ رب العالمین" یعنی سورۂ فاتحہ سے کرتے تھے، معلوم ہوا کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "بسم اللہ" جہراً نہیں پڑھتے تھے، سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے قبل "بســـــم اللہ" جہراً پڑھی جائے گی یا نہیں، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟ دونوں اختلاف کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

بسم اللہ جزءِ قرآن ہے یا نہیں؟

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ سورۂ نمل میں جو بسم اللہ ہے وہ اسی سورت کا جز ہے، باقی جو بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان لکھی ہوئی ہے اس میں اختلاف ہے۔ (مرقاۃ)

امام صاحبؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تسمیہ جزءِ قرآن ہے، مگر ہر سورت کا جز نہیں، تسمیہ کا نزول محض فصل بین السورتین اور برکت کے لئے ہوا ہے۔

حنفیہ کے دلائل: (۱)...... "**ولقد آتینـاک سبعا من المثانی والقرآن العظیم**" اس آیت میں "**سبع مثانی**" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کی سات آیات اسی وقت بنتی ہیں جب کہ "بسم اللہ" کو سورۂ فاتحہ کا جز نہ مانا جائے اور اگر سورۂ فاتحہ کا جز "بسم اللہ" کو مانا جائے تو آٹھ آیتیں ہو جائیں گی، اور سورۂ فاتحہ میں آٹھ آیتیں ہیں نہیں، معلوم ہوا کہ "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔

(۲)...... امام صاحب کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی الخ**" اس حدیث قدسی میں پوری سورۂ فاتحہ کی تفصیل موجود ہے۔ لیکن "بســـــم اللہ" کا تذکرہ نہیں ہے، معلوم ہوا کہ "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں ہے۔

(۳)...... "**عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان سورۃ من القرآن**

ثلاثون آیة شفعت لرجل حتی غفر له وهی تبارک الذی بیده الملک" (ترمذی) تبارک الذی میں تیس آیتیں اسی وقت ہونگی جب "بسم اللہ" کو جزنہ مانا جائے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک "بسم اللہ" ہر سورت کا جز ہے۔

دلائل: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم انزلت علی انفا سورة وقرأ بسم الله الرحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر الخ" (ابوداؤد)

(۲)......قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم یفتتح صلوته بسم الله الرحمن الرحیم. (رواہ الترمذی)

جواب دلائل شوافع: دلیل نمبر: (۱) کا جواب......آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبرک کے لئے "بسم اللہ" پڑھی، کیونکہ ابتداء سورت میں "بسم اللہ" پڑھنا آداب تلاوت میں سے ہے۔ یا پھر یہ تسمیہ فصل بین السورتین کے لئے ہے۔

دلیل نمبر: (۲) کا جواب...... یہ بیان جواز پر محمول ہے، یا پھر تعلیم امت کے لئے کبھی آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا، بعض لوگوں نے اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: "هذا لیس اسناده بذلک"

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک "بسم اللہ" قرآن کا جز ہی نہیں ہے؛ بلکہ یہ دوسرے اذکار کی طرح ایک ذکر ہے۔

دلیل: امام مالکؒ بھی انہیں دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز کے شروع میں تسمیہ کا ترک مصرح ہے۔ کیونکہ تسمیہ کا ترک اس بات کی دلیل ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں ہے، امام مالکؒ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرأت کا افتتاح "بسم اللہ" سے ہونے کے بجائے الحمد للہ سے ہونے کا بیان ہے، معلوم

ہوا کہ جب "بسم اللہ" نہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے، اور نہ کسی اور سورت کا تو پھر وہ مجموعہ قرآن کا بھی جز نہ ہوگا۔

امام مالک کی دلیل کا جواب: "بسم اللہ" فصل بین السورتین کے لئے نازل ہوئی ہے، اس لئے کسی خاص سورت کا جز نہیں ہے، لیکن مجموعہ قرآن کا جز ہے، اس لئے کہ قرآن مجید کی تعریف اس پر صادق آ رہی ہے، یعنی "کلام اللہ المنزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبھۃ"

بسم اللہ جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذھب: امام صاحبؒ کے نزدیک تسمیہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے، خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

دلائل: (۱)......"عن ابی وائل قال کان عمر وعلی رضی اللہ عنھما لا یجھران بسم اللہ ولا بالتعوذ ولا بالتأمین" [حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما "بسم اللہ، اعوذ باللہ، اور آمین" زور سے نہیں کہتے تھے۔

(۲)......حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے "صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم یقرأ ببسم اللہ الرحمن الرحیم" [میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے اور ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان میں سے کسی کو بھی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی قراءت کرتے نہیں سنا۔

(۳)......"عن ابراھیم النخعی اربع یخفیھن الامام التعوذ والتسمیۃ

وسبحانک اللّٰھم و آمین“ چار چیزیں امام آہستہ کہے گا، (۱) اعوذ باللہ۔
(۲) بسم اللہ۔ (۳) تسمیہ۔ (۴) سبحانک الخ۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً ”بسم اللہ“ پڑھنا چاہئے۔

دلیل: (۱) ”کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یفتتح صلوتہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم“

دلیل: (۲) نسائی شریف میں حضرت نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: ”صلیت وراء ابی ہریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن الخ“
اور روایت میں ”بسم اللہ“ کی قراءت کا تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ جہری نماز میں ”بسم اللہ“ آواز کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

جواب: امام شافعیؒ کی طرف سے یہی دلیل ”بسم اللہ“ کے سورت کے جز ہونے کے سلسلہ میں پیش کی گئی تھی۔
وہاں جو جوابات نقل کئے گئے ہیں، وہی جوابات یہاں کے لئے بھی کافی ہیں، مزید یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اس حدیث سے صرف قراءت تسمیہ کا ثبوت ہوتا ہے، جہراً کا ثبوت نہیں ہے، سراً پڑھنے کے تو ہم بھی قائل ہیں، لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ تسمیہ قرآن کا جز نہیں ہے، لہٰذا تسمیہ نہ جہراً پڑھی جائے گی، نہ سراً پڑھی جائے گی۔

دلیل: امام مالکؒ حنفیہ کے دلائل سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو گذری اسی کو یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ روایت میں ہے:
”فلم اسمع احدا منھم یقرءون بسم اللہ“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اور خلفاء میں سے کسی کو قراءت کرتے ہوئے نہیں سنا، یہاں قراءت کی نفی ہے، اور وہ سراً و جہراً دونوں کو شامل ہے۔

جواب: جہاں جہاں بھی قراءت کی نفی ہے، وہاں جہراً قراءت کی نفی ہے، سراً قراءت کی نفی نہیں ہے۔

احناف کا مذہب معتدل اور راجح ہے، چنانچہ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: "**فما جهر بالتسمية حتى مات**" اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسمیہ پڑھتے تھے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تسمیہ جہراً نہیں پڑھتے تھے۔

تنبیہ: یہ اختلاف افضل اور غیر افضل ہونے میں ہے، جواز اور عدم جواز میں نہیں ہے، لہٰذا ہر ایک پر عمل کرنا سنت ہے۔

وكان اذا رفع رسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما: حدیث کے اس جزء سے تعدیل ارکان کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے، احناف تعدیل ارکان کے خلاف نہیں ہیں، البتہ تعدیل ارکان کو فرض قرار نہیں دیتے، تعدیل ارکان کے مباحث گذشتہ حدیث میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

وكان اذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتى يستوى قائما: حدیث کے اس جزء سے جلسہ استراحت ثابت ہو رہا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون ہے، احناف اس کو مسنون قرار نہیں دیتے۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

وكان يقول فى كل ركعتين التحية: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے، التحیات کا پڑھنا فرض نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد**

قضيت ما عليك "جب تم نے التحیات پڑھ لی یا التحیات پڑھنے کے بقدر بیٹھ لئے تو تمہاری نماز ہوگئی، معلوم ہوا کہ التحیات پڑھنا فرض نہیں ہے۔

وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى: حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا یہی معمول تھا، بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھتے، لیکن اگلی حدیث ۷۳۶/ر میں قعدہ اولیٰ کے بارے میں یہی کیفیت مذکور ہے، لیکن قعدہ ثانیہ کے بارے میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دائیں پیر کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھ جاتے یہ دوطرح کی روایات ہیں، اس وجہ سے ائمہ کے مابین اختلاف ہو گیا ہے، ہم کیفیت قعدتین اور اختلاف علماء کو نقل کرتے ہیں۔

قعدہ کی کیفیت

اس حدیث میں قعدہ کی ایک کیفیت افتراش کا ذکر ہے، جب کہ اگلی حدیث میں قعدہ اولیٰ میں افتراش اور قعدہ ثانیہ میں تورک کا ذکر ہے۔

افتراش کی تعریف: افتراش یہ ہے کہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھے۔

تورک کی تعریف: تورک یہ ہے کہ بائیں پیر کو دائیں طرف نکال دیا جائے اور سرین پر بیٹھا جائے۔

اختلاف فقہاء

فقہاء کے یہاں قعدہ کی مذکورہ بالا دونوں صورتیں جائز ہیں، البتہ افضل ہونے میں

اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ قعدہ اولیٰ واخیرہ دونوں میں افتراش کو افضل قرار دیتے ہیں۔

دلائل: (۱)......حدیث باب حنفیہ کی دلیل ہے، اس میں مطلقاً یہ بات کہی گئی ہے: "وکان یفرش الخ" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افتراش کے طور پر بیٹھتے تھے۔

(۲)......**وحدیث رفاعة "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال للاعرابی اذا جلست فاجلس علی رجلک الیسریٰ" ابوداؤد.** [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا: جب قعدہ میں بیٹھو تو اپنے بائیں پیر پر بیٹھو] بائیں پیر پر بیٹھنا افتراش ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۳)......**"من سنة الصلوة ان تنصب القدم الیمنیٰ واستقباله باصابعها القبلة والجلوس علی الیسریٰ" (نسائی)** [نماز کی سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں پیر کو کھڑا رکھا جائے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھا جائے، اور بائیں پیر پر بیٹھا جائے۔

یہ تمام احادیث مطلق ہیں، لہٰذا ان کا مطلب یہی ہوگا کہ قعدہ اولیٰ اور اخیرہ دونوں میں افتراش کے طور پر بیٹھا جائے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ سے قریب امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں دو قعدے ہوں یعنی رباعی نماز ہو اس کے قعدہ اخیرہ میں تورک افضل ہے، اور جس میں ایک قعدہ ہو اس میں افتراش افضل ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے۔**"فاذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم**

رجله اليسرىٰ ونصب رجله الاخرىٰ وقعد علی مقعدته. (بخاری)

[آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کو آگے نکال دیتے اور دوسرے یعنی دائیں پیر کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھ جاتے]

معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں تورک کرنا چاہئے۔

جواب: یہ حدیث حالت عذر یعنی مرض وغیرہ یا بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخیر عمر میں جسم بھاری ہوگیا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قعدہ اخیرہ کے طویل ہونے کی وجہ سے اس میں تورک فرماتے تھے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک قعدہ اولیٰ واخیرہ دونوں میں تورک افضل ہے، مؤطا امام مالکؒ میں ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبید اللہؒ نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ مطلقاً تورک کیا کرتے تھے۔ (مؤطا)

جواب: یہ بھی حالت عذر وضعف پر محمول ہے کیونکہ مؤطا امام مالک ہی میں یہ روایت موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تورک کرنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی: "وانما افعل هذا من اجل انی اشتکی" (مؤطا) [یعنی میں تورک بیماری کی وجہ سے کرتا ہوں]

عقبة الشيطان

وكان ينهى عن عقبة الشيطان: اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقبہ شیطان یعنی شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے، اس سے مراد

"اقعاء" ہے، اور اقعاء کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱)......الیتین اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے اور ایڑیوں کو الیتین سے ملا کر ساقین کو کھڑا کرلیا جائے، یہ اقعاء کا قعاء الکلب ہے۔

(۲)......تشہد کی حالت میں جس طرح بیٹھتے ہیں اسی حالت میں بیٹھا جائے اور دونوں ایڑیاں کھڑی کر کے ان پر الیتین کو رکھا جائے،

عقبہٴ شیطان میں دونوں طرح کے اقعاء داخل ہیں، لہٰذا دونوں طرح بیٹھنا ممنوع ہے، البتہ عذر کی حالت میں اقعاء ثانی احادیث سے ثابت ہے، مؤطا امام محمد میں روایت ہے:

"عن المغيرة بن حكيم قال رأيت ابن عمر يجلس على عقبيه بين السجدتين في الصلوة فذكرت له فقال انما فعلته منذ اشتكيت" [میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز میں دونوں سجدوں کے درمیان اپنی ایڑیوں پر بیٹھتے ہیں، میں نے وجہ دریافت کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب سے بیمار ہوا ہوں تب سے ایسا کر رہا ہوں]

وينهى ان يفترش الرجل ذراعيه: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کو دونوں ہاتھ سجدہ میں درندوں کی طرح بچھانے سے منع کیا ہے، یعنی سجدہ میں دونوں ہاتھ زمین سے بالکل ملانا نہیں چاہئے۔ ہاتھ اٹھے رہنا چاہئے۔

الـــرجـــل: [مرد] کی قید سے معلوم ہوا کہ عورتیں دونوں ہاتھ بچھا کر ہی سجدہ کریں گی، کیوں کہ اسی میں تستر زیادہ ہے۔

سلام کا حکم

وكان يختم الصلوة بالتسليم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نماز کا اختتام سلام سے فرماتے تھے، یہاں پر دو مسئلے ہیں:

(۱)......نماز سے نکلنے کے لئے "السلام علیکم" کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲)......دونوں سلام فرض ہیں یا ایک سلام فرض ہے؟

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "خروج بصنع المصلی" فرض ہے، صیغہ سلام کا استعمال واجب ہے، اور ایک قول کے مطابق دونوں سلام واجب ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق پہلا سلام واجب اور دوسرا اسلام مسنون ہے۔ تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین

﴿۷۳۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُکُمْ لِصَلَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حِذَاءَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ اَمْکَنَ یَدَیْہِ مِنْ رُکْبَتَیْہِ ثُمَّ ھَصَرَ ظَھْرَہٗ فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ اِسْتَوَی حَتّٰی یَعُوْدَ کُلُّ فَقَارٍ مَکَانَہٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ یَدَیْہِ غَیْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِھِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْہِ الْقِبْلَۃَ فَاِذَا جَلَسَ فِیْ الرَّکْعَتَیْنِ جَلَسَ عَلٰی رِجْلِہِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی فَاِذَا جَلَسَ فِیْ الرَّکْعَۃِ الآخِرَۃِ قَدَّمَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِہٖ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۴ / ۱، باب سنة الجلوس فی التشھد، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت میں فرمایا: کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں زانوں کو مضبوطی سے پکڑتے، اور اپنی پشت کو جھکاتے، اور سر مبارک اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ سارے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے، اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے اور انہیں نہ پھیلاتے اور نہ سمیٹتے، اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھتے، اور جب دو رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھتے تو بائیں پیر پر بیٹھتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے، اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پیر کو آگے نکال دیتے اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھتے۔

تشریح: وعن ابی حمید الساعدی: ان راوی کا نام عبدالرحمٰن ہے، یہ ان اصحاب نبیؐ میں سے ہیں جنہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ عرصہ گذارا ہے، اور اپنی قوت یادداشت وحافظہ کی پختگی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کو بہت قاعدہ سے یاد رکھا ہے۔

رأیتہ اذا کبر: یہ راویؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے، تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے، نماز میں فعلی ابتدا اس سے، اور قولی ابتدا اللہ اکبر کہہ کر ہوتی ہے، ابتداء فعلی اور قولی میں کوئی منافات نہیں، دونوں کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں، اور دونوں پر ابتداء کا حکم لگانا صحیح ہے۔

کیفیت رفع یدین

اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ چنانچہ صاحب مرقاۃ نے قاضی کا قول نقل کیا ہے: "اتفقت الامة علی ان رفع الید عند التحریم مسنون" لیکن کیفیت رفع میں اختلاف ہے، رفع یدین کب کب کیا جائے؟ یہ بھی مختلف فیه اور معرکة الآراء مسئلہ ہے، اس کو اگلی حدیث کے تحت نقل کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، یہاں صرف کیفیت رفع کے اختلاف کو نقل کیا جاتا ہے۔

حنفیه کا مذهب: امام صاحبؒ کے نزدیک ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا چاہئے۔

دلیل: آگے مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آرہی ہے: "کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی بهما اذنیه" [حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اوران کو اپنے کانوں کے برابر لاتے]

جمهور کا مذهب: جمہور کے نزدیک کندھوں تک ہاتھ اٹھایا جائے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے، اس میں منقول ہے: "اذا کبر جعل یدیه حذاء منکبیه" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے برابر لاتے۔]

جواب: یہ روایت حالت عذر پر محمول ہے، جیسا کہ ابو داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ "رأیت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حین افتتح الصلوۃ رفع یدیه حیال اذنیه ثم أتیتهم فرأیتهم یرفعون ایدیهم الی صدورهم فی افتتاح الصلوۃ وعلیهم برانس

واكسية"

تطبیق: اولاً تو یہ سمجھئے کہ یہ اختلاف جائز ناجائز میں نہیں ہے، بلکہ صرف افضل اور غیر افضل ہونے میں ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرح کے عمل ثابت ہیں، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ روایت میں "رفع یدین الی المنکبین، الی الاذنین اورالی فروع الاذنین" تینوں ثابت ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نزاع لفظی ہے، اور تطبیق یوں ہوگی کہ ہاتھ کی ہتھیلی کاندھے تک ہو، انگوٹھے کان تک ہوں اور انگلیوں کے سرے کان کے بالائی حصہ تک ہوں اس طرح تمام روایات پر عمل ہو جائے گا۔

شافعیہ حنفیہ کا مذہب

علامہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعیؒ جب مصر آئے تو ان سے تکبیر کے وقت رفع یدین کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ مصلی اپنے ہاتھوں کو اس طور پر اٹھائے کہ اس کی ہتھیلیاں اس کے دونوں مونڈھوں کے سامنے ہوں اور انگوٹھے اس کے دونوں کانوں کے لو کے مقابل میں ہوں اور اس کی انگلیوں کے کونے دونوں کانوں کے بالائی حصہ تک ہوں۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ یہ بہترین تطبیق ہے اس کو ہمارے بعض مشائخ نے بھی اختیار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں شافعیہ حنفیہ متفق ہیں۔

تکبیر تحریمہ کی مشروعیت

تکبیر تحریمہ کی مشروعیت عبادت کے طور پر ہے یا کسی اور حکمت سے؟ اس میں کئی قول ہیں:

(۱)......توحید کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مشروع ہوئی ہے۔
(۲)...... جو مقتدی "اللہ اکبر" سن نہ سکتا ہو وہ دیکھ کر امام کی اقتداء کر لے، اس لئے تکبیر مشروع ہوئی۔
(۳)......اس میں دنیا کے تمام امور کو پس پشت ڈال کر مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہونے کی جانب اشارہ کے لئے مشروع ہے۔
پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں یا پہلے زبانی تکبیر کہی جائے؟ اس میں چند اقوال ہیں:
(۱)...... پہلے ہاتھ بلند کئے جائیں، پھر زبان سے تکبیر کہی جائے اور زبانی تکبیر کے ختم ہوتے ہوئے اٹھائے ہوئے ہاتھوں کو نیچے گرا کر باندھ لے۔
(۲)...... پہلے ہاتھوں کو بلند کرے، پھر زبانی تکبیر کہے، پھر دونوں ہاتھوں کے بلند رہتے ہوئے تکبیر مکمل کرے اس کے بعد ہاتھوں کو نیچے گرا کر باندھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف بھی صرف افضلیت کے اندر ہے، ورنہ سبھی طریقے مسنون ہیں۔

رکوع کی کیفیت

وإذا ركع أمكن يديه: رکوع میں دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لے، اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھے، ہمیں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ رکوع میں ہاتھ کی انگلیاں کشادہ رکھی جائیں، سجدہ میں بند رہیں اور تکبیر تحریمہ و تشہد میں اپنے حال پر رہیں۔ واللہ اعلم

ثم هصر ظهره: مطلب یہ ہے کہ رکوع میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گردن اور پیٹھ کو بالکل برابر رکھتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے عیسیٰ کی روایت کے الفاظ بھی یہاں نقل کئے ہیں، "**غير مقنع رأسه ولا مصوب**" سر بھی پیٹھ اور گردن کے برابر ہی رہتا تھا،

اٹھا ہوا یا جھکا ہوا نہیں ہوتا تھا، رکوع میں ہاتھ پہلو سے دور رہتے تھے، اس کے لئے حافظ نے یہ حدیث نقل کی ہے "وو تریدیه فتجافیٰ عن جنبیه" اور رکوع میں انگلیاں کھلی رہتی تھیں، اس کی مزید وضاحت کے لئے حافظؒ نے یزید بن حبیب کی روایت نقل کی ہے: "وفرج بین اصابعه" (فتح الباری: ۲۹۰/۲)

سجدہ میں جاتے وقت

فاذا سجد وضع یدیه: [جب سجدہ میں جاتے تو اپنے ہاتھ رکھتے] اس حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جب جایا جائے تو پہلے ہاتھ رکھا جائے، یا پہلے گھٹنے رکھے جائیں، دونوں صورتیں درست ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے گھٹنوں کو رکھا جائے، پھر ہاتھ کو پھر ناک کو پھر پیشانی کو، صاحب مرقاۃ اس جز کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: "ای بعد وضع رکبتین" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں ہاتھوں کو گھٹنے رکھنے کے بعد رکھتے تھے۔

ایک روایت میں ہے: "کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین" کہ ہم شروع میں سجدہ میں پہلے ہاتھوں کو رکھتے تھے، پھر گھٹنے رکھتے تھے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پہلے گھٹنے رکھو پھر ہاتھ رکھو تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی پر عمل کرنے لگے۔

سجدہ کی کیفیت

غیر مفترش ولا قابضهما: سجدہ کی ہیئت یہی ہے کہ ہاتھ پہلو سے الگ ہوں، اس میں گھسے نہ ہوں، اور ہاتھ اٹھے ہوئے ہوں، بچھے ہوئے نہ ہوں، یعنی بانہوں اور

زمین کے درمیان میں بھی خلا ہونا چاہئے، اور ہاتھ کی انگلیاں کھلی رکھیں۔

واستقبل باطراف اصابع رجليه: سجدہ میں پیر کی انگلیوں کے کنارے قبلہ رخ رہیں، بعض لوگوں نے اس کو واجب بھی قرار دیا ہے، لیکن سنت مؤکدہ ہونے میں تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں، اس کو ترک کرنا مکروہ ہے۔

قعدہ کی کیفیت

فاذا جلس في الركعتين: قعدہ کی دو ہیئتیں منقول ہیں:

(۱)...... **افتراش**: یعنی بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا، اور دائیں پیر کو کھڑا رکھنا۔

(۲)...... **تورک**: یعنی سرین کو زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں جانب نکال لینا، قعدہ اولی میں افتراش کا ذکر ہے، اور قعدہ اخیرہ میں تورک کا ذکر ہے، امام صاحب کا مذہب دونوں قعدوں میں افتراش کا افضل ہونا ہے۔ یہ بحث پیچھے گذر چکی ہے۔

رفع یدین کا تذکرہ

﴿۷۳۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكَبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَايَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۰۲/ ۱، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۳۵۔ مسلم شریف: ۱۶۸/ ۱، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، نیز جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے اور (رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے) کہتے "سمع اللہ لمن حمدہ. ربنا لک الحمد" [اللہ نے اس شخص کی سن لی جس نے اس کی حمد بیان کی، اے ہمارے پروردگار! تعریف تو آپ ہی کے لئے ہے] اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں چند چیزیں بیان کی گئی ہیں:

(۱)...... تکبیر تحریمہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کی کیفیت اس کا تذکرہ گذشتہ حدیث میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

(۲)...... رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے۔

(۳)...... رکوع میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو تسبیح پڑھتے تھے وہ بھی حدیث میں منقول ہیں۔

(۴)...... یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدوں میں رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔

کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ: تکبیر تحریمہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے، تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھانا

افضل ہے؟ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں یا پہلے "اللہ اکبـــــــر" کہا جائے؟ یہ اور اس کے علاوہ دوسرے مباحث کے لئے گذشتہ حدیث کے تحت دیکھیں۔

مسئلہ رفع یدین

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا بھی حدیث سے ثابت ہے اور اس کا ترک کرنا، یعنی رفع یدین نہ کرنا بھی حدیث سے ثابت ہے، بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت افراط وتفریط سے کام لیا ہے، اور مناظرانہ بحثیں کی ہیں، چنانچہ بعض لوگوں نے رفع یدین کو بدعت قرار دیا، تو بعض نے ترک کو حدیث کے خلاف سمجھا، امام بخاریؒ رفع یدین کو سنت قرار دیتے ہیں، انہوں نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے: "جزء رفع الیدین" اس میں انہوں نے رفع یدین کا انکار کرنے والوں کی بھرپور تردید کی ہے، لیکن انہوں نے بھی ترک رفع کرنے والوں کی تردید میں حد سے تجاوز کیا ہے، اور ترک رفع کی قطعی گنجائش نہیں سمجھتے، اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ترک رفع حدیث سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، دونوں مسلک احادیث سے ثابت ہیں، اور دونوں طریقوں پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عمل کیا ہے، اس لئے یہ اختلاف جواز اور عدم جواز کا ہونا ہی نہیں چاہئے، اختلاف کی بنیاد یہ ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زیادہ عمل کیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ عام طور سے کیا کرتے تھے۔

بیان مذاہب

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت مسنون ہے، چنانچہ شامی میں ہے:"**لا یرفع عند تکبیرات الانتقال خلافا للشافعیؒ واحمد فیکرہ عندنا**" (الشامی:۴۷۴/۱)[تکبیرات انتقالیہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے، اس مسئلہ میں امام شافعیؒ واحمد کا اختلاف ہے، ہمارے نزدیک تو ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے] یہی مذہب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ودیگر بہت سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کا ہے۔ آثار السنن میں ہے:"**واما الخلفاء الاربعة فلم يثبت منهم رفع الأيدى غير تكبيرة الاحرام**" [خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے]

دلائل: (۱)......"**عن علقمة قال قال ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه الا اصلى بكم صلوة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه الا فى مرة**" [حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کیا میں آپ لوگوں کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔] (ترمذی)

(۲)......"**عن البراء بن عازب رضى الله تعالىٰ عنه قال ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب اذنيه ثم لا يعود**" [حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تب اپنے دونوں کانوں کے

قریب تک اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اسکے بعد پھر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔]
(ابوداؤد)

شوافع کا مذہب: شوافع فرماتے ہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔

دلیل: شوافع کی طرف سے بھی بہت سی دلیلیں ذکر کی جاتی ہیں ان میں سب سے مضبوط دلیل حدیث باب یعنی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے، جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "**اذا کبر للرکوع واذا رفع رأسہ من الرکوع رفعھما**" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع یدین فرماتے تھے۔]

شوافع کی دلیل کا جواب: شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے اس کے علاوہ جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان سے صرف رفع یدین کا ثبوت ہوتا ہے، رفع یدین کے ثبوت کے ہم بھی قائل ہیں ان دلائل سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوتی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، اور اخیر زندگی تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی پر قائم رہے تھے؛ چنانچہ ایک موقعہ پر مغیر بن مقسمؒ نے حضرت ابراہیم نخعی سے حضرت وائل بن حجرؓ کی رفع یدین کی روایت پیش کر کے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: کہ حضرت وائل نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ایک بار دیکھا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترک رفع یدین کرتے ہوئے پچاس بار دیکھا ہے، ابراہیم کے جواب کا حاصل یہی تھا کہ رفع یدین کو ترک رفع یدین کے مقابل ایک اور پچاس کی نسبت احادیث مبارکہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے موقعہ پر رفع یدین کی روایت کرنے والے رواۃ کی تعداد

پچاس سے زائد ہے، لیکن رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع کو نقل کرنے والوں کی تعداد علامہ شوکانیؒ کی تصریح کے مطابق بیس اور علامہ انور شاہ کشمیری کے صراحت کے مطابق پندرہ ہے، ترک رفع کے رواۃ کی تعداد پانچ ہے جو کہ رفع کی تعداد سے بھی بہت کم ہے، لیکن یہاں یہ خیال رہے کہ ترک رفع ایک غیر وجودی چیز ہے، جس کا بہت زیادہ نقل کرنا ضروری نہیں، جب کہ رفع یدین ایک وجودی چیز ہے اس کو سب لوگ دیکھتے ہیں، پھر ہم آگے اس کی وضاحت کریں گے کہ ترک رفع کے ناقلین اگرچہ کم ہیں لیکن ترک رفع کر کے نماز پڑھنے والے بہت ہیں۔

وہ ابن عمرؓ کی روایت کو اپنا سب سے مضبوط مستدل سمجھتے ہیں، امام بخاریؒ بھی رفع یدین کے زبردست مدعی ہیں اور انہوں نے بھی اسی روایت کو سب سے پہلے پیش کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت اصح الاسانید کے ذریعہ آنے کے باوجود ترجیح رفع پر استدلال کے سلسلہ میں مختلف وجوہ کی بنا پر کارآمد نہیں ہے۔

(۱)...... پہلی وجہ یہ ہے کہ روایت سے صرف یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفع یدین بھی کیا ہے، اتنی بات سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے، مگر اس سے ترجیح یا استدلال اسی وقت ممکن ہے جب کہ رفع یدین پر دوام واستمرار کے ساتھ تا آخر حیات عمل کی صراحت بھی ہو، اور یہ صراحت کسی بھی معتبر روایت میں نہیں ہے۔

(۲)...... روایت میں طرح طرح کے اختلافات ہیں، مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے، اور اسی وجہ سے امام مالک نے بھی روایت کو معمول بہ نہیں بنایا۔

(۳)...... روایت کے الفاظ مختلف ہیں، اس کی وجہ سے موضع رفع میں چھ طرح کا اختلاف پیدا ہوگیا ہے، اس کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب کہتے ہیں، اور اس سے کم اضطراب کی صورت میں بھی روایات کو ترک کیا گیا ہے۔

(۴)......حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عمل میں اختلاف ہے اور راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہوتو اس سے استدلال محل نظر ہو جاتا ہے۔

(۵)......روایت میں نماز کے تمام اجزاء سے صرف نظر کر کے صرف ایک جزء پر زور دیتے ہیں، صاف اشارہ ہے، اس زمانہ خیر القرون میں ترک رفع پر عمل کی کثرت تھی ان وجوہ کی بنا پر یہی کہا جائے گا کہ گو روایت سند کے اعتبار سے نہایت قوی ہے، لیکن اس سے رفع یدین کی ترجیح کو ثابت کرنا نہایت دشوار ہے۔ (ایضاح البخاری: ۴/۳۳۶)

شبہ اور اس کا جواب

شبہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری عمل رفع یدین تھا، ابن عمرؓ کی روایت ہے: "فمازالت تلک صلوته حتی لقی اللہ" بیہقی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

جواب: یہ بات بالکل محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخیر عمر تک جس عمل پر مداومت کرتے، بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس عمل کو ترک کر دیتے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اضافہ ضعیف بلکہ موضوع ہے، یہ اضافہ جن رواۃ کی طرف سے آیا ہے یہ دو لوگ ہیں:

(۱)......علقمہ بن محمد انصاری۔ (۲)......عبدالرحمٰن بن قریش

دونوں پر محدثین نے بہت جرح کی ہے، چنانچہ علقمہ کے بارے میں ابو حاتم کہتے ہیں: "لیس بقوی" یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ "کذاب" اسی طرح عبدالرحمٰن کو سلیمان نے "متهم بالوضع" قرار دیا ہے۔

رفع یدین کی حکمت

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیوں کیا جاتا ہے، اس کی وضاحت تو گذشتہ حدیث میں ہو چکی ہے، لیکن حدیث میں جن دو مقامات پر رفع یدین کا تذکرہ ہے، اس میں رفع یدین کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد طویل قیام رہا، لہٰذا نماز کے دوسرے رکن رکوع میں جانے کے وقت نمازیوں کو چوکنا کرنے کے لئے رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کیا جاتا ہے، پھر رکوع سے سر اٹھانے کے وقت چوں کہ نماز کے سب سے اہم رکن سجدہ کی تیاری ہوتی ہے، اس لئے پھر طبیعت کو بیدار اور نفس کو متوجہ کرنے کی خاطر رفع یدین کیا جاتا ہے، یہ عمل شروع میں تھا، بعد میں اس پر عمل کم ہو گیا۔

رفع اور ترک رفع میں عمل کس پر زیادہ؟

یہ بات تو گذر چکی ہے کہ رفع کی روایات زیادہ ہیں، ترک رفع کی روایت کم ہیں، لیکن عمل کی صورت اس سے مختلف ہے، مدینہ منورہ اور کوفہ دونوں اہم شہر ہیں، اور ان دونوں شہروں میں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، لیکن ان دونوں ہی شہروں میں ایک بھی صحابی ایسے نہیں تھے، جو رفع یدین کرتے ہوں، چنانچہ امام مالکؒ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بہت اہمیت دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تعامل مدینہ کے پیش نظر ترک رفع کو اختیار کرتے ہیں، اور اسی تعامل کی بنا پر ترک رفع کے ناقلین کم ہیں، کیونکہ تعامل خود بہت بڑی دلیل ہے۔

رفع اور ترک رفع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طریقہ ثابت ہیں، مجتہدین کا اختلاف اس بات میں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلا عمل کون سا تھا، اور آخری عمل کون سا تھا، جو حضرات رفع یدین کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پہلا عمل ترک

رفع کا تھا اور آخری عمل رفع کا تھا، اور یہی اصل ہے، شروع میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع تھا، پھر تدریجاً اس کو ختم کر دیا، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی آخری عمل ترک رفع ہے، اس سلسلہ میں مزید وضاحت کے لئے ادلہ کاملہ دیکھیں۔

ترک رفع یدین کی وجوہ ترجیح

(۱)...... رفع یدین کی جو روایات ہیں وہ فعلی ہیں، قولی کوئی بھی روایت نہیں ہے، جب کہ ترک رفع یدین کی قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایات ہیں، فعلی روایات مثلاً "عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیه فی اول تکبیر ثم لا یعود" اور قولی مثلاً جابر بن سمرہ کی مسلم شریف میں روایت ہے: "مالی اراکم رافعی ایدیکم اسکنوا فی الصلوة" یہ روایت ترک رفع کیلئے نص صریح ہے۔

(۲)...... عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ترک رفع پر عمل زیادہ رہا ہے، اور رفع یدین پر کم عمل رہا ہے، جیسے کہ ابراہیم نخعیؒ کا تبصرہ گذر چکا ہے، کہ اگر وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پچاس مرتبہ ترک رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۳)...... تعامل مدینہ بھی ترک رفع یدین ہی ہے، اسی وجہ سے امام مالکؒ ترک رفع ہی کے قائل ہیں۔

احناف کے دلائل پر اشکال

احناف کے جو دلائل ہیں ان پر بھی طرح طرح کے اشکالات کئے جاتے ہیں، میں

نے جو دلائل ذکر کئے ہیں ان پر ہونے والے اشکالات وجوابات کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

اشکال: پہلی دلیل پر اشکال یہ ہے: "**قال ابوداؤد ولیس هو بصحیح علی هذا المعنی**" (مشکوۃ) یعنی یہ حدیث سند کے اعتبار سے تو صحیح ہے، لیکن مضمون کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔

جواب: (۱)...... مضمون کے اعتبار سے صحت کا دارومدار سند کی صحت پر ہے، لہٰذا مضمون بھی صحیح ہے۔

(۲)...... حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، صحیح نہیں ہے، اور امام ترمذی نے اس کو حسن ہی قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل پر اشکال

ہم نے جو دوسری دلیل براء بن عازب کی پیش کی ہے اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ "**ثم لایعود**" کا جملہ یزید بن زیاد راوی کی زیادتی ہے، دوسرے رواۃ کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

جواب: (۱)...... عیسیٰ اور حکم بھی یہ جملہ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں لہٰذا یزید متفرد نہیں ہیں، بلکہ ان کے توابع موجود ہیں۔

(۲)...... یہ لوگ راوی ہیں اور ثقہ کی یہ زیادتی معتبر ہوتی ہے۔

و قال سمع الله لمن حمده ربنا لک الحمد: رکوع سے اٹھنے کے وقت مذکورہ دعا پڑھی جائے گی اس دعا کے پڑھنے میں تین قراءتیں یا یہ کہئے کہ تین روایتیں ہیں:

(۱)......وہ الفاظ جو حدیث باب میں موجود ہیں۔

(۲)......اللهم ربنا لک الحمد.

(۳)......ربنا ولک الحمد "ولک الحمد" میں واؤ عاطفہ ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: "ربنا استجب ولک الحمد" بعض لوگوں نے واؤ کو زائد بھی قرار دیا ہے۔

تسمیع وتحمید میں امام ومقتدی کا وظیفہ

اس دعا کو پڑھنے کے لئے ائمہ میں اختلاف ہوگیا، اس کو مختصراً یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صرف تسمیع یعنی "سمع الله لمن حمده" کہے گا، مقتدی صرف تحمید یعنی "ربنا لک الحمد" کہے گا، اور منفرد تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے گا، یعنی "سمع الله لمن حمده اور ربنا لک الحمد" دونوں کہے گا، امام مالکؒ کا مذہب بھی حنفیہ کے مطابق ہے۔

دلیل: ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لک الحمد" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام "سمع الله لمن حمد" کہے تو تم لوگ مقتدی "ربنا لک الحمد" کہو] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امام ومقتدی دونوں کی الگ الگ دعائیں مقرر فرما کر دونوں کے مابین تقسیم فرمادی ہے، اور تقسیم شرکت کے منافی ہوتی ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں "القسمة تنافي الشركة"

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام بھی تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کریگا۔

دلیــــل: حدیث باب ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسمیع وتحمید کو جمع کیا، روایت کے الفاظ ہیں، ''قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد'' بعض لوگوں نے امام شافعیؒ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ امام ومقتدی دونوں ہی تسمیع وتحمید کو جمع کریں گے، امام کے جمع کرنے پر تو دلیل گذر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں کو جمع کیا ہے، اور مقتدی کے حق میں استدلال یوں کیا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''صلوا کما رأیتمونی اصلی'' میرے نماز پڑھنے کی طرح نماز پڑھو۔

جــــواب: یہ ساری باتیں حدیث باب سے استدلال کر کے کہی جا رہی ہے، اور حدیث باب میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسمیع وتحمید کو جمع کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت حالت انفرادی پر محمول ہے، اور منفرد کے لئے ہم بھی دونوں تسبیحوں کے جمع کرنے کے قائل ہیں: ''وکان لا یفعل فی السجود'' سجدہ میں جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع یدین نہیں فرماتے تھے، شروع میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین فرماتے تھے، جیسے کہ نسائی: ۱۶۵/ا رمیں مالک بن حویرث کی روایت سے ثابت ہے، لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

دوسری رکعت سے کھڑے ہوتے ہوئے رفع یدین

﴿۷۳۸﴾ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ

اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَرَفَعَ ذٰلِکَ ابْنُ عُمَرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۲ / ۱، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۳۹۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو بلند فرماتے اور جب رکوع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے اور جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے اور جب دو رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس عمل کو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک مرفوع فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی وہی مضمون ہے جو گذشتہ احادیث میں بیان ہو چکا ہے، یہاں ایک بات کا اضافہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دوسری رکعت سے فارغ ہونے کے بعد جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو بھی رفع یدین فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر بھی احادیث سے رفع یدین کا ثبوت ہے۔

حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں جاتے وقت رفع یدین فرماتے تھے، جب کہ احناف اس موقعہ پر رفع یدین کے قائل نہیں ہیں، حدیث باب کا جو جواب دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث شریف سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا ہے، محض رفع یدین کا ثبوت حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حنفیہ خود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں ثابت ہیں، البتہ ترک راجح ہے، اور ترجیح کی وجوہات ماقبل کی حدیث میں گذر چکی ہیں، ان کو دیکھ لیا جائے، یہاں ایک اور وجہ ترجیح نقل کی جاتی ہے، کہ رفع اور ترک رفع دونوں احادیث سے ثابت ہے، لیکن ترک رفع قرآن مجید کی آیت "قوموا لله قانتین" کے مطابق ہے، اور روایات میں اختلاف کے وقت جو روایت قرآنی ہدایت کے زیادہ قریب ہوگی اس کو ترجیح دی جائیگی۔ اس بنا پر ترک رفع کی روایات راجح ہونگی۔

ورفع ذلک ابن عمر: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مذکورہ بالا عمل کو مرفوع قرار دیتے تھے، یعنی یہ کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں

﴿۷۳۹﴾ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۰۲/۱، باب رفع اليدين اذا كبر، كتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۳۷۔ مسلم شریف: ۱۶۸/۱، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الاحرام، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۹۱۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے مقابل ہو جاتے، اور جب رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور اسی طرح کرتے، (رفع یدین کرتے) ایک روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھ کانوں کے اوپر کے حصہ کے مقابل ہو جاتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح تکبیر کہتے وقت رفع یدین فرماتے تھے، اسی طرح رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین فرماتے تھے، اور زبان سے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تھے، تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا اور کانوں کے اوپری حصہ تک اٹھانا دونوں ہی احادیث سے ثابت ہے۔

یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حنفیہ خود ہی کہتے ہیں کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں احادیث سے ثابت ہیں، لیکن ترک رفع افضل ہے۔ تحقیق پچھلی احادیث میں گذر چکی ہے۔

جلسہ استراحت

﴿۷۴۰﴾ وَعَنْهُ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهٖ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا۔

(رواہ البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱۱۳/۱، باب من استوی قاعدا فی وتر من صلاته ثم نهض، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۲۳۔

ترجمه: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی نماز کی طاق رکعت میں جب تک کہ سیدھے بیٹھ نہ جاتے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی اور تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت فرماتے تھے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو باندھنا

﴿۷۴۱﴾ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱۷۳/۱، باب وضع یده الیمنیٰ علی الیسریٰ، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۰۱۔

ترجمه: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی، پھر ہاتھ کپڑے کے اندر ڈھانک لئے اور اپنے دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھا پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ کپڑے سے نکال کر ان کو اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے، اور جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا تو ہاتھوں کو اٹھایا، پھر سجدہ کیا، تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا۔

تشریح: ثم التحف بثوبه: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو آستین سے نکال کر تکبیر کہی، پھر آستین میں، اور ایک قول کے مطابق چادر میں اپنے ہاتھوں کو داخل کرلیا، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آستین میں جاڑے کی شدت کی وجہ سے ہاتھوں کو داخل کرلیا، یا اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہاتھوں کو لپیٹ لیا کہ ہاتھ کا کھلا ہونا تکبیر تحریمہ کے علاوہ واجب نہیں ہے، صاحب مرقاۃ نے ابن ملک کے اس قول کو ذکر کر کے تردید کرتے ہوئے کہا کہ تکبیر کے وقت بھی ہاتھ کا کھلا ہونا واجب نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

ثم وضع یده الیمنی علی الیسری: پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عمل سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہوا۔

بحالت قیام وضع یدین یا ارسال یدین؟

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک ارسال یدین مسنون ہے۔

دلیل: امام مالکؒ کے پاس اپنے مذہب پر کوئی صریح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے،

البتہ بعض آثار سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: "عن الحسن ومغیرة بن ابراهیم انهما کانا یرسلان ایدیهما فی الصلوة" ایسے ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے: "کان ابن الزبیر اذا صلی یرسل یدیه" ابن سیرین اور ابن مسیب کے آثار سے بھی ارسال کا ثبوت ملتا ہے۔

جمہور کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے۔

دلائل: (۱)......حدیث باب ہے، جس میں وائل بن حجر کہہ رہے ہیں: "وضع یده الیمنیٰ علی الیسریٰ" [یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا]

(۲)......آگے حدیث آرہی ہے: "کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنیٰ علی ذراعه الیسریٰ فی الصلوة" [لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھیں۔]

(۳)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: "انا معاشر الانبیاء امرنا ان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی الصلوة" [ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑیں۔]

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: جو آثار پیش کئے گئے وہ سب اجتہادات ہیں، جو کہ مرفوع احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہیں، اگر کسی شاذ مرفوع روایت سے ارسال کا ثبوت مل بھی جائے تو بیان جواز یا عذر پر محمول کیا جائے گا۔

وضع یدین کا محل

جو لوگ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کے قائل ہیں ان میں بھی اس بات میں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں پر باندھے جائیں گے، یعنی ہاتھ باندھنے پر تو اتفاق ہے، لیکن ہاتھ باندھنے کی جگہ پر اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحت السرۃ یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

دلائل: (۱)......حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ**" [میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔]

(۲)......حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے: "**من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ**" نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک ناف کے اوپر سینہ کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔

دلیل: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ**" [وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا تھا۔]

جواب: (۱)...... یہ حدیث شوافع کے مذہب کی مؤید نہیں ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے، حالانکہ شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

(۲)...... جواز پر محمول ہے۔

مذہب احناف کی وجوہ ترجیح: (۱)...... شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے وہ جزوی واقعہ ہے، اور احناف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو دلیل پیش کی ہے وہ ضابطہ کلیہ ہے، اور قاعدہ کلی ضابطہ جزوی واقعہ پر راجح ہوتا ہے۔

(۲)...... آثار السنن: ۴۶/۱ پر ہے کہ "علی صدرہ" کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔

(۳)...... حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تعارض نہیں ہے۔

اتنی بات تو طے ہوگئی کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے گا، ناف کے نیچے رکھا جائے گا، لیکن داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر کس طرح رکھا جائے گا؟ فقہ کی کتابوں میں اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رہے، اور خنصر وابہام سے حلقہ بنا کر کلائی کو پکڑ لیا جائے اور مابقیہ تینوں انگلیاں کلائی پر رکھ لی جائیں۔ تاکہ سب روایات جمع ہو جائیں۔

ایضاً

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِىْ الصَّلٰوةِ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱۰۲/ ۱، باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۴۰۔

ترجمه: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز پڑھنے والا نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے۔

تشریح: کان الناس یؤمرون: زمانۂ نبوت میں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھیں، اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھیں، بخاری شریف میں اس موقعہ پر ابو حازم کا یہ قول منقول ہے: "لا اعلمه الا ینمیٰ ذلک الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" [حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ بات کہی ہے کہ عہد رسالت میں لوگ حکم دیئے جاتے تھے، اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔] یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم کرتے تھے، کیونکہ "یؤمرون" مجہول کا صیغہ ہے، اس طرح کی تعبیر میں حکم کرنے والی ذات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی سمجھی جاتی ہے۔

فائده: ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے میں اظہار ادب اور اپنی کمال عبدیت کا اظہار واعتراف ہے۔

تکبیرات کا ذکر

﴿۷۴۳﴾ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِیْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِی الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰی يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۹، باب التکبیر اذا قام من السجود، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۸۹۔ مسلم شریف: ۱/۱۶۹. باب اثبات التکبیر فی کل خفض الخ، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۹۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے، پھر جس وقت رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے، "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے، پھر کھڑے کھڑے "ربنا لک الحمد" کہتے، پھر جب جھکتے تو تکبیر کہتے اور سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاتے، پھر جب اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر ساری نماز پوری کرنے تک یہی عمل کرتے، اور جب دو رکعت پر بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے تھے۔

تشریح: اذا قام الی الصلوة یکبر حین یقوم: یہ تو تکبیر تحریمہ ہے، اس موقعہ پر تکبیر کہے جانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ثم یکبر حین یرکع: رکوع میں جاتے وقت بھی تکبیر کہی جائے، یہ انتقالات صلوۃ میں سے پہلا موقعہ ہے، جہاں خفض یعنی جھکنا ہے، کچھ لوگ اس موقعہ پر ترک

تکبیر کے قائل تھے۔

ثم یکبر حین یھوی: یہ خفض کا دوسرا موقعہ ہے یہاں بھی کچھ لوگ ترک تکبیر کے قائل تھے۔

ان مقامات پر ترک تکبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ امام قومہ سے رکوع کی طرف یا قومہ سے سجدہ کی طرف جب جائے گا تو وہ مقتدیوں کی نگاہ میں ہوگا، ان مواقع پر تکبیر ترک کی جا سکتی ہے، اس کے برخلاف خفض سے رفع کی صورت میں مثلاً سجدہ سے اٹھنے کے وقت اگر امام تکبیر ترک کر دے تو اس میں دشواری کھڑی ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت امام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں ہوتا، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ خفض سے رفع کے وقت تکبیر ترک نہیں کی جا سکتی، البتہ دو رکعت کے بعد تشہد سے فارغ ہو کر جو قیام ہوگا اس میں بھی بنو امیہ کے دور میں ترک تکبیر تھی کیوں کہ اس وقت بھی امام مقتدیوں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، بنو امیہ نے ان مواقع پر ترک کا معمول بنا لیا تھا، اصل میں ان کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے اشتباہ ہو گیا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں ضعف کی وجہ سے تکبیرات خفض بہت آہستہ کہتے تھے، وجہ یہی تھی کہ زور سے کہے بغیر بھی کام چل جاتا تھا، لیکن ان کے بہت آہستہ تکبیر کہنے کی بنا پر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اصل یہی ہے کہ خفض کے موقعہ پر تکبیر نہ کہی جائے، جیسا کہ بخاری کی مندرجہ ذیل روایت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے: ”**عن عكرمة قال صليت خلف شيخ بمكة فكبر ثنتين وعشرين تكبيرة فقلت لابن عباس انه احمق فقال ثكلتك امك سنة ابى القاسم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم**“ [حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس مرتبہ اللہ اکبر کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا یہ بڑے میاں احمق ہیں، تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تیری ماں تجھ کو روئے، یہی تو ابو القاسم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔]

واقعہ یہ ہے کہ تکبیر چار رکعت والی نمازوں میں بائیس مرتبہ ہے، کیونکہ ہر رکعت میں پانچ تکبیر ہیں، اس کے علاوہ ایک تکبیر تحریمہ ہے، اور ایک تکبیر دو رکعت کے بعد تشہد سے اٹھتے وقت اس طرح کل بائیس تکبیریں ہوگئیں، لیکن ایک زمانہ میں خفض کے موقعہ کی تکبیریں بعض مقامات پر اس طرح متروک ہوگئی تھیں کہ جو لوگ اس پر عمل پیرا تھے ان کو احمق کہنے سے گریز نہیں کیا۔ پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا جائے گا، اس کے علاوہ تمام انتقالات صلوٰۃ میں تکبیر کہی جائے گی، اور کل تکبیر کی تعداد بائیس ہے۔

نماز میں طول قیام

﴿۷۴۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۵۸/۱، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۵۶۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔

تشریح: افضل الصلوۃ طول القنوت: "طویل قنوت" افضل ہے، قنوت کے مختلف معنی ہیں، مثلاً اطاعت کرنا، نماز میں کھڑے ہونا، بات چیت سے رک جانا وغیرہ، یہاں قنوت سے مراد نماز میں قیام ہے، نماز لمبی کرنا، نماز کی فضیلت میں اضافہ کا

سبب ہے، دیگر وجوہات کے ساتھ فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ طویل قیام میں نفس کو زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اور زیادہ مشقت اٹھانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، اس لئے ثواب بھی زیادہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اجورکم علی حسب نصبکم" جتنی زیادہ مشقت برداشت کروگے، اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود

اس بات میں اختلاف ہوا کہ نماز میں طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود افضل ہے؟ یعنی دو رکعت طویل قراءت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، یا مختصر قراءت کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھنا افضل ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں طول قیام افضل ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں افضل صلوٰۃ کی نسبت طول قیام کی طرف کی گئی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل میں طویل قیام فرماتے تھے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک کثرت سجود طول قیام سے افضل ہے۔

دلیل: "فاعن علی نفسک بکثرۃ السجود"

جواب: کثرت سجود کنایہ ہے، کثرت صلوٰۃ سے، یعنی نماز کثرت سے پڑھو، اور جب نماز کی کثرت ہوگی تو سجدے خود بخود کثیر ہوں گے۔

حنفیہ کے مذہب کی وجہ ترجیح: طول قیام قرآن مجید زیادہ پڑھنے کا سبب ہے، اور جس طرح قرآن مجید کا پڑھنا سجدہ میں تسبیحات پڑھنے سے افضل

ہے، اسی طرح طول قیام کثرت سجدہ سے افضل ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صلوۃ اللیل میں طویل قیام افضل ہے اور صلوۃ النہار میں کثرت سجود کو افضل قرار دیا ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز

﴿۷۴۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ فِیْ عَشَرَةٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاَعْرِضْ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْكِبَیْهِ ثُمَّ یُكَبِّرُ ثُمَّ یَقْرَأُ ثُمَّ یُكَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْكِبَیْهِ ثُمَّ یَرْكَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْهِ عَلٰی رُكْبَتَیْهِ ثُمَّ یَعْتَدِلُ وَلَا یُصَبِّیْ رَأْسَهُ وَلَا یُقْنِعُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَهُ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهَا مَنْكِبَیْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ یَهْوِیْ اِلَی الْاَرْضِ سَاجِدًا فَیُجَافِیْ یَدَیْهِ عَنْ جَنْبَیْهِ وَیَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَیْهِ ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَهُ وَیَثْنِیْ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْهَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ یَسْجُدُ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَیَرْفَعُ وَیَثْنِیْ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْهَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِهٖ ثُمَّ یَنْهَضُ ثُمَّ یَصْنَعُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ مِثْلَ

ذٰلِكَ ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ بَقِيَّةِ صَلٰوتِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِيْ فِيْهَا التَّسْلِيْمُ اَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ حُمَيْدٍ ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَاَنَّهٗ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهٗ وَجَبْهَتَهُ الْاَرْضَ وَنَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهٗ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ يَعْنِي السَّبَّابَةَ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ وَاِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَاِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ اَفْضٰى بِوَرِكِهِ الْيُسْرٰى اِلَى الْاَرْضِ وَاَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ۔

حوالہ: یہ تین حدیثیں ہیں، پہلی حدیث "ھذا حدیث حسن صحیح" تک ہے، دوسری حدیث "وفی روایة" سے ہے، تیسری حدیث "وفی اخری" سے ہے، تینوں کا الگ الگ حوالہ لکھا جا رہا ہے۔

پہلی روایت: ابوداؤد شریف: ۱۰۶/۱، باب افتتاح الصلوة،

کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۷۳۰۔دارمی: ۳۶۱/۳۶۲/ ۱، باب صفة صلوة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۳۵٦۔ ترمذی شریف:۶۷/ ۱، باب وصف الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۰۵/۳۰۴۔ابن ماجۃ: ۷۴، باب اتمام الصلوۃ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۰٦۱۔

دوسری روایت: ابوداؤد شریف:۱۰۷/ ۱، باب افتتاح الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۷۳۵/۷۳۴۔

تیسری روایت: ابوداؤد شریف:۱۰۷/ ۱، باب افتتاح الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۷۳۱۔

حل لغات: یقنع اقنع اقناعا رأسه وعنقه، سر اور گردن کا اٹھانا،یحاذی، حاذاہ محاذلة وحذاءً، باب مفاعلت سے مقابل ہونا، برابر ہونا،یھوی، ھوی الشیء ھویا (ض) اوپر سے نیچے گرنا،یجافی جافا مجافاة باب مفاعلت سے،دور کرنا،جفا (ن) جفوا دور ہونا،یثنی ثنیٰ (ض) ثنیا الشیء موڑنا،لپیٹنا،ینھض نھض (ف) نھضاً کھڑا ہونا،مستعدی کے ساتھ اٹھنا،متور کا تورک کا تفعل سے سرین پر بیٹھنا،نحاھما، نحا الشیء ہٹانا،ایک طرف کرنا،فرج تفعیل سے،الشیء کشادہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان انہوں نے فرمایا: کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا کہ آپ بتائیے،تو ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو

اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، یہاں تک کہ ان دونوں کو اپنے دونوں کاندھوں کے برابر کر لیتے، پھر تکبیر کہتے، پھر قراءت کرتے، پھر تکبیر کہتے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کر لیتے، پھر رکوع کرتے، اور اپنی ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، پھر کمر سیدھی کرتے اور اپنے سر کو نہ تو جھکاتے اور نہ بلند کرتے، پھر اپنا سر اٹھاتے اور کہتے: "سمع الله لمن حمده" [اللہ نے اس کی سن لی جس نے اللہ کی تعریف کی] پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کاندھوں کے برابر کر لیتے، پھر "اللہ اکبر" کہتے، پھر سجدہ کے لئے زمین کی طرف جھکتے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھتے اور پیروں کی انگلیوں کو کھول لیتے، پھر اپنا سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پیر موڑ کر اس پر بیٹھتے، پھر سیدھے ہوتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ صحیح طور آ جاتی، پھر سجدہ کرتے، پھر "الله اكبر" کہتے، اور اٹھتے، اور اپنے بائیں پیر کو موڑ کر اس پر بیٹھ جاتے، پھر سیدھے ہوتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جاتی، پھر اٹھتے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے، پھر جب دو رکعت پوری کر کے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاتے، جیسا کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تھے، پھر اپنی باقی نماز کو اسی طرح پڑھتے، یہاں تک کہ جب وہ سجدہ ہو جاتا جس کے بعد سلام ہے تو اپنا بایاں پیر نکالتے، اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھ جاتے، اور پھر سلام پھیرتے، ان دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا: کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ کہا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ (ابو داؤد، دارمی) ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کے ہم معنی حدیث نقل کی ہے، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابو داؤد کی ایک اور روایت میں ابو حمید ساعدیؓ کی ایک حدیث کا ایک حصہ اس طرح

نقل ہوا ہے کہ آپ نے رکوع کیا اور پھر اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے، گویا ان کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کمان کے چلہ کی طرح کرلیا، اور اپنے دونوں کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھا، راوی نے کہا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر سجدہ کیا، سجدہ میں اپنی ناک اور ماتھے کو زمین پر ٹھہرایا اور دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے علیحدہ کیا، اور اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر کئے اور دونوں رانوں کو درمیان سے کشادہ رکھا، اپنے پیٹ کو ران کے کسی حصہ سے ملایا نہیں، یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ ہوئے، پھر اسی طرح بیٹھے کہ اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنے پاؤں کی پشت کو قبلہ کی طرف کیا اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں بائیں گھٹنے پر رکھا، اور اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا۔ اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کے تلوے پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کرتے اور جس وقت چوتھی رکعت کے بعد بیٹھتے تو اپنی بائیں جانب کی سرین کو زمین سے لگادیتے اور اپنے پیروں کو ایک طرف نکال دیتے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے، روایت میں خاص طور سے مندرجہ ذیل چیزوں کا ذکر ہے۔

(۱)...... تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت ہاتھ مونڈھوں تک بلند فرماتے تھے۔

(۲)...... قراءت کے بعد رکوع میں جاتے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔

(۳)...... رکوع میں سر اور پیٹھ بالکل برابر رکھتے تھے۔

(۴)...... رکوع سے اٹھتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے اور رفع یدین کرتے تھے۔

(۵)...... سجدہ میں ہاتھوں کو پہلوؤں سے اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھتے تھے۔

(۶)...... دو سجدوں کے درمیان جلسہ استراحت کرتے، اور جلسہ میں افتراش کے طور پر

بیٹھتے تھے۔

(۷)......پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت فرماتے تھے۔

(۸)......دورکعت کے بعد جب تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تو رفع یدین فرماتے تھے۔

(۹)......قعدہ اخیرہ میں تورک کے طور پر بیٹھتے تھے۔

(۱۰)......قعدہ میں سبابہ انگلی کے ذریعہ اشارہ کرتے تھے۔

تنبیہ: حدیث بالا میں مذکورہ بالا امور اور ان کے علاوہ چند چیزوں کا تذکرہ ہے، تقریباً تمام چیزیں ماقبل میں گذر چکی ہیں، گذشتہ احادیث میں ان کو دیکھ لیا جائے۔

فلا یصبی رأسه ولا یقنع: رکوع کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ اپنے سر کو بہت جھکاتے اور نہ بہت اوپر کو اٹھاتے، رکوع میں سر، سرین اور پیٹھ تینوں برابر رہنے چاہئے۔

فیجافی یدیه: مرد سجدہ میں ہاتھوں کو پہلو سے ملائے گا نہیں، البتہ عورت سجدہ پست کرے گی، کیونکہ اسی میں تستر زیادہ ہوتا ہے۔

ویفتح اصابع رجلیه: سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرتے تھے۔

واشار باصبعه یعنی المسبابة: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشہد میں اشارہ فرماتے تھے، جمہور کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ اشارہ بالسبابة مسنون ہے، لیکن حنفیہ میں بعض لوگوں نے اشارہ بالسبابہ کو غیر مسنون قرار دیا ہے، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ بالسبابہ کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے۔

کیفیت اشارہ

کیفیت اشارہ کے سلسلہ میں بہت سی روایات ہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ ابہام اور وسطی سے حلقہ بنالیا جائے اور سبابہ سے اشارہ کیا جائے۔

کس وقت اشارہ کیا جائے؟

تشہد کے شروع میں تو دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے جائیں گے، اور انگلیاں کھلی رہیں گی، کلمہ توحید "اشھد ان لا الہ" کہتے وقت خنصر وبنصر کے سروں کو ہتھیلی کے ساتھ بند کر دیا جائے گا اور وسطی وابہام کا حلقہ بنالیا جائے گا، اور سبابہ (شہادت کی انگلی کو) "لا الہ" پر اٹھایا جائے گا اور "الا اللہ" پر گرادیا جائے گا۔

کیفیت رفع یدین

﴿۷۴۶﴾ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى إِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ۔ (رواه ابو داؤد) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ يَرْفَعُ إِبْهَامَيْهِ إِلٰى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۰۵، باب رفع الیدین فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۷۲۴۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ ان کو اپنے دونوں مونڈھوں کے برابر لے آئے، اور انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے برابر لے آئے اور تکبیر کہی۔ (ابوداؤد)
ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔

تشریح: رفع یدیہ حتی کانتا بحیال منکبیہ: تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کہاں تک ہونا چاہئے؟ اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ طریقہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے تھے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے، شوافع وغیرہ کے یہاں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانا افضل ہے، اس وجہ سے یہ حدیث ان کے خلاف ہے، لیکن امام شافعیؒ کا قول اوپر گذر چکا کہ ایسی کیفیت سے ہاتھ اٹھائے جائیں کہ کفین مونڈھوں کے برابر ہوں، اور ابہامین کانوں کی لو کے برابر اور انگلیاں انصاف اذنین کے برابر ہوں، تاکہ تینوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت اچھی تطبیق ہے، اور ہمارے بعض مشائخ احناف نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، اور علامہ ابن ہمامؒ نے اس کو امام ابو حنیفہؒ کا مسلک قرار دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں احناف وشوافع کا کوئی اختلاف نہیں۔ فقط

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

﴿۷۴۷﴾ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۔ (رواه

الترمذی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۵۹/ ۱، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۲۵۲۔ ابن ماجہ:۵۸، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۰۹۔

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔

تشریح: فیاخذ شمالہ بیمینہ: جمہور کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا افضل ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں، حنفیہ کے نزدیک دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہوگی، اور بائیں ہاتھ کی کلائی کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے پکڑا جائے، بقیہ تین انگلیاں کلائی کے اوپر رہیں اس طرح سب روایتیں جمع ہو جاتی ہیں، اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے جائیں، شوافع کے یہاں ہاتھوں کو ناف کے اوپر اور سینہ کے نیچے باندھا جائے گا۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

﴿۷۴۸﴾ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعِدْ صَلَاتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُصَلِّي قَالَ

اِذَا تَوَجَّهْتَ اِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْآنِ وَمَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَقْرَأَ فَاِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوْعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَاْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰى مَفَاصِلِهَا فَاِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِلسُّجُوْدِ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ۔ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ مَعَ تَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَاَقِمْ فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۲۴/ ۱، باب صلوة من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۸۰۹۔نسائی شریف: ۱۰۲/ ۱، باب رفع الیدین، کتاب افتتاح الصلوة، حدیث نمبر:۱۰۵۲۔ترمذی شریف: ۶۶/ ۱، باب فی وصف الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۰۲۔

ترجمه: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آئے اورانہوں نے مسجد میں نماز پڑھی پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آکر سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''اپنی نماز دہرالو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے سکھلا دیجئے کہ میں کیسے نماز پڑھوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو ''اللہ اکبر'' کہو، پھر تم سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرو، اور جو اللہ توفیق دے وہ پڑھو، پھر جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں گھٹنوں پر اپنی ہتھیلیوں کو رکھدو اور رکوع میں اطمینان حاصل کرلو، اور

اپنی پیٹھ کو برابر رکھو، پھر جب تم اپنا سر اٹھاؤ تو اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھو، اور اپنے سر کو اٹھاؤ یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر آجائیں، پھر جب تم سجدہ میں جاؤ تو سجدہ میں سکون حاصل کرو، پھر جب تم سجدہ سے اٹھو تو اپنے بائیں ران پر بیٹھ جاؤ، پھر رکوع اور سجدہ اسی طرح کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سب پورا ہو جائے۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں۔

ابوداؤد نے کچھ تغیر کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے، ترمذی اور نسائی نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، ترمذی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو جیسے کہ اللہ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے، پھر اذان دو اور تکبیر کہو پھر اگر تم کو قرآن میں سے کچھ یاد ہے تو پڑھو ورنہ "الحمد اللہ. اللہ اکبر" کہو پھر رکوع میں جاؤ۔

تشریح: اس حدیث شریف میں تقریباً وہی مضمون ہے جس کی تفصیل حدیث نمبر: ۷۴۴ر کے تحت گذر چکی ہے۔

ثم تشهد فاقم: ان دونوں لفظوں کی دو تشریحیں کی جاتی ہیں:

(۱)......وضو کے بعد اذان اور اقامت کہو، یعنی اذان دے کر اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھو۔

(۲)......وضو کے بعد شہادتین پڑھو اس کے بعد نماز ادا کرو۔

جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہیں کیا کرے

فان كان معك قرآن فاقرأ و الا فاحمد الله: اگر قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہے تو قرآن مجید کی تلاوت فرض ہے، لیکن اگر قرآن میں سے کچھ یاد نہیں ہے تو ایسے شخص کو قراءت کی جگہ ذکر و تسبیح کرنا چاہئے، قراءت کی جگہ یہ دعا پڑھی جائے "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اس جزء سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ

قرآن اگر یاد نہیں ہے تو یاد کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، بس اسی تسبیح و تحلیل سے کام چلتا رہے گا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو کوشش کے باوجود قراءت پر قادر نہ ہو، یا اس شخص کے لئے جو اسلام لایا ہو اور اس کو تعلم قراءت کا موقعہ نہ ملا ہو۔

نفل نماز دو دو رکعت پڑھی جائے

﴿۷۴۹﴾ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَيَقُوْلُ يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۸۷/۱، باب التخشع فی الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۸۵۔

حل لغات: تخشع، تفعل سے گڑگڑانا، عاجزی دکھلانا، تضرع تفعل سے الیہ و لہ، انکساری کرنا اپنی لاچاری و بےبسی کا اظہار کرنا، تمسکن، فریاد کرنا۔

ترجمه: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نماز دو دو رکعت ہے، اور ہر دو رکعت میں ''التحیات'' ہے، اور خشوع، عاجزی اور اظہار محتاجگی ہے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاؤ، فضل بن عباس اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

مراد یہ تھی کہ اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ کی جانب ہوں اور یہ کہو اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو شخص ایسا نہ کرے اس کی نماز ایسی ہے ویسی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز ناقص ہے۔"

تشریح: نفل نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا زیادہ بہتر ہے، نماز کے اندر پوری کوشش اس بات کی ہونی چاہئے کہ خشوع وخضوع فوت نہ ہونے پائے، نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہئے، جس نے بغیر خشوع وخضوع کے نماز پڑھی یا نماز کے بعد دعا نہ مانگی تو یہ نماز ایک گونہ ناتمام رہی۔

نفل دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے یا چار رکعت ایک سلام سے پڑھی جائے، اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک رات ہو یا دن ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: دن کے سلسلہ میں دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ چاشت کی نماز چار رکعت پڑھی ہے، اسی طرح ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ: "**اربع قبل الظھر لیس فیھن تسلیم تفتح لھن ابواب السماء**" (مشکوۃ) اور رات میں چار رکعت پڑھنے پر دلیل حدیث عائشہ ہے: "**کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی صلاۃ العشاء فی جماعۃ ثم یرجع الی اھلہ فیرکع اربع رکعات**" (ابوداؤد)

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک رات اور دن دونوں وقتوں میں دو دو رکعت کر کے نفل پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: شوافع کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا:"الصلوۃ مثنی مثنی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت ہی پڑھنا بہتر ہے۔

جواب: (۱)......اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کم از کم نماز دو رکعت پڑھی جائے، ایک رکعت نماز درست نہیں ہے، یعنی یہاں عدد طاق کی نفی مقصود ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ چار رکعت ایک سلام سے نہ پڑھی جائے۔

(۲)......بیان جواز پر محمول ہے۔

(۳)......مقصد یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر تشہد وقعدہ کرنا چاہئے۔

صاحبین کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک دن میں چار چار رکعت اور رات میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے:"صلوۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ وصلاہ النھار اربع اربع" فقہ حنفی میں صاحبین ہی کے مذہب کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

تخشع "تخشع" کا مطلب تذلل اور سکون ہے، اور کہا گیا ہے کہ خشوع وخضوع قریب المعنی ہیں، خشوع کا تعلق بدن سے ہے اور خضوع کا تعلق نگاہ، بدن، آواز سب سے ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ خشوع کا تعلق باطن سے ہے، اور خضوع کا تعلق ظاہر سے ہے، حدیث میں "تخشع" کے الفاظ ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر خشوع پیدا نہ ہو تو بتکلف پیدا کرنا چاہئے، اور خاشعین کی شکل وصورت بنا کر نماز پڑھنا چاہئے۔

وتضرع: یعنی اللہ سے مانگنے میں مبالغہ کرنا چاہئے، اپنے آپ کو حقیر بنا کر پیش کرنا چاہئے۔

وتمسکن: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی مسکنت وزبوں حالی کا

اعتراف کرنا چاہئے۔

ثم تقنع يديه: نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے۔

ومن لم يفعل: جس نے مذکورہ اشیاء کا اہتمام نہیں کیا، اس کی نماز نامکمل اور ادھوری ہے۔(مرقاۃ: ۲/۲۶۸،۲۶۷)

الفصل الثالث

تکبیریں جہراً کہنا

﴿۷۵۰﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْسَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۱۴، باب یکبر وھو ینھض من السجدتین، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۲۵۔

ترجمه: حضرت سعید بن حارث بن معلی سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی تو انہوں نے جس وقت اپنے سر کو سجدہ سے اٹھایا اور جس وقت سجدہ کیا اور جس وقت دو رکعتوں سے اٹھے، تکبیر بلند آواز سے کہی اور انہوں نے فرمایا: میں نے اسی طرح نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا۔

تشریح: نماز میں بقدر ضرورت تکبیر بلند آواز سے کہنا چاہئے، یہی آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ تھا اور یہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا بھی طریقہ تھا۔

فجهر بالتكبير: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کی اور تکبیریں بلند آواز سے کہیں حدیث باب میں چند جگہوں میں خاص طور پر بلند آواز سے تکبیر کہنے کا ذکر ہے، اس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہے کہ بقیہ مواقع پر آپ نے تکبیر بلند آواز سے نہیں کہی، بلکہ اس کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے، مثال کے طور پر ان سے ان ہی مواقع کے بارے میں دریافت کیا ہوگا، یا ان ہی مواقع کا ذکر آیا ہوگا، اس بنا پر راوی حدیث نے خاص طور سے ان مواقع کے بارے میں بتایا کہ ان جگہوں پر ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے تکبیر کہی تھی۔

چار رکعت میں بائیس تکبیریں

﴿۷۵۱﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّهُ اَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۸، باب التکبیر اذا قام من السجود، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۸۸۔

ترجمه: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے مکہ میں ایک شیخ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس مرتبہ تکبیر کہیں تو میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے کہا کہ یہ احمق ہیں، تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے تمہاری ماں تم کو گم کرے، یہی تو ابوالقاسم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

تشریح: بنوامیہ کے دور میں تکبیرات خفض کے ترک کا معمول تھا، حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبیرات خفض کو بلند آواز سے کہا، حضرت عکرمہ کو یہ بات انوکھی معلوم ہوئی، چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ کیسے احمق آدمی ہیں کہ ان کو نماز پڑھانا بھی نہیں آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عکرمہ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی، چنانچہ انہوں نے کہا کہ تمہاری ماں تم کو گم کرے یہ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام تکبیرات بلند آواز سے کہتے تھے۔

شیخ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔

فکبر ثنتین وعشرین تکبیرۃ: چار رکعت والی نماز میں بائیس تکبیریں ہوتی ہیں، پانچ پانچ تو ہر رکعت میں، ایک تکبیر تحریمہ کے موقعہ پر اور ایک قعدہ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت۔

انہ احمق: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ شخص ناواقف معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام ومرتبہ سے واقف نہ ہوں اس لئے یہ بات کہی ہو۔

سنۃ ابی القاسم: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام تکبیرات کو بلند آواز سے کہتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضعف کی وجہ سے خفض کی تکبیرات آہستہ آواز سے کہیں، بنوامیہ نے

تکبیرات خفض کے ترک کا معمول بنالیا، اور یہ اتنا رواج پا گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت کے موافق نماز ادا کی تو ان کو احمق تک بھی کہا گیا۔

تمام انتقالات صلوٰۃ پر تکبیر کہنا

﴿۷۵۲﴾ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلٰوةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ يَزَلْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔ (رواه مالك)

حواله: مؤطا امام مالک:۲۵، باب افتتاح الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۷۔

ترجمه: حضرت علی بن حسین سے بطریق ارسال روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بھی جھکتے اور جب بھی اٹھتے تکبیر کہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر خفض ورفع کے وقت بقدر ضرورت بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے، اس حدیث میں بنوامیہ کے لوگوں کی تردید ہے، جنہوں نے خفض کے مواقع پر ترک تکبیر کا معمول بنالیا تھا۔

کلما خفض: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی نماز میں خفض یعنی رکوع، سجدہ میں جانے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کہتے تھے۔

ورفع: اور اسی طرح جب اٹھتے مثلاً رکوع سے جب قومہ کی طرف اٹھتے تو تسمیع وتحمید کہتے پھر جھکنے کے لئے تکبیر کہتے۔

حتی لقی اللہ: یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخیر عمر تک ہر موقعہ پر تکبیر کہتے رہے، کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔

صرف تکبیر تحریمہ کے موقعہ پر رفع یدین

﴿۷۵۳﴾ وَعَنْ عَلْقَمَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِتَاحِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی) وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۵۹/ ۱، باب رفع الیدین عند الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۷۔ ابوداؤد شریف: ۱۰۹/ ۱، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۷۴۸۔ نسائی شریف: ۱۰۲/ ۱، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۵۷۔

ترجمہ: حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے فرمایا: کیا میں تمہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف) ابوداؤد شریف نے کہا کہ یہ

حدیث اس معنی میں صحیح نہیں ہے۔

تشــریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ کے موقعہ پر رفع یدین کیا تھا، اس کے علاوہ کسی موقعہ پر آپؐ نے رفع یدین نہیں کیا، یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے، اس وجہ سے کہ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ رفع یدین صرف ایک موقعہ پر کرنا چاہئے، بقیہ جن مواقع کا ذکر دیگر احادیث میں ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلا عمل ہے، آخری عمل تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر ترک رفع ہی ہے۔

الا اصلی بکم صلوة رسول الله: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے سوال کیا کہ کیا تم کو میں اس طرح نماز پڑھ کے نہ دکھاؤں جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔شوق اور رغبت کا اظہار کریں۔

فصلی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر نماز پڑھ کر دکھائی، پوری نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے موقعہ پر رفع یدین کیا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ افقہ الصحابہؓ ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے خادم خاص ہیں، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین نہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ رفع یدین تکبیر تحریمہ کے علاوہ منسوخ ہے۔احناف کا یہی مذہب ہے۔

قال ابو داؤد لیس هو بصحیح: ابوداؤد نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بلکہ حسن ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

نماز کو سیکھنا سکھانا

فائدہ: معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اندر نماز کو سیکھنے سکھانے کا معمول تھا، اور عملی طور پر بھی نماز پڑھ کر دکھایا کرتے تھے، عملی طور پر کسی عمل کو کر کے دکھانے سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اور اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جاتا ہے، مگر یہ سلسلہ اب متروک ہو رہا ہے، اس لئے اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ فقط

قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا

﴿۷۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَقَالَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔ (رواه ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجه: ۵۸، باب افتتاح الصلوة، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها، حدیث نمبر: ۸۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کا استقبال کرتے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے اور "اللہ اکبر" کہتے۔

تشریح: نماز میں جہت قبلہ کا استقبال ضرور ہونا چاہئے، یہ شرائط صلوۃ میں سے ہے، نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوگی، زبان سے "اللہ اکبر" کہا جائے گا اور ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں گے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تھے۔

نمازی کی کوتاہی پر تنبیہ

﴿۷۵۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلٰوةَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَافُلَانُ اَلَا تَتَّقِیْ اللّٰهَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّهٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۲/۴۴۹.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، آخیر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح سے نماز نہیں پڑھی، جب اس شخص نے سلام پھیرا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آواز دے کر پکارا، اے فلاں! کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم کیسے نماز پڑھتے ہو تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم لوگ کرتے ہو مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوتی ہے، حالانکہ اللہ کی قسم میں اپنے پیچھے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: اس روایت میں مختلف اقوال ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صرف حالت نماز کے ساتھ خاص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حالت میں ایک قوت باصرہ حاصل ہوتی تھی، جس سے پیچھے کی طرف بھی نظر آتا تھا، اور صاحب مرقاۃ

نے کہا اس سے رویت حقیقی مراد ہے جو خرق عادت کے طور پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے خاص تھا کہ پیچھے کی طرف بھی دیکھتے تھے لیکن وہ ہمیشہ نہیں تھا بلکہ کبھی کبھی ہوتا تھا، اور صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ رویت سے رویت علمی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مجھ کو اپنے پیچھے کی چیزوں کا بھی علم ہو جاتا ہے، اور یہ بذریعہ وحی یا الہام کے ہوتا تھا، اور اسی کو رویت سے تعبیر کیا، اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہر نبوت میں قوت باصرہ تھی، اس سے دیکھتے تھے، یا دونوں مونڈھوں کے درمیان ایک باطنی آلہ تھا جس میں قوت باصرہ تھی، بہر حال اللہ تعالیٰ جس کو جس کے ذریعہ جو دکھانا چاہے دکھا سکتا ہے، کوئی اشکال نہیں۔

ماتحتوں کی نگرانی

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بڑوں کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں اور اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرتے رہنا چاہئے، اساتذہ اپنے طلباء کی، مشائخ اپنے طالبین اور مریدین کی، ائمہ اپنے مقتدیوں کی، والدین اپنی اولاد کی نگرانی رکھیں، اور کوتاہی پر ان کو تنبیہ کریں اور ان کی اصلاح کی فکر کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مایقرأ بعد التکبیر

رقم الحدیث:...... ۷۵۶ تا ۷۶۴

بسم الله الرحمن الرحيم

باب مايقرأ بعد التكبير

(تکبیر کے بعد کیا پڑھا جائے)

اس باب کے تحت صاحب مشکوۃ نے وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان پڑھی جانے والی دعائیں مذکور ہیں، اصلاً تو اس بات میں توسع ہے کہ جو دعاء چاہے پڑھ لی جائے، اور دعاء بھی نہ پڑھی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ احادیث میں متفرق دعائیں مذکور ہیں، جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ کوئی ایک دعاء پڑھنا لازم نہیں ہے اسی طرح کی احادیث اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان دعاء پڑھنا لازم نہیں ہے۔

اختلاف ائمہ

جہاں تک ائمہ اربعہ کے مذاہب کا مسئلہ ہے تو اگلے صفحات میں دلائل کے ساتھ ان کے مذاہب مذکور ہیں امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد کوئی دعاء مسنون نہیں ہے۔امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دعائے توجیہ یعنی "انی وجهت وجهی" پڑھنا بہتر

ہے۔حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں ثنا یعنی "سبحانک اللھم الخ" پڑھنا افضل ہے۔

تعوذ وتسمیہ کا حکم

دعاء کے بعد اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے "اعوذ باللہ" اور "بسم اللہ" پڑھے جانے کے متعلق چند باتیں یہاں ذکر کرنا برمحل ہوگا۔

(۱)......"تعوذ" کی نماز میں شرعی طور پر کیا حیثیت ہے؟

علماء احناف کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ کا پڑھنا مسنون ہے۔ یہی جمہور کا بھی مذہب ہے، لیکن امام مالک قراءت سے پہلے تعوذ کے قائل نہیں ہیں، امام مالک علیہ الرحمہ ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قراءت کی ابتداء "الحمد للہ رب العالمین" سے فرمائی، ہمارا ان دلائل کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ان سے مراد جہراً قراءت کی ابتدا ہے، وہ دلائل سراً "اعوذ باللہ" اور "بسم اللہ" پڑھنے کے منافی نہیں ہیں، اور جہاں تک اس مسئلہ پر ہماری دلیل کا تعلق ہے تو ارشاد باری ہے: "اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ" قرآن پڑھو تو "اعوذ باللہ" پڑھ لو، یہاں اگرچہ امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن اسلاف نے اس کے سنت ہونے پر اجماع کیا ہے۔

(۲)......تعوذ قراءت سے پہلے ہے یا بعد میں؟

ظواہر، ظاہر روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تعوذ قراءت کے بعد

ہے۔ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جب قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرو تو "اعوذ باللہ" پڑھو، لہٰذا تعوذ تلاوت قرآن سے پہلے پڑھا جائے گا، نہ کہ بعد میں۔

(۳)......سورۂ نمل کے اندر "بسم اللہ" جو مذکور ہے وہ بالاتفاق جزوقرآن ہے، ہر سورت کے شروع میں جو "بسم اللہ" ہے سورت کا جزو نہیں ہے۔ بلکہ دونوں سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔

(۴)......"اعوذ باللہ" "بسم اللہ" کو آہستہ آواز سے پڑھا جائے گا، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "بسم اللہ" زور سے پڑھی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعلیم امت کی خاطر تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی معمول یہی تھا۔

دعاء استفتاح کی حکمت

(۱)...... یہ اذکار دل کی حضوری کی راہ ہموار کرتے ہیں، حضوری قلب یک دم حاصل نہیں ہوتا، رفتہ رفتہ توجہ منتقل ہے، قراءت شروع کرنے سے پہلے یہ اذکار رکھے گئے تاکہ قراءت کے شروع کرنے کے وقت مکمل طور پر حضوری قلب حاصل ہو جائے۔

(۲)...... فاتحہ مناجات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعا مانگی جاتی ہے، دعا استفتاح کے ذریعہ اس مناجات کے لئے دل کو ابھارا جاتا ہے۔

قراءت سے پہلے تعوذ کی حکمت

قراءت سے پہلے "اعوذ باللہ" پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ شیطان قراءت کرتے

وقت غلط مطلب دل میں نہ ڈال سکے، اور تدریس قرآن سے روک بھی نہ سکے، جب شیطان کے ضرر پہنچانے سے اللہ کی پناہ مانگ لی گئی، تو شیطان کے شرور سے حفاظت کا سامان فراہم کرلیا گیا۔

بسم اللہ کی حکمت

فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنے کی حکمت یہ ہے روایات اس سلسلہ میں مختلف ہیں کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟ احتیاطاً "بسم اللہ" پڑھنی چاہئے تاکہ ان روایات پر عمل ہو جائے۔ (ماخوذ: حجۃ اللہ البالغۃ ورحمۃ اللہ الواسعۃ)

﴿الفصل الاول﴾

تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان دعاء

﴿۷۵٦﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْكُتُ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاْءَةِ مَاتَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۱۰۳/۱، باب مایقول بعد التکبیر، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۴۴۔ مسلم شریف: ۲۱۹/۱، باب مایقال بین تکبیرة الاحرام والقراءة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۵۹۸۔

حل لغات: بَاعِدْ امر حاضر ہے، بَاعَدَ مُبَاعَدَةً وَبِعَادًا، باب مفاعلت سے دور رہنا، کنارہ کش ہونا، نَقِّنِيْ یہ بھی امر حاضر ہے، باب تفعیل سے ہے، صاف کرنا آلائشوں سے پاک کرنا، نَقِيَ (س) نِقَاوَةً وَنِقَاءً، الشَّيْئُ صاف ہونا، الدَّنَسُ میل کچیل، گندگی، (ج) اَدْنَاس، دَنِسَ (س) دَنَسًا الثَّوْبُ کپڑے کا میلا ہونا، الثَّلْجُ برف (ج) ثُلُوْجٌ، ثَلِجَ (س) ثَلَجاً الْمَاءَ ٹھنڈا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان باقاعدہ سکوت فرماتے تھے، میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان جو سکوت کرتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں یہ دعا پڑھتا ہوں "اللهم باعد بيني الخ" اے اللہ میرے اور گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا فرمادے جتنی دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہے، اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا صاف وستھرا کردے جیسے کہ میل کچیل سے سفید کپڑا صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ میرے گناہوں کو پانی اولے اور برف سے دھودے۔

شافعیہ کے یہاں امام کے سکتہ کے وقت مقتدی کا فاتحہ پڑھنا

ابن بطالؒ نے امام شافعیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام کی جانب سے یہ سکتہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس درمیان میں مقتدی سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہو جائے۔

ابن بطال کی اس بات پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر سکتہ کا مقصد یہی ہوتا، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جواب میں فرماتے: "اسکت لکی یقرأ من خلفی" [میں اس لئے سکوت اختیار کرتا ہوں تاکہ میرے پیچھے جو مقتدی ہیں وہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کرلیں]

حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی طرف یہ بات منسوب کرنا درست نہیں، البتہ احیاء العلوم میں امام غزالی نے یہ بات فرمائی ہے: "ان المأموم یقرأ الفاتحة اذا شغل الامام بدعاء الافتتاح" جب امام ثناء وغیرہ پڑھنے میں مشغول ہوگا تو مقتدی سورۂ فاتحہ کی قراءت کریں گے۔

امام غزالیؒ کی اس بات کی مخالفت کی گئی ہے کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی سورۂ فاتحہ کی قراءت امام کی سورۂ فاتحہ کی قراءت پر مقدم ہو جائے گا، جو لوگ مقتدی کے حق میں سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض قرار دیتے ہیں، ان کے یہاں بھی مقتدی کا مقدم ہونا مکروہ ہے۔

شافعیہ کا صحیح مسلک

لہٰذا تحقیقی بات یہی سامنے آتی ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان دعاء افتتاحی پڑھی جائے گی، فاتحہ کی قراءت نہیں ہوگی، امام شافعیؒ سے صراحتاً یہ بات ثابت ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان جو دعا امام پڑھے گا وہی دعا مقتدی بھی پڑھیں گے، اور مقتدی سورۂ فاتحہ کی قراءت اس وقت کریں گے جب کہ امام سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان سکتہ کرے گا، سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان سکتہ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح الباری: ۲/۸۹)

شوافع کا اپنے مسلک پر استدلال

حدیث باب سے بعض لوگوں نے اپنا مطلب یوں نکالا ہے کہ اس حدیث سے یہ

بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان سکوت کے وقت دعا پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ سکوت ہلکی آواز سے قراءت کرنے کے منافی نہیں ہے، لہٰذا قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''و اذا قری القرآن فانصتوا'' سراً قراءت مراد ہونا ممکن ہے۔

جواب: (۱)......تکبیر اور قراءت کے درمیان جو وقفہ ہے اس کو مجازاً سکوت سے تعبیر کیا ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ سکوت میں کیا پڑھتے ہیں، بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ وقفہ میں کیا پڑھتے ہیں؟

سکوت اور انصات میں فرق

(۲)......سکوت اور انصات میں فرق ہے، سکوت تو رفع صوت کے منافی ہے، پست آواز کے منافی نہیں، چنانچہ بالکل پست آواز جو کہ بالکل نہ سنی جا سکے، وہ بھی سکوت میں داخل ہے، جب کہ انصات کا مطلب ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ سننے کے لئے مکمل خاموشی اختیار کرنا، لہٰذا اسکات کے ذریعہ سے انصات پر استدلال درست نہیں، انصات تو جب ہی حاصل ہوگا جب کہ خاموشی سے سنا جائے اگر کوئی آہستہ آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہے تو یہ انصات کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

سفید کپڑا ذکر کرنے کی وجہ

نقنی من الخطایا: مجھے گناہوں سے پاک وصاف کر دیجئے، مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے اثرات بالکل ختم کر دیجئے، سفید کپڑے کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ سفید کپڑے پر میل زیادہ نمایاں ہوتا ہے، اور سفید کپڑے سے میل کے زوال میں محنت صرف ہوتی ہے، اور جب وہ صاف ہو جاتا ہے تو دیگر کپڑوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف ستھرا معلوم

ہوتا ہے۔

مطہرات ثلاثہ جمع کرنے کی وجہ

بالماء و الثلج و البرد: میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھو دیجئے، آسمان سے نازل ہونے والی تمام مطہرات کو جمع کرکے، دعا کی کہ ان سب چیزوں کے ذریعہ میرے گناہوں کو دھو دیجئے، مقصد مغفرت کی تمام قسموں کو طلب کرنے کی دعا کرنا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ عذاب نار کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے ٹھنڈی چیزوں سے گناہوں کے دھونے کی دعا کی ہو، جیسے کہ کہتے ہیں: "برد الله مضجعاً"

تین دعاؤں کی حکمت

حافظ ابن حجرؒ نے علامہ کرمانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حدیث باب میں تین دعاؤں کا تذکرہ ہے، ممکن ہے کہ تین دعائیں تین زمانوں کے اعتبار سے ہوں، گناہوں سے دوری کی دعا مستقبل کے اعتبار سے ہو، گناہوں سے پاک کئے جانے کی دعا زمانہ حال سے متعلق ہو، اور گناہوں کے دھلے جانے کی دعا ماضی سے متعلق ہو۔ (فتح الباری: ٢/٩٩)

مسئلہ خلافیہ

تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان دعا مسنون ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پھر جو لوگ درمیان میں دعا کے مسنون ہونے کے قائل ہیں ان کے مابین بھی تعیین دعا میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کوئی

ذکر مسنون نہیں ہے، تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ کی قراءت کی جائے گی۔

دلیل: عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یفتتح الصلوة بالتکبیر والقرأة بالحمد للہ. (مسلم)

[حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے ذریعہ نماز شروع کرتے اور ''الحمد للہ'' کے ذریعہ سے قراءت شروع کرتے تھے۔]

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان کوئی نہ کوئی ذکر مسنون ہے، البتہ کون سا ذکر مسنون ہے، اس کی تعیین میں اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک ''انی وجهت وجهی الخ'' پڑھنا افضل ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض میں صرف ثناء پڑھنا چاہئے، شوافع کی دلیل مسلم اور ترمذی کی روایت ہے جس میں اسی دعاء توجیہ کو پسند کیا گیا ہے، اور حنفیہ کی دلیل وہ بے شمار احادیث ہیں جن سے ثناء پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ بصرہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعاء استفتاح کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز میں ''سبحانک اللهم'' پڑھ کر سنایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں بھی تعلیم دینے کی غرض سے کبھی کبھی جہراً ثناء پڑھتے تھے، دعا میں اخفاء کے مسنون ہونے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلیم کی غرض سے کبھی کبھی ثناء کا جہراً پڑھنا ثناء کے افضل ہونے کی علامت ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: امام مالکؒ نے جو دلیل ذکر کی ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت کی ابتداء ''الحمد للہ'' سے کرتے تھے، اس سے دوسرے اذکار کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ (بذل

المجموع: ٢/٢٦)

حدیث باب میں جو دعا مذکور ہے ائمہ اربعہ میں کسی کے یہاں بھی راجح قول کے مطابق اس کا پڑھنا منقول نہیں ہے، البتہ اس دعا کا پڑھنا جائز ہے۔

نماز کے دوران دعاؤں کا تذکرہ

﴿٧٥٧﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَايَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَايَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَيْنَهُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَاِذَا

سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ آخِرِ مَايَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ (رواہ مسلم) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ لَا مَنْجَاً مِنْكَ وَلَا مَلْجَأً اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ۔

حوالہ: مسلم شریف:٢٦٣/١، باب صلوۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ودعائہ باللیل، کتاب المسافرین، حدیث نمبر:٧٧١۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز شروع کرتے تو "اللہ اکبر" کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے: "انی وجھت الخ" میں نے اپنے چہرہ کو اس ذات کی طرف یکسو ہوکر متوجہ کیا جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز میری زندگی، میری موت اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں مسلمانوں میں سے ہوں، اے اللہ! تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی میرا پروردگار ہے، اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، تو آپ میرے تمام گناہوں کو بخش دیجئے، بلاشبہ آپ کے علاوہ کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے، اور مجھ کو بہترین اخلاق کی راہ دکھایئے، آپ کے علاوہ کوئی بہترین اخلاق کی راہ دکھانے والا نہیں ہے، اور برے اخلاق مجھ سے دور کردیجئے، برے اخلاق کو مجھ سے آپ کے

علاوہ کوئی دور کرنے والا نہیں ہے، حاضر ہوں میں تیری خدمت میں تیرا حکم بجالانے کو، تمام بھلائیاں آپ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور برائی کی نسبت آپ کی طرف نہیں ہے، اور میں آپ کی قوت کے ذریعہ قائم ہوں، آپ برکت والے ہیں، اور بلند ہیں، میں آپ ہی سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ ہی سے توبہ کرتا ہوں۔

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اللّٰھم لک رکعت الخ'' [اے اللہ! میں نے آپ کے لئے رکوع کیا، اور آپ ہی پر ایمان لایا، اور میں نے آپ ہی کے لئے اسلام قبول کیا، اور آپ ہی کے لئے عاجزی کی، میری سماعت نے اور میری بینائی نے اور میرے مغز نے اور میری ہڈی نے اور میرے پٹھے نے] اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعاء پڑھتے، ''**اللھم ربنا لک الحمد الخ**'' [اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! آپ ہی کے لئے حمد ہے، آسمانوں بھر اور زمین بھر اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اور اس چیز کے بھرنے کے بقدر جو آپ ان کے بعد چاہیں گے پیدا فرمائیں گے۔]

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے: ''**اللھم لک سجدت الخ**'' اے اللہ! میں نے آپ کے لئے سجدہ کیا آپ ہی پر ایمان لایا، آپ ہی کے لئے اسلام قبول کیا، میرا منہ اس ذات کے سامنے سجدہ میں ہے، جس نے اس کو پیدا کیا، اور اس کو صورت عطا کی، اور اس میں کانوں اور آنکھوں کو کھولا، اللہ بہت بابرکت ہے، بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر میں تشہد اور سلام کے درمیان یہ دعا پڑھتے: "**اللھم اغفر لی ما قدمت الخ**" [اے اللہ! میرے اگلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ سارے گناہ بخش دے اور جو زیادتی میں نے کی اور جو مجھ سے زیادہ آپ جاننے والے ہیں، وہ سب

گناہ بخش دیجئے، آپ ہی آگے بڑھانے والے ہیں، آپ ہی پیچھے کرنے والے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔]

اور شافعیؒ کی روایت میں یوں ہے: "الشر لیس الیک الخ" اور شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں ہے، اور ہدایت یافتہ وہ ہے جسے آپ ہدایت دیں، میں آپ ہی کی قوت سے قائم ہوں، اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں، آپ سے بھاگ کر کہیں چھٹکارا نہیں اور آپ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ بھی نہیں، آپ بہت برکت والے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں نفل نمازوں میں چند مواقع پر خصوصی دعاؤں کا تذکرہ ہے:

(۱)...... تکبیر تحریمہ اور قراءت کے مابین مانگی جانے والی دعا۔

(۲)...... رکوع میں پڑھی جانے والی دعا۔

(۳)...... رکوع سے اٹھ کر جو قومہ میں مانگی جانے والی دعا۔

(۴)...... سجدہ میں مانگی جانے والی دعا کا۔

(۵)...... دونوں سجدوں سے فراغت کے بعد تشہد میں مانگی جانے والی دعا بھی مذکور ہے۔

یہ دعائیں نوافل کے ساتھ مخصوص ہیں

اذا قام الی الصلوۃ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے، نماز سے نفل نماز مراد ہے، فصل ثالث میں نسائی کی روایت آرہی ہے، **"اذا قام یصلی تطوعا"** جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے، نسائی کی روایت سے تو یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ یہاں نفل مراد ہے، لہٰذا حدیث باب میں جو آگے دعائیں آرہی ہیں وہ بھی نفل ہی نماز میں پڑھی جائیں گی، لیکن ابن

حبان کی روایت کے الفاظ سے فرض نماز سمجھ میں آرہی ہے، روایت کے الفاظ ہیں: "کان اذا قام الی الصلوٰة المکتوبة" ایک بات اور بھی ہے کہ جب نماز مطلق ہے تو اس میں فرض اور نفل دونوں شامل ہونا چاہئے، لہٰذا آگے جو دعائیں آرہی ہیں ان کو فرض نمازوں کے درمیان بھی پڑھنا چاہئے، حالانکہ فرض نماز میں یہ دعائیں نہیں پڑھی جاتی ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ شروع دور میں فرض نماز میں حدیث باب میں موجود دعائیں پڑھنے کا معمول تھا، بعد میں ترک کردیا گیا۔ (مرقاة:۲/۲۷۲)

وجھی: مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادت اللہ کے لئے خالص کردی ہے، نمازی کے لئے مناسب ہے کہ ان الفاظ کے تلفظ کے وقت غایت حضور اور کامل اخلاص ہو، اگر زبان پر یہ ورد ہو "وجھت وجھی الخ" اور دھیان ادھر ادھر ہو تو ایسا شخص اپنے قول میں جھوٹا ہوگا، اور سب سے قبیح جھوٹ یہ ہے کہ انسان اس ذات کے روبرو کھڑے ہوکر جھوٹ بولے جس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے۔

السموات والارض: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آسمان وزمین کا اس لئے ذکر کیا کہ یہ عظیم مخلوقات ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر مثال سابق کے پیدا کیا، ان سے اللہ کی قدرت اور بڑائی کا اندازہ ہوتا ہے، آسمان کو جمع اس کی وسعت یا اس کے طبقات کے مختلف ہونے یا اس کے وجود کے مقدم ہونے یا اس کی شرافت اور بزرگی یا اس میں رہنے والی تمام مخلوق کی فضیلت کی وجہ سے ذکر کیا ہے، ورنہ زمین بھی سات ہی ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ومن الارض مثلھن"

حنیفاً: یعنی تمام باطل دینوں سے کٹ کر اسلام پر ثابت قدم ہیں، "وما انا من المشرکین" یہ تاکید ہے شرک کا اطلاق ہر کافر پر ہوتا ہے، خواہ بتوں اور مجسموں کی پوجا کرنے والا ہو، یہودی ہو، نصرانی، مجوسی، مرتد، زندیق سب مشرک کے لفظ میں داخل ہیں۔

ان صلاتی : یعنی میری عبادت میری نماز میری قربانی، میرا دین، میری عبادت، میرا حج سب چیزیں مراد ہوسکتی ہیں۔

و محیای و مماتی : یعنی میرا جینا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، زندگی اور موت میں اللہ کے علاوہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

لا الہ الا انت : اللہ تعالیٰ صفت الوہیت کے ساتھ تنہا متصف ہیں، "انت ربی" تعمیم کے بعد تخصیص ہے، "انا عبدک" اللہ تعالیٰ کے لئے ربوبیت کا اعتراف کیا، اب اپنے لئے عبودیت کا اعتراف ہے۔

ظلمت نفسی : میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اپنے رب کے ذکر سے غفلت ہوئی، یا اس کے علاوہ کسی کی محبت دل میں آ گئی، اسی قصور کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔

و اعترفت بذنبی : ظاہر سی بات ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہوں کا صدور ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے یہاں "ذنب" سے مراد خلاف اولیٰ عمل ہے۔

فاغفر لی : اے اللہ! آپ ہی غفار اور غفور ہیں، لہٰذا میری کوتاہی سے صرف نظر فرمایئے، و اھدنی: اچھے اخلاق کی راہ دکھایئے، مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادت اور دیگر اخلاق ظاہرہ وباطنہ پر ثابت قدم رکھئے۔ الا انت : اے اللہ! آپ ہی ہادی مطلق ہیں، مخلوق کا عاجز ہونا امر محقق ہے۔

و اصرف عنی : یعنی برے اخلاق سے میری حفاظت فرمایئے۔

لبیک : اے اللہ! میں ہمیشہ ہمیش آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کیلئے حاضر ہوں۔

سعدیک : اے اللہ! آپ کی دعوت قبول کرنا یہ سعادت ہی سعادت ہے، مجھے اپنی اطاعت پر قائم رکھ کر میری مدد فرمائے۔

و الخير كله في يديك و الشر ليس اليك: ان جملوں کے کئی معنی ممکن ہیں:

(۱)...... خیر کے ذریعہ آپ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے، شر کے ذریعہ آپ کا قرب ممکن نہیں۔

(۲)...... اگر چہ خیر وشر ساری چیزوں کا خالق اللہ ہے، لیکن خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی، اور شر کی نسبت ادب کی بنا پر حق تعالیٰ کی طرف نہیں کی جائے گی۔

(۳)...... خیر اللہ تعالیٰ کی طرف پہو نچتا ہے، اور شر اللہ کے پاس اس طرح نہیں پہو نچتا ہے جس طرح خیر پہو نچتا ہے۔

فائدہ: حدیث کے اس جزء میں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اگر کوئی اچھائی کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کہے کہ اے اللہ! تو نے توفیق دی جس کی بنا پر میں نے یہ نیک کام کیا، اور اگر کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرنا چاہئے۔ آگے رکوع، قومہ، سجدہ، اور تشہد میں پڑھی جانے والی دعائیں مذکور ہیں، الفاظ دعا حدیث میں موجود ہیں، ترجمہ گذر چکا ہے، مزید تفصیل کی حاجت نہیں ہے۔

قومہ میں پڑھی جانے والی دعا

﴿۷۵۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهٗ فَقَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَيُّكُمْ

الْمُتَکَلِّمُ بِالْکَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِهَا فَاِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَقَدْ حَفَزَنِیَ النَّفَسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَأَیْتُ اِثْنَیْ عَشَرَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَرْفَعُهَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۹، ۲، باب مایقال بین تکبیرۃ الاحرام والقراءۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۰۰۔

حل لغات: حَفَزَ (ض) حَفزاً پیچھے سے ڈھکیلنا، یہاں مراد سانس پھولنا ہے، ارمَّ فلان خاموش ہونا، رمَّ (ض) رمًّا بوسیدہ ہونا، گلنا، (ن) الشیء مرمۃ، ٹھیک کرنا، بأساً مراد غلط بات، کہتے ہیں شَیْءٌ لاَ بَأْسَ نا قابل اعتراض بات، بئس (س) باسا بد حال ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب آئے اور صف میں شامل ہوگئے، حالانکہ ان کی سانس پھول رہی تھی، انہوں نے کہا: "اللہ اکبر الخ" اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں، ایسی تعریف جو بہت پاکیزہ ہو، بابرکت ہو، جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کر چکے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے، سب لوگ خاموش رہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر کہا تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے؟ سب لوگ خاموش رہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (تیسری مرتبہ) کہا تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے، جس نے یہ کلمات کہے اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی تو ایک صاحب بولے میں اس حال میں آیا کہ میری سانس پھول رہی تھی تو میں نے ان کلمات کو کہا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے پر ان کلمات کو اوپر لیجانے کیلئے سبقت کر رہے ہیں۔

تشریح: ان رجلا: یہ شخص رفاعہ بن رافع ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: یہ صحابیؓ دوڑ کر نماز میں کیوں شامل ہوئے؟ جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اذا اتیتم الصلوۃ فلا تاتوھا وانتم تسعون بل ائتوھا وانتم تمشون وعلیکم السکینۃ والوقار فما ادرکتم فاتموا وما فاتکم فاقضوا" [نماز میں دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ، سکون ووقار کو لازم پکڑو، جس قدر نماز جماعت کے ساتھ مل جائے پڑھو اور جو چھوٹ جائے اس کو بعد میں ادا کرلو۔] اس حدیث سے دوڑ کر نماز میں شامل ہونے کی ممانعت معلوم ہورہی ہے، اور صحابیؓ رسول کا عمل بظاہر اس حدیث کے خلاف معلوم ہورہا ہے۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ حدیث میں دوڑ کر نماز میں شامل ہونے کی ممانعت اس وقت ہے، جب بغیر دوڑے کچھ نہ کچھ نماز جماعت سے مل جانے کا یقین ہو، اور جب یہ یقین ہو کہ اگر دوڑیں گے نہیں تو نماز نہیں ملے گی تو دوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حافظؒ نے یہ جواب نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ زیادہ راجح میرے نزدیک یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور نہ دوڑنا ہی زیادہ بہتر ہے، صحابی رسول کے عمل سے دوڑنے کا جواز معلوم ہورہا ہے، لیکن جواز سے کراہت کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۷۶)

طیبا: یعنی ایسی حمد جو ریا وشہرت سے پاک ہو۔

مبارکا: وہ حمد برکت اور خیر کثیر کا تقاضہ کرتی ہو۔

نماز میں غیر ماثور دعا

حدیث کے ان اجزاء سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نماز میں دعاء ماثورہ

کے علاوہ بھی اذکار کی گنجائش ہے، لیکن وہ اذکار ماثورہ دعاؤں کے مخالف نہ ہوں۔

جہراً دعاء

نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کو تکلیف نہ ہو تو بلند آواز سے بھی دعا پڑھنے کی گنجائش ہے۔ (فتح الملہم:۲/۱۸۱)

فلما قضى: جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کرلی تو فرمایا: کہ جو کلمات ابھی میں نے سنے ان کا قائل کون ہے؟

فارم القوم: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناراض ہوگئے ہیں، اس وجہ سے خاموش رہے۔

فانه لم يقل باسا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس کرلیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خاموشی ناراضگی کے اندیشہ کی وجہ سے ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ میں اس لئے نہیں پوچھ رہا ہوں کہ جس نے یہ بات کہی ہے اس نے غلط کیا ہے، اور میں اس کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں میں تو اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو بتادوں کہ یہ دعا کتنی بابرکت ہے۔

وقد خفزني النفس: جن صاحب نے یہ دعا پڑھی تھی انہوں نے اظہار واقعہ کے طور پر یہ بتایا کہ میں نے جب یہ دعا پڑھی تو میری سانس پھول رہی تھی، سانس پھولنے کا تذکرہ عذر کے طور پر نہیں تھا، بلکہ بیان واقعہ کے طور پر تھا۔

يبتدرونها: فرشتے ان کلمات کو لکھنے کیلئے یا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے، ظاہر یہ ہے کہ یہ ملائکہ "حفظہ" فرشتوں کے علاوہ مراد ہیں، اور اس کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ "عن ابی هريرة رضي الله عنه

مرفوعا ان لله ملٰئكة يطوفون في الطريق يلتمسون اهل الذكر" ذکر کرنے والوں کی تلاش میں فرشتے راستوں میں پھرا کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض نیکیاں حفظہ کے علاوہ فرشتے بھی لکھتے ہیں۔

دعا کا محل

سوال: حدیث میں مذکور دعا نماز کے کس رکن میں پڑھی جائے گی؟

جواب: حدیث باب سے بظاہر اس بات کی تعیین نہیں ہوتی ہے کہ یہ دعا کہاں پڑھی جائے گی؟ لیکن امام بخاریؒ نے اس حدیث کو بخاری شریف: ۱/۱۱۰، پر الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے، اور اس حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ ہے، "باب فضل اللهم ربنا ولك الحمد" ترجمۃ الباب سے سمجھ میں آ رہا ہے کہ حدیث میں مذکور دعا کا مقام قومہ ہے، یعنی رکوع سے اٹھنے کے بعد اور سجدہ میں جانے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے گی۔

﴿الفصل الثاني﴾

ثنا میں پڑھی جانے والی دعا

﴿۷۵۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ

غَیْرُكَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ لَانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِیْهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۵۷/۱، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۴۳۔ابوداؤد شریف: ۱۱۳/۱، باب من رأی الاستفتاح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۷۷۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے "سبحانک الخ" آپ کی ذات پاک ہے، اے اللہ! آپ کے لئے تعریف ہے، اور آپ کا نام بڑا برکت والا ہے، اور آپ کی شان بہت بلند ہے، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (ترمذی شریف، ابوداؤد شریف) ابن ماجہ نے اس روایت کو ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، ترمذی نے کہا ہے کہ ہم صرف اس حدیث کو حارثہ کی سند سے جانتے ہیں، اور ان کے حفظ کے سلسلہ میں کلام کیا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں وہی دعا ہے جس کو ہم ثنا کہتے ہیں، اور جو تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔

اذا افتتح الصلوۃ: قراءت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان "سبحانک الخ" دعا پڑھی جائے گی یہ دعا تسبیح کے نام سے مشہور ہے، امام مالکؒ تکبیر تحریمہ اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کسی بھی ذکر کے قائل نہیں ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ دعاء مذکور کے پڑھے جانے کی افضلیت کے قائل ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں تحریر فرمایا: "اختارہ احمد لعشرۃ وجوہ" یعنی

امام احمدؒ نے اس دعا کو دس وجوہ سے افضل قرار دیا ہے، امام شافعیؒ "انی وجهت وجهی الخ" پڑھے جانے کو افضل قرار دیتے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے حدیث باب کو ضعیف قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ حدیث باب میں ایک راوی ہیں "حارثہ" ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، یعنی عادل تو ہیں لیکن ان کے حافظہ میں کمی تھی۔

دعاء استفتاح کے کلمات

﴿۷٦٠﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلوٰةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَاَصِيْلًا ثَلَاثًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ۔ (رواه ابوداؤد) وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَذَكَرَ فِيْ آخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهمزُهُ الْمُوتَةُ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۱۱، باب ما يستفتح الصلوة من الدعاء، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۷٦۴۔ ابن ماجه شریف: ۵۸، باب الاستعاذة في الصلوة، كتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۸۰۷۔

حل لغات: نفخه نفخ (ن) نفخا بفمه منہ سے پھونک مارنا، نفثه نفث (ن،ض) نفثا پھونکنا، همز (ض) همزاً غیبت کرنا، کوئی چیز چھپانا، الموتة غشی، دیوانگی۔

ترجمہ: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا: "اللہ اکبر کبیرا الخ" اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے بہت تعریف ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے بہت تعریف ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے بہت تعریف ہے، اللہ کے لئے صبح وشام تعریف بیان کرتا ہوں، تین مرتبہ یہ کلمات بھی کہے، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، شیطان سے اس کے تکبر سے اس کے جادو سے اور اس کے وسوسہ سے، (ابوداؤد، ابن ماجہ) لیکن ابن ماجہ نے "والحمد لله كثرا" کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں، اور اخیر میں "من الشیطان الرجیم" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ شیطان کے "نفخ" سے مراد تکبر ہے، اس کے "نفث" سے مراد شعر ہے، اور اس کے "همز" سے مراد جنون ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان پڑھی جانے والی ایک دعا کا تذکرہ ہے، یہ دعا پڑھنا بھی آپ ؐ سے ثابت ہے، لیکن حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں افضل دعاء تسبیح ہے، جس کو ہم ثناء بھی کہتے ہیں، امام شافعیؒ کے یہاں افضل "انی وجهت وجهي الخ" والی دعا ہے، امام مالکؒ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے مابین کسی طرح کی دعا کے بھی قائل نہیں ہیں۔

الله اكبر كبيرا: تکرار یا تو تاکید کیلئے ہے، یا پھر پہلی مرتبہ ذات کی بڑائی کیلئے ہے، دوسری مرتبہ صفات کی بڑائی مراد ہے، اور تیسری مرتبہ افعال کی بڑائی مراد ہے۔

كثيرا: موصوف مقدر کی صفت ہے، مراد حمدا كثيرا ہے، ظاہری، باطنی، اخروی، دنیوی ہر طرح کی نعمتوں کی بنا پر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، **سبحانک الله**

بکرة واصيلاً پاکی بیان کرتا ہوں، اللہ کی صبح وشام، ان دونوں وقتوں کو خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں وقتوں میں صبح وشام کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، اسی طرح علامہ ابہریؒ اور صاحب مفاتیح نے ذکر کیا ہے۔

ثلثا: مطلب یہ ہے کہ دیگر کلمات کی طرح "سبحان الله الخ" بھی آپ نے تین مرتبہ کہے۔

نفخه: مطلب یہ ہے کہ شیطان کے غرور تکبر سے پناہ چاہتے ہیں، شیطان انسان کے اندر تکبر پیدا کر کے اس کو تباہ کر دیتا ہے، اس لئے اس سے پناہ مانگی گئی۔

و نفثه: اس سے مراد شیطان کا جادو ہے، یعنی شیطان جادو کر کے مسحور بنادے یا جادوگر بنا کر گمراہی میں ڈال دے، اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

همز: شیطان کا وسوسہ مراد ہے، اس سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو تشریح منقول ہے، اس کے مطابق "نفخ" سے تکبر، "نفث" سے برے اشعار اور "همز" سے جنون و مرگی مراد ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اگر یہ تفسیر متن حدیث سے متعلق ہو اور واقعی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو تب تو یہی معنی مراد ہوں گے، اور اس سے عدول نہ کیا جائے گا اور اگر یہ کسی راوی کا قول ہے تب تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ نفث سے مراد جادو لیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "ومن شر النفّٰثٰت" میں نفاثات سے مراد جادو ہے، اسی طرح "همز" سے مراد وسوسہ لیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "من همزات الشيطان" میں ہمزات سے مراد وسوسہ ہے۔

نماز میں دو سکتوں کا ذکر

﴿۷٦١﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ

حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَصَدَّقَهُ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱۱۳، باب السکتة عند الافتتاح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۷۷۹۔ ترمذی شریف: ۵۹/ ۱، باب ماجاء فی السکتتین فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۲۵۱۔ ابن ماجہ: ۶۱، کتاب اقامة الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۴۴۔ دارمی:۲۸۳/ ۱، باب فی السکتتین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۲۴۳۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد کئے، ایک سکتہ تو اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہتے، اور دوسرا سکتہ اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" کہنے سے فارغ ہوتے، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تصدیق کی۔ (ابوداؤد) ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اسی کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران نماز دومرتبہ کچھ دیر کے لئے سکوت فرماتے تھے۔

(۱)...... تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان سکتہ کرتے تھے، اس درمیان وقفہ میں دعاء استفتاح یعنی ثناء پڑھتے۔

(۲)...... سورۂ فاتحہ کی تلاوت مکمل کرنے کے بعد دوسری کسی سورت تلاوت کرنے سے پہلے

سکتہ کرتے تھے، اس درمیان وقفہ میں امام شافعیؒ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ تلاوت کرنے کے قائل ہیں، بعض لوگ اس سکتہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

عن رسول اللہ سکتتین: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز کے دوران دو سکتے ثابت ہیں۔

سکتۃ اذا کبر: ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ سکتہ عندالافتتاح کہلاتا ہے۔

وسکتۃ اذا فرغ من قراءۃ الخ: دوسرا سکتہ قراءت سے فراغت کے بعد ہے، قراءت سے کیا مراد ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "بعد الفراغ من القراءۃ" سے مطلق قراءت ہے، یعنی سورت کی تلاوت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے سکتہ ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ فراغت قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی تلاوت ہے، یعنی سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد دوسری سورت کی شروعات سے پہلے سکتہ ہے، یہی بات حدیث باب سے بھی معلوم ہورہی ہے، کیونکہ یہاں "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کی صراحت ہے، اختلاف روایات کی بنا پر بعض لوگ تین سکتوں کے قائل ہیں۔

(۱)......سکتہ عندالافتتاح۔

(۲)......سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد سکتہ۔

(۳)......سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کی تلاوت سے فراغت کے بعد سکتہ۔

سکتہ کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک پہلا سکتہ دعاء استفتاح (ثنا) پڑھنے کیلئے ہے، اور دوسرا سکتہ مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ تلاوت کرنے کے واسطے ہے۔

اس حدیث سے امام شافعیؒ کا یہ موقف کہ دوسرا سکتہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے لئے ہے، ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے لئے سکتہ طویلہ کی ضرورت ہے، اور حدیث باب اس سے ساکت ہے۔

امام احمد کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک پہلا سکتہ دعاء استفتاح کے لئے ہے، اور دوسرے سکتہ میں کچھ نہیں کیا جائے گا کیونکہ امام احمدؒ مقتدی کے حق میں قراءت فاتحہ سری نمازوں میں لازم ٹھہراتے ہیں، جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے قراءت فاتحہ کے قائل نہیں ہیں، نیز ان کے نزدیک آمین بھی آہستہ سے نہیں کہا جائے گا، لہٰذا یہ سکتہ آہستہ سے آمین کہنے کے لئے بھی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک پہلا سکتہ دعاء استفتاح کے لئے ہے، اور دوسرا سکتہ آمین کہنے کے لئے ہے، حنفیہ کے یہاں آمین آہستہ ہی سے کہا جاتا ہے۔

دوسری رکعت میں دعاء استفتاح نہیں

﴿۷۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَمْ یَسْكُتْ هٰكَذَا فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَ الْحُمَیْدِیُّ فِیْ اِفْرَادِهٖ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَحْدَهٗ۔

حواله: مسلم شريف: ۲۱۹/۱، باب مايقال بين تكبيرة الاحرام

والقراءة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۵۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو "الحمد للہ رب العالمین" سے قراءت شروع کرتے ،اور سکتہ نہیں فرماتے اسی طرح صحیح مسلم میں روایت ہے،حمیدی نے اس کو اپنی ''افراد'' میں نقل کیا ہے، اور صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو صرف مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے،تو ثناءنہیں پڑھتے تھے،یا پھر یہ مطلب کہ چار رکعت والی نماز میں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو رکعت کے بعد تیسری کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو اس تیسری رکعت یعنی شفعہ ثانیہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت سے پہلے ثناءنہیں پڑھتے تھے۔

قام من الرکعۃ الثانیۃ: صاحب مرقاۃ اس جزء کی تشریح میں لکھتے ہیں: "ای من اجلها" یعنی دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے وقت "استفتح القراءۃ" "الحمد للہ رب العالمین" سے قراءت شروع کرتے تھے،تو قف کرکے ثناءنہیں پڑھتے تھے۔

الفصل الثالث

ایک دوسری دعاء استفتاح

﴿۷۶۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَايَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْأَعْمَالِ سَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۱۰۳/ ۱، باب نوع آخر من الدعاء بین التکبیر والقراءۃ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۸۹۷۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے، "ان صلاتی الخ" بلاشبہ میری نماز میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں، اے اللہ! میری اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی فرمایئے، آپ کے علاوہ کوئی بھی اچھے اعمال اور اخلاق کی طرف راہ نہیں دکھا سکتا، اور مجھے برے اعمال و برے اخلاق سے بچایئے، برے اعمال اور برے اخلاق سے آپ کے علاوہ کوئی بچا نہیں سکتا ہے۔

تشریح: دعاء استفتاح کے کلمات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف منقول ہیں، ایک دعاء یہ بھی ہے جو کہ حدیث باب میں مذکور ہے، حنفیہ تمام دعاؤں میں "سبحانک اللھم الخ" کو افضل قرار دیتے ہیں، تحقیق کیلئے حدیث نمبر: ۷۵۶ر دیکھیں۔

اذا افتتح الصلوۃ کبر: یعنی استقبال قبلہ اور نیت کے ذریعہ نماز شروع کرتے پھر تکبیر تحریمہ کہتے۔

نسکی: مراد قربانی یا نماز کے علاوہ دیگر عبادات ہیں۔

محیای و مماتی: یعنی زندگی اور موت کے تمام احوال اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص ہیں۔

و انا اول المسلمین: یہ بات آپ سے متعلق ہے، یہ جز آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر صادق نہیں آتا ہے۔

ہر امت میں سب سے پہلے مسلمان خود پیغمبر ہوتے ہیں، اس امت کے پہلے مسلمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں، بقیہ لوگوں کو "انا من المسلمین" کہنا چاہئے، علامہ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اگر کسی نے نماز میں "انا اول المسلمین" کہا تو جھوٹ بولنے کی بناء پر نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن بعض دیگر لوگوں نے کہا ہے نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ یہی کہنا بہتر ہے، کیونکہ یہ شخص ان کلمات کی تلاوت کرنے والا ہے، اپنے حالات کی خبر دینے والا نہیں ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۸۱)

احسن الاعمال: ظاہری اعمال مراد ہیں۔

الاخلاق: باطنی اعمال مراد ہیں۔

نفل نماز میں پڑھی جانے والی دعاءِ استفتاح

﴿۷۶۴﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا

اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۱/۱۰۴، باب نوع آخر من الذکر والدعاء بین التکبیر والقراءة، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۸۹۵۔

ترجمه: حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے: "الله اکبر وجهت وجهی الخ" اللہ بہت بڑا ہے، میں نے اپنے چہرہ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد راوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے مثل الفاظ نقل کئے، مگر حضرت محمد نے "انا من المسلمين" کہا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھتے: "اللهم انت الملک الخ" اے اللہ تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ہے، اور تیری ہی تعریف ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت شروع فرماتے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی ایک دوسری دعاء استفتاح کا تذکرہ ہے، حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ دعا نفلی نمازوں میں پڑھی جائے گی، حنفیہ کا یہی موقف ہے کہ فرض نماز میں ثناء یعنی "سبحانک الله الخ" پڑھنا چاہئے، نفل نماز میں احادیث مبارکہ میں سے وارد دیگر دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھنا چاہئے۔

یصلی تطوعا: حدیث کے اسی جزء سے حنفیہ کے موقف کی تائید ہو رہی ہے کہ دعائے مذکور نوافل یا سنن میں پڑھی جائے گی۔

مثل حدیث جابر: راوی نے یہاں وہی کلمات نقل کئے ہیں جو گذشتہ

روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے، یعنی "ان صلاتی ونسکی الخ"

الا انت قال وانا من المسلمین: اس جزء کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت میں "انا من اول المسلمین" کے کلمات نقل کئے ہیں، جب کہ محمد بن مسلمہ نے اپنی روایت میں "انا من المسلمین" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القراءۃ فی الصلوۃ

رقم الحدیث:...... ۷۶۴ تا ۸۰۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القراءۃ فی الصلوۃ

(نماز میں قراءۃ کرنا)

قراءت نماز کے ارکان میں سے ایک عظیم رکن ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" اس آیت سے قراءت کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے، اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان میں قراءت کی فرضیت پانچوں نمازوں میں مقدار قراءت اور بعض نمازوں میں بعض مخصوص سورتیں پڑھنے کی اہمیت سے متعلق احادیث مذکور ہیں۔

قراءت کی فرضیت میں اختلاف

جاننا چاہئے کہ قراءت فی الصلوٰۃ فرض ہے، پھر آگے تفصیل ہے۔ "فعند الشافعی واحمد فی جمیع الرکعات وعند مالک فی الاکثر" اور "عند الحنفیۃ فی رکعتین وعند زفر والحسن بصری فی رکعۃ واحدۃ" اور ابوبکر بن الاصم وسفیان بن عیینہ اور ابن علیہ کے نزدیک قراءت فی الصلوۃ فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ (الدر المنضود: ۲/۲۶۸)

قراءت کی فرضیت

اگر کوئی شخص منفرد تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے قراءت کرنا فرض ہے، اسی طرح امام نماز پڑھا رہا ہے تو اس کے لئے بھی قراءت کرنا فرض ہے، لیکن مقتدیوں کے لئے قراءت کی ممانعت ہے، مقتدیوں کی قراءت امام کی قراءت سے ہی ہو جاتی ہے، ان کے الگ سے قراءت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" [جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو] نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراءۃ" [جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی مقتدیوں کی قراءت ہے۔]

مقتدیوں کے لئے قراءت کی ممانعت کی وجوہ

(۱)......امام کے ساتھ مقتدی بھی تلاوت کریں گے تو امام کو پریشانی لاحق ہوگی۔

(۲)......مقتدی پڑھنے میں مشغول ہوگا، تو قرآن میں غور وفکر نہ کر سکے گا۔

(۳)......قرآن کا ادب یہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا جائے، سننے کے بجائے خود بھی پڑھیں گے تو یہ خلاف ادب بات ہوگی، یہ تینوں وجوہات باب کے تحت آنے والی احادیث سے مدلل ہیں۔

سری اور جہری نمازوں کی وجوہ

فجر کی نماز میں مغرب کی دو رکعتوں میں، اور عشاء کی دو رکعتوں میں، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں جہراً قراءت کی جائے گی، بقیہ نمازوں میں سراً قراءت کی جائے گی۔ یہی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

وغیرہ سے ثابت ہے۔

جہری اور سری قرءت کی حکمت

سوال: اصلاً تو نمازوں میں جہراً قراءت ہونی چاہئے تھی، کیونکہ جس طرح تمام ارکان کا اظہار ضروری ہے، اسی طرح قراءت کا اظہار بھی ضروری ہے، پر بعض میں سر اور بعض میں جہر کیوں ہے؟

جواب: اس کی دو اہم وجوہات نقل کرتے ہیں، ایک تو وہ جس کو بہت سے مفسرین اور علماء نے ذکر کیا ہے، اور جو مشہور ہے اور دوسری وہ وجہ جس کو حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے۔

(۱)......ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نمازوں میں جہر فرماتے تھے، مشرکین قراءت سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذاء پہونچاتے تھے، اس پر قرآن پاک کی آیت "**ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلا**" نازل ہوئی۔ یعنی آپ نہ تو تمام نمازوں میں جہر فرمائیں اور نہ تمام نمازوں میں اخفاء کریں، بلکہ ان دونوں کے درمیان راہ اختیار فرمائیں، اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازوں میں اخفاء شروع کر دیا، کیوں کہ یہی دونوں وہ اوقات تھے، جن میں کفار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے، اور مغرب کے وقت کفار کھانے پینے میں اور عشاء اور فجر کے وقت راحت اور آرام میں لگے رہتے تھے، اس وجہ سے ان تینوں اوقات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہر فرماتے تھے، اور جمعہ اور عیدین کی نماز مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں، اس لئے وہاں کفار کا کوئی مسئلہ نہیں تھا،

اس وجہ سے ان میں بھی جہر ہے، اور مدینہ منورہ میں اگر چہ کفار کا غلبہ ختم ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں اخفاء ہی کرتے رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بقائے حکم بقائے سبب سے مستغنی ہے، جیسے کہ رمل کا جو سبب تھا وہ ختم ہو گیا، لیکن طواف کے دوران اب بھی رمل کیا جاتا ہے۔

(۲)......حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سر اور جہر کی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں: "والسر فی مخافتة الظهر والعصر ان النهار مظنة الصخب واللغط فی الاسواق والدور، واما غيرهما فوقت هدو الاصوات، والجهر اقرب الی تذكر القوم واتعاظهم" مطلب یہ ہے کہ دن کے وقت بازاروں اور گھروں میں بہت شور شرابہ رہتا ہے۔ ایسے وقت میں جہری قراءت میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا، اس وجہ سے سر کا حکم ہے، اس کے برخلاف رات میں اور فجر کے وقت ماحول پر سکون رہتا ہے، اس وجہ سے اس میں جہراً قراءت کا حکم دیا گیا ہے، نماز جمعہ اور عیدین خاص مواقع پر پڑھی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ کاروبار وغیرہ ترک کر کے مسجد آجاتے ہیں، اس وجہ سے ان میں بھی جہراً قراءت ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت

﴿۷۶۵﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ

بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (متفق علیه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِداً۔

حواله: بخاری شریف: ۱۰۴/۱، باب وجوب القراءۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۵۶،مسلم شریف: ۱۶۹/۱، باب وجوب قراءۃ الفاتحة فی کل رکعة، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۹۴۔

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (بخاری، مسلم) مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور مزید کچھ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر نماز میں تمام نمازیوں کے لئے ''سورۂ فاتحہ'' پڑھنا ضروری ہے، نماز سری ہو یا جہری، اسی طرح نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی، مسافر ہو یا مقیم، اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے، بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوگی، اسی حدیث کے تحت جو دوسری روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ اور تلاوت کرنا لازم ہے۔

لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب: جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی، حدیث کے اس جزء سے دو مسئلے متعلق ہیں:

(۱)......سورۂ فاتحہ کی رکنیت۔ (۲)......قراءت خلف الامام۔

سورۂ فاتحہ کی رکنیت تو حدیث باب سے یوں ثابت ہوتی ہے کہ حدیث میں اس کی تلاوت کے بغیر نماز کی صحت کی نفی ہے،

اور قراءت خلف الامام کا مسئلہ یوں ثابت ہوتا ہے کہ ''لاصلوۃ'' کے عموم سے یہ

معلوم ہو رہا ہے کہ بغیر فاتحہ کی قراءت کے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی، خواہ امام ہو یا مقتدی، معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے بھی قراءت لازم ہے۔

رکنیت فاتحہ اور مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک مطلق قراءت فرض ہے، سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کا ملانا واجب ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" [قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو] یہاں لفظ "ما" عام ہے، اس سے مطلق قراءت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، خبر واحد کے ذریعہ مطلق کو مقید کرنا درست نہیں۔

اشکالات مع جوابات

اشکال: "ماتیسر" میں کلمہ "ما" مجمل ہے، اور حدیث باب اس کی تفسیر ہے، لہٰذا فاتحہ کے فرض قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: لفظ "ما" عام ہے، مجمل نہیں ہے، لہٰذا اشکال درست نہیں ہے۔

اشکال: حدیث باب خبر واحد نہیں ہے؛ بلکہ خبر مشہور ہے، لہٰذا اس کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے۔

جواب: علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اس روایت کو خبر مشہور قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ خبر مشہور وہ ہوتی ہے جسے عہد تابعین میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو گیا ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ زیر بحث مسئلہ تابعین کے زمانہ میں بھی اختلافی رہا ہے، لہٰذا یہ خبر مشہور نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قراءت ہر نماز میں فرض ہے، اور سورت کا ملانا مستحب ہے۔

دلیل: شوافع کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**'' یہاں فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز کی نفی کی گئی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض ہے۔

جواب: (۱)......خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے، لہٰذا جو قرآن سے ثابت ہو وہ فرض ہے، اور جو حدیث باب سے ثابت ہو وہ واجب ہے۔

(۲)......''**لاصلوٰۃ**'' میں ''**لا**'' نفی کمال کے لئے ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابن ماجہ میں روایت ہے: ''**من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام**'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ترک کرنے سے نماز کا کمال فوت ہوجاتا ہے، نفس نماز درست ہوجاتی ہے۔

(۳)......اسی حدیث میں مسلم شریف کے حوالہ سے جو روایت ہے اس کے الفاظ ہیں: ''**لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعداً**'' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حکم سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا ہے، وہی حکم سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورت کا ہے، لہٰذا امام شافعیؒ کا سورۂ فاتحہ کو فرض قرار دینا اور ضم سورت کو مستحب قرار دینا صحیح نہ ہوگا، اقرب الی الصواب مذہب حنفیہ ہی کا ہے، کہ انہوں نے مطلق قراءت کو فرض قرار دیا ہے، اور سورۂ فاتحہ وضم سورت کو واجب قرار دیا ہے۔

وجہ ترجیح: حنفیہ کے مذہب کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلک میں تمام احادیث پر عمل ہوجاتا ہے، اور دوسرے مسلک پر عمل کرنے میں بعض احادیث پر عمل ہوتا ہے، اور بعض کا ساقط کرنا لازم آتا ہے، نیز احناف کی مؤید احادیث زیادہ ہیں،

اور صریح محکم غیر محتمل ہیں۔

قراءت خلف الامام اور مذاہب ائمہ

قراءت خلف الامام کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی فاتحہ پڑھے گا یا نہیں، اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، جس کو مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، نماز جہری ہو یا سری اور مقتدی خواہ امام کی قراءت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا**'' [جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ اس کی طرف کان لگایا کرو، اور خاموش رہا کرو] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام زور سے قراءت کر رہا ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ امام کی قراءت سنے اور اگر امام آہستہ قراءت کر رہا ہے تو مقتدی کے لئے خاموش رہنا لازم ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کے لئے قراءت نہیں ہے، ایک حدیث ہے: ''**من كان له امام فقراءة الامام له قراءة**'' [جو شخص مقتدی بن کر نماز پڑھ رہا ہے، تو امام کی قراءت اس کی قراءت شمار ہوگی] معلوم ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی بھی چیز کی قراءت نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے جہری وسری ہر طرح کی نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب ہے۔

دلیل: ''**لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها**'' [ایسا نہ کرو

البتہ سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے، کیونکہ اسے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت فرمائی جب لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ جی ہاں ہم قراءت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً قراءت سے منع کیا، البتہ سورۂ فاتحہ کی اجازت دیدی، حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔

جواب: اس حدیث سے مقتدی پر فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حدیث باب میں نہی سے استثناء ہے، اور نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے، وجوب کے لئے نہیں ہوتا ہے۔

تعارض مع جواب

تعارض: ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا منع ہے، اور شوافع کی دلیل میں جو روایت گذری اس سے کم از کم جواز معلوم ہوتا ہے، تو جواز اور ممانعت میں تعارض ہے کیونکہ ممانعت نام ہے عدم جواز کا۔

جواب: جواز کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، شروع اسلام میں مقتدی فاتحہ اور سورت سب پڑھتے تھے، اولاً سورت پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی، اور فاتحہ کا جواز باقی رہا، پھر جب قرآن مجید کی آیت "**اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا**" نازل ہوئی تو فاتحہ کا جواز بھی ختم ہوگیا، حضرت ابن عباس کی روایت ہے: "**صلی النبی**

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقرأ خلفہ قوم فنزلت و اذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" [نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، چندلوگوں نے آپ کے پیچھے قراءت کی پس آیت کریمہ: "و اذا قری القرآن الخ" نازل ہوئی] معلوم ہوا کہ قراءت فاتحہ کا جواز منسوخ ہوگیا، اور یہیں سے مذکورہ تعارض بھی دفع ہوگیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: امام شافعیؒ نے جو دلیل پیش کی اس کے ایک جزء "لاتفعلوا الا بام القرآن" سے تو سورۂ فاتحہ کا صرف جواز معلوم ہورہا ہے، اور اس پر بحث ہو بھی گئی، لیکن دوسرے جزء "فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بھا" اس سے تو سورۂ فاتحہ کا وجوب ثابت ہورہا ہے، اس پر بحث نہیں ہوئی۔

جواب: حدیث کا یہ دوسرا جزء اس حدیث کا جز نہیں ہے، بلکہ وہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری مستقل حدیث ہے، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے طور پر یکجا کردیا ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ مانا جائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شروع وآخر کے فرمان میں تعارض پیدا ہوجائے گا، کیونکہ "الا بام القرآن" سے سورۂ فاتحہ کی اباحت ہورہی ہے، اور "لاصلوۃ" سے وجوب ثابت ہورہا ہے، اور دونوں میں تعارض ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "فانہ لا صلوۃ لمن یقرأ بھا" کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے، کیونکہ مقتدی کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" یعنی مقتدی کچھ بھی قراءت نہیں کریگا، بلکہ خاموش کھڑا ہوکر امام کی قراء

ت سنے گا، حدیث باب میں موجود سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم امام اور منفرد کے حق میں ہے، چنانچہ اس کی وضاحت ترمذی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ "من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام" [جس شخص نے سورۂ فاتحہ کے بغیر رکعت پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو] معلوم ہوا کہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی قراءت لازم نہیں ہے، منفرد اور امام کے لئے سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب ہے، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں "لمن لم یقرأ الخ" کو عام قرار دے کر مقتدی کو اس کے تحت داخل کرنا درست نہیں ہے۔

نیز سب کے نزدیک مدرک رکوع مدرک رکعت شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ اس نے حقیقۃً قراءت نہیں کی، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ امام کی قراءت سے حکماً اس کی قراءت ہوگئی۔

سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے

﴿۷۶۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً لَمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرَ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، قَالَ تَعَالىٰ حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، قَالَ تَعَالىٰ أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ، قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۹/ ۱ /۱۷۰، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۹۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے تو وہ نماز ناقص ہے۔ (فهي خداج [یعنی وہ نماز ناقص ہے]) تین بار فرمایا: وہ نماز نامکمل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں اس وقت بھی کیا ایسا ہی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس وقت اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو، بلاشبہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا، چنانچہ بندہ جب ''الحمد لله رب العالمين'' [تمام تعریفیں سارے جہان کے رب کے لئے ہیں] کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''حمدني عبدي'' [میرے بندے نے میری تعریف کی] اور جب بندہ کہتا ہے: ''الرحمن الرحيم'' [اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے] تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اثنى على عبدي'' [میرے بندے نے

میری تعریف کی] اور جب بندہ کہتا ہے: "مالک یوم الدین" [روز جزاء کا مالک ہے] تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "مجدنی عبدی" [میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی] اور جب بندہ کہتا ہے: "ایاک نعبد و ایاک نستعین" [تری ہی ہم بندگی کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں] تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ھذا بینی وبین عبدی الخ" [یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا] اور جب بندہ کہتا ہے: "اھدنا الصراط المستقیم الخ" [بتا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا، جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل" [یہ میرے بندے کے واسطے ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔]

تشریح: اس حدیث شریف میں خاص طور پر تین چیزیں مذکور ہیں:

(۱)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ یہ بات فرمائی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناتمام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، کیونکہ واجب چھوٹنے ہی سے نماز نامکمل ہوتی ہے، فرض چھوٹنے سے تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی ہے۔

(۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد سے جواب دیا کہ امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں چپکے چپکے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے، جو کہ احادیث مرفوعہ کے مقابل میں حجت نہیں۔

(۳)...... حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ایک جزء سورۂ فاتحہ کو

اپنے اور اپنے بندے کے درمیان بایں طور تقسیم کرلیا ہے کہ شروع کی تین آیتیں خود باری تعالیٰ سے متعلق ہیں، ان میں باری تعالیٰ کی بندے کی جانب سے حمد وثنا بیان کی گئی ہے، چوتھی آیت بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مشترک ہے، آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا اعتراف ہے، اور آدھی آیت میں بندے کی طلب حاجت ہے، اور آخیر کی تین آیات بندے سے متعلق ہیں، جس میں بندے نے اپنے لئے ہدایت کی دعا مانگی ہے، حاصل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے ساڑھے تین آیات اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں، اور ساڑھے تین آیات بندے سے متعلق ہیں، اور یوں یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان مشترک ہے۔

من صلی صلوة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج: جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔ "خدجت الناقة" اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹنی وقت سے پہلے بچہ جن دے، اگرچہ تام الخلقت ہو، اور "اخدجت" اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ بچہ ناقص جنا ہو، اگرچہ کامل وقت گذرنے کے بعد جنا ہو، اہل لغت کی ایک جماعت اس بات کے قائل ہے کہ "خدجت" اور "اخدجت" دونوں ہی اس وقت بولے جاتے ہیں جب کہ اونٹنی نے ناتمام بچہ جنا ہو۔ (فتح الملہم: ۲/۲۹)

حدیث باب میں سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج سے تعبیر کیا ہے، اور اس کی وضاحت یا تاکید "غیر تمام" سے بھی کردی گئی، معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہوجائے گی، لیکن ناقص اور ناتمام ہوگی، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک فریضہ ساقط ہوجائے گا، لیکن نماز قابل اعادہ رہے گی۔

اقرأ بها فی نفسک: جب امام کے ساتھ نماز پڑھو تو دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھو، حدیث کا یہ جزء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے، جو کہ حدیث

مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتا، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغیر تلفظ کے دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، یا پھر یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی معانی کا استحضار رکھا جائے، نہ کہ الفاظ کا اور یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔(مرقاۃ:۲/۲۸۴)

قسمت الصلوة: "صلوۃ" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ نماز کا جزء ہے، یہاں کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے، یا پھر "قراءة الصلوة" تھا، مضاف کو حذف کر کے صرف صلوۃ کہہ دیا۔

وبینی وبین عبدی: نماز تو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، لہٰذا اس جزء سے بھی خوب اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ نماز سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بٹی ہوئی ہے، کچھ آیات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، اور کچھ میں بندے کی طلب اور حاجت ہے۔

نماز میں بسم اللہ پڑھنا

﴿۷۶۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۷۲، حجة من قال لایجهر بالبسملة، کتاب الصلوة. حدیث نمبر: ۳۹۹.

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز کو ’’الحمد للہ رب العالمین‘‘ سے شروع کرتے تھے۔

تشریح: نماز میں قراءۃ سورۂ فاتحہ سے شروع کی جائے گی۔ یہی طریقہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تھا۔ سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ اور ثناء وغیرہ کو آہستہ سے پڑھا جائے گا۔

کانوا یفتتحون الصلوۃ: حدیث کے اس جزء سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سورۂ فاتحہ کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘ نہیں پڑھتے تھے، کیونکہ حدیث میں قراءت کی شروعات میں ’’الحمد للہ‘‘ پڑھے جانے کا ذکر ہے نہ کہ ’’بسم اللہ‘‘ کا حالانکہ امام مالکؒ کے علاوہ دیگر ائمہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے ’’بسم اللہ الرحمن الرحیم‘‘ پڑھے جانے کے قائل ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ آہستہ پڑھنے کے قائل ہیں، اور بعض آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم کرتے ہیں۔

درحقیقت یہاں دو مسئلے ہیں:

(۱)...... ’’بسم اللہ‘‘ قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟

(۲)...... نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘ پڑھی جائے گی یا نہیں۔

حدیث نمبر: ۷۴۵ ر کے تحت دونوں مسئلوں پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا

﴿۷۶۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ تَأْمِیْنُہٗ تَأْمِیْنَ الْمَلٰئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (متفق علیہ)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَہٗ وَفِیْ اُخْرٰی لِلْبُخَارِیِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِیُٔ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِیْنُہٗ تَأْمِیْنَ الْمَلٰئِکَۃِ غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

حوالہ: (پہلی روایت) بخاری شریف: ۱/۱۰۸، باب جھر الامام بالتأمین، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۸۰۔ مسلم شریف: ۱/۱۷۶، باب التسمیع والتحمید والتأمین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۱۰۔ (دوسری حدیث) بخاری شریف: ۲/۹۵۷، باب التأمین، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۶۴۰۲۔ مسلم حوالہ بالا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو آمین کہو، اس لئے کہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (بخاری، مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ جب امام ''**غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین**'' کہے تو آمین کہو، اس لئے کہ جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہوگیا تو اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیے جائیں گے، یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، اور مسلم میں بھی اسی کے مثل الفاظ ہیں، بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قاری آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو، اس لئے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، تو جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی اس کے سابقہ سارے گناہ

بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس روایت سے آمین کہنے کی فضیلت خوب اچھی طرح معلوم ہورہی ہے، کیونکہ آمین کہنے کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین کہنا فقہاء کے نزدیک سنت ہے، البتہ زور سے آمین کہا جائے یا آہستہ سے اس میں اختلاف ہے۔

اذا امن الامام فأمنوا: مطلب یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم آمین کہو، امام آمین کہنے کا ارادہ کررہا ہے یہ کیسے معلوم ہو؟ اس کی وضاحت آگے حدیث میں ہے کہ جب امام "ولا الضالین" کہے تو سمجھ لو کہ امام آمین کہنے جارہا ہے، اسی وقت مقتدی بھی آمین کہیں، تاکہ امام اور مقتدی دونوں کی آمین ساتھ میں ہوجائے، اور دونوں کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے، اور دونوں کے گناہ معاف ہوجائیں۔

اگر "فأمنوا" کی فا کو تعقیب کے لئے مانیں اور یہ مراد لیں کہ امام کے آمین کے بعد مقتدی آمین کہیں تو ایسی صورت میں فرشتوں کے ساتھ امام ومقتدی کی موافقت نہیں ہو سکے گی، "فانه من وافق تأمینه" جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے گی اس کے سابقہ سارے گناہ معاف ہوجائیں گے، موافقت اخلاص کے اعتبار سے ہے، یا قبولیت کے اعتبار سے ہے، اور یہاں فرشتوں سے مراد "حفظه" فرشتے ہیں۔

مسئلہ آمین اور اختلاف ائمہ

آمین کے سلسلہ میں پہلا اختلاف یہ ہے کہ آمین کس کا وظیفہ ہے؟ دوسرا اختلاف یہ

ہے کہ آمین آہستہ سے کہا جائے یا بلند آواز سے کیا جائے؟ دونوں طرح کے اختلافات کو ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے۔

آمین کس کا وظیفہ ہے؟

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک مقتدی اور امام دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔

دلیل: "اذا أمن الامام فأمنوا" [جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو] معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں گے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ سے ایک روایت تو جمہور کے قول کے مطابق ہے، لیکن زیادہ مشہور روایت کے مطابق ان کا مذہب یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کا وظیفہ ہے، امام کا نہیں۔

دلیل: امام مالکؒ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے:"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین فقولوا آمین الخ" [جب امام "غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین" کہے تو تم لوگ آمین کہو]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے کاموں کو تقسیم کر دیا ہے، امام کا کام "ولا الضآلین" کہنا ہے، اور مقتدی کا کام "آمین" کہنا ہے۔"والقسمة تنافی الشركة"

جواب: جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ امام مالکؒ کی طرف سے جو حدیث پیش کی گئی ہے اس میں امام اور مقتدی کے وظائف کی تقسیم نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ امام اور

مقتدی دونوں کی آمین بیک وقت ہو جائے، اس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ امام جب "ولا الضآلین" کہہ لے تو دونوں لوگ "آمین" کہیں، تا کہ دونوں کی آمین بیک وقت ہو جائے اور فرشتوں کی آمین کے موافق ہو سکے، اسی کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے: "فان الامام یقول آمین" [امام بھی آمین کہتا ہے۔]

آمین سراً کہی جائے یا جہراً

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک امام ومقتدی سب کے لئے آمین سراً کہنا سنت ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کا مفتیٰ بہ مذہب یہ ہے کہ آمین جہراً کہنا سنت ہے، یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل: (۱)......"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا قال الامام ولا الضآلین فقولوا آمین، فان الامام یقولها" [جب امام "ولا الضآلین" کہے تو تم لوگ (مقتدی) آمین کہو، اس لئے کہ امام بھی آمین کہتا ہے] حدیث کے اس جزء سے "ان الامام یقولها" سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام سراً آمین کہے گا، اسی وجہ سے تو یہ بتایا گیا ہے کہ امام بھی آمین کہتا ہے، اور جب امام سراً کہے گا تو مقتدی بھی سراً کہیں گے۔

(۲)......حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں: "خفض بها صوته" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کہتے وقت آواز پست کر لی۔]

(۳)......حضرت امام نخعیؒ کا قول ہے کہ امام پانچ چیزیں آہستہ کہے گا۔(۱) ثناء۔(۲) تعوذ، (۳) بسم اللہ۔(۴) آمین۔(۵) تحمید۔

(۴)......ابوداؤدشریف میں حضرت سمرہ اور حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ موجود ہے، حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد ہیں، ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد، دوسرا سکتہ "ولا الضآلین" کے بعد، حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے سکتہ کا انکار فرمایا ان دونوں حضرات نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کیا، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کو صحیح قرار دیا، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ولا الضآلین" کے بعد بھی کچھ دیر کیلئے خاموش ہوتے تھے۔

پہلا سکتہ: "ثناء" کے لئے تھا، اور دوسرا سکتہ: "آمین" کے لئے تھا، اور جب آمین کے لئے سکتہ ثابت ہوگیا تو یہ بات خود بخود ثابت ہوگئی کہ آمین آہستہ آواز سے کہا جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل حدیث باب ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**اذا امن الامام فامنوا**" [جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو] اس حدیث میں امام کے آمین کہنے کے ساتھ مقتدی کو آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ظاہری بات ہے کہ مقتدی کو امام کے آمین کہنے کا علم اسی وقت ہوگا جب امام جہراً آمین کہے گا، معلوم ہوا کہ امام جہراً آمین کہے گا اور جب امام جہراً آمین کہے گا تو اس کی پیروی کرتے ہوئے مقتدی بھی جہراً آمین کہیں گے۔

جواب: امام شافعیؒ کا یہ استدلال اس وقت درست ہو سکتا ہے، جب امام کی آمین کے علم کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو اور امام کے آمین کہنے کے وقت کی تعیین کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی اور طریقہ نہ بیان کیا ہو، حالانکہ روایات کا جائزہ لینے سے

صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام کے آمین کہنے کا وقت واضح طور پر بیان کردیا ہے، چنانچہ متن میں حدیث موجود ہے: "اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فقولوا آمین" یعنی جب امام "ولا الضآلین" کہہ چکے تو مقتدی آمین کہیں، اسی وقت امام بھی آمین کہے گا اور دونوں کی آمین کا وقت ایک ہوجائے گا، اگر یہ تشریح نہ لی جائے اور یہ کہا جائے کہ امام آمین کہے اس کے بعد مقتدی آمین کہیں تو اس صورت میں امام اور مقتدی کا توافق باقی نہیں رہے گا، اور حدیث کا اصل مقصد (کہ امام ومقتدی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوجائے) فوت ہوجائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کیلئے زور سے آمین کہہ کر مقتدی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مقتدی امام کے "ولا الضآلین" کہتے ہی خود سمجھ لیں گے کہ آمین کہنے کا وقت ہوگیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: حدیث باب میں "فقولوا آمین" ہے، خطاب کے موقعہ پر مطلق قول بولا جائے تو اس سے جہر ہی مراد ہوتا ہے، لہٰذا آپ کا یہاں آمین کے بارے میں آہستہ کہنے کا حکم لگانا ضابطہ کے خلاف ہے۔

جواب: جو ضابطہ پیش کیا گیا ہے وہ کلی نہیں ہے، چنانچہ شوافع بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ دیکھئے روایت میں آتا ہے کہ "اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد" دیکھئے یہاں "قولوا" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے ضابطہ کے مطابق "اللھم ربنا لک الحمد" جہراً کہنا چاہئے، لیکن جہراً کہنا کسی کا مذہب نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ایک دلیل نقل کی گئی ہے، اس کے علاوہ بھی جہراً کہے جانے کے بارے میں روایات نقل کی جاتی ہیں، لیکن جہراً آمین کہنے کے بارے میں جو روایت صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں۔

جہراً آمین کہنا تعلیم کے لئے تھا

روایات جہراً آمین کہنے کے بارے میں بھی ہیں اور سراً کہنے کے بارے میں بھی ہیں، لیکن اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اصل سنت آمین میں یہ ہے کہ ''آمین'' سراً کہا جائے کیونکہ آمین ایک دعا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے عطا کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ''**آمین دعاء**'' اور دعا میں افضل سر ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی زور سے آمین کہا ہے تو وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے کہا ہے، چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: ''**فقال آمین یمد بھا صوتہ ما اراہ الا لیعلمنا**'' [حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کہی اور آمین کہتے وقت آواز کھینچی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد تعلیم دینا تھا۔] جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں باہر سے کچھ لوگ دین سیکھنے کے لئے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تعلیم کے لئے ثناء زور سے پڑھی تھی، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی سری نمازوں میں ایک دو آیتیں زور سے تلاوت کرتے تھے، تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ سری نمازوں میں تلاوت کی جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ زور سے آمین کہنا بطور تعلیم تھا، اصل آمین آہستہ سے کہنا ہے۔

وجوہ ترجیح: حنفیہ کا مذہب راجح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مؤید بالقرآن ہے، جیسا کہ گذرا کہ آمین ایک دعا ہے، اور دعا کا قرآن میں آہستہ سے کرنے کا حکم دیا گیا

ہے، نیز احناف کے دلائل صریح اور صحیح ہیں، جب کہ شوافع کے دلائل جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اسی طرح ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آمین قرآن کا جزء نہیں ہے، جس طرح "تعوذ" قرآن کا جزء نہیں ہے، لہٰذا جس طرح "تعوذ" سراً ہے اسی طرح آمین بھی سراً ہے۔

تنبیه: یہ جو اختلاف گذرا یہ افضل اور غیر افضل ہونے کا اختلاف ہے، جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے، لہٰذا اس کے بارے میں جواز اور عدم جواز کی بحثیں چھیڑنا قطعی درست نہیں ہے۔

صف کی درستگی کا حکم

﴿٧٦٩﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰهُ فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْکَ بِتِلْکَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ یَسْمَعُ اللّٰهُ لَکُمْ۔ (رواه مسلم) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَقَتَادَةَ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۷۴، باب التشهد فی الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو درست کرلو، پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی شخص تمہارا امام ہو جائے تو وہ جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو، اور جب وہ کہے: "غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین" تو تم لوگ آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کریگا، پھر جب امام "الله اکبـــــر" کہہ کر رکوع کرے تو تم لوگ بھی ''الله اکبر" کہتے ہوئے رکوع میں جاؤ، بلاشبہ امام تم سے پہلے رکوع میں جاتا ہے، اور تم سے پہلے رکوع سے اٹھتا ہے، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو یہ اس کے بدلہ میں ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اور جب امام ''سمع الله لمن حمده" کہے، تو تم لوگ "اللهم ربنا لک الحمد" کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری سنے گا۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: "واذا قرأ فانصتوا" [جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو]

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو چند باتوں کی ہدایت فرمائی ہے:

(۱)...... جماعت شروع ہونے سے پہلے صفوں کی درستگی کا اچھی طرح سے اہتمام کرلینا چاہئے، شریعت کی نگاہ میں صفوں کی درستگی کی بڑی اہمیت ہے۔

(۲)...... مقتدیوں کو اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو امام مقرر کرلینا چاہئے جو امامت کا اہل ہو۔

(۳)...... امام جب سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہو جائے تو آمین کہنا چاہئے، آمین کہنے سے اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔

(۴)...... امام کے رکوع میں جانے کے بعد مقتدیوں کو رکوع میں جانا چاہئے۔ اسی طرح امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد مقتدیوں کو اٹھنا چاہئے، امام رکوع میں پہلے جاتا

ہے، اور پہلے ہی رکوع سے واپس بھی ہو جاتا ہے، اس طرح امام اور مقتدیوں دونوں کے رکوع کی مقدار برابر ہو جاتی ہے۔

(۵)......امام رکوع سے اٹھتے وقت "سمع الله لمن حمده" کہے گا، مقتدیوں کو چاہئے کہ "اللهم ربنا لک الحمد" کہیں۔

اذا صليتم فاقيموا صفوفكم: مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرلو، صفوں کو اس طور پر درست کرنا مسنون ہے کہ اس میں کجی یا کشادگی باقی نہ رہے۔

صفوں کی درستگی کی فضیلت

صفوں کی درستگی کی اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، اور صفوں کی کجی پر بہت سی وعیدیں سنائی ہیں، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "**سووا صفوفكم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلوة**" [صفوں کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کو قائم رکھنے کا حصہ ہے۔]

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "**اقيموا الصف في الصلوة فان اقامة الصف من حسن الصلوة**" [نماز میں صف کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صف کا سیدھا رکھنا نماز کے حسن میں شامل ہے۔]

ایک روایت میں ہے: "**يسوى صفوفنا حتى كأنما يسوى بها القداح**" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے تھے، گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے ذریعہ سے تیروں کو سیدھا کر رہے ہیں۔]

صفوں کی کجی پر وعید

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفیں ٹیڑھی کرنے والوں کی شدید مذمت فرمائی ہے، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اقیموا صفوفکم ثلاثا واللہ لتقیمن صفوفکم او لیخالفن اللہ بین قلوبکم" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، اللہ کی قسم اپنی صفوں کو ضرور سیدھا کرو، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کے اندر اختلاف ڈال دے گا۔]

ایک روایت میں "بین قلوبکم" کے بجائے "بین وجوھکم" ہے، اس صورت میں یہ وعید ہو جائے گی کہ اللہ تمہارے چہروں کو مسخ کر دے گا۔

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا تختلفوا فیختلفو قلوبکم" صف میں آگے پیچھے ہو کر اختلاف مت ڈالو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فو الذی نفسی بیدہ انی لأری الشیطان یدخل من خلل الصف" [قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی کشادگی میں داخل ہو جاتا ہے۔] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صف کے درمیان جگہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔

صفوں کی درستگی میں غیر مقلدین کا طریقہ

جب اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صف کی درستگی کی اتنی تاکید فرمائی تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صفوں کی درستگی پر بہت زیادہ توجہ دینے لگے،

چنانچہ روایت میں آتا ہے: "کان احدنا یلزق منکبہ لمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ" [ہم میں سے ہر شخص صف میں اپنے شانہ کو اپنے ساتھی کے شانہ اور اپنے قدم کو اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا۔] یہ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، ابو داؤد میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ذرا اور وضاحت ہے، "فرأیت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبۃ برکبۃ صاحبہ وکعبہ بکعبہ" [میں نے دیکھا کہ آدمی اپنے کاندھے کو اپنے ساتھی کے کاندھے سے اپنے گھٹنے کو اپنے ساتھی کے گھٹنے سے اور اپنے ٹخنے کو اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملا دیا تھا۔]

ہمارے نزدیک ان روایتوں کے معنی یہ ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے، اسی طرح مل کر کھڑے ہونے کو "الزاق" سے تعبیر کیا ہے، یہاں "الزاق" کے حقیقی معنی مراد نہیں، کیونکہ "الزاق" کے معنی چپکانے کے ہیں، ظاہر سی بات ہے یہاں حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے، چنانچہ مجازی معنی اختیار کئے جائیں گے، اور مجازی معنی "قریب" ہوں گے، جیسے کہ "الزاق" کے ہم معنی لفظ "الصاق" کے نحوی کتب میں مذکور ہیں، نحو کی کتابوں میں آتا ہے، "الباء للالصاق" اور اس کی مثال "مررت بزید" ذکر کی جاتی ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات کہی جاتی ہے، "ای مررت بمکان یقرب منہ زید" دیکھئے یہاں "الصاق" سے قرب ہی مراد لیا گیا ہے، لیکن غیر مقلدین حضرات ان باتوں کی طرف توجہ نہ دے کر بتکلف پیروں سے پیروں کو ملا کر کھڑے ہوتے ہیں، اور ان کا استدلال انہیں احادیث بالا سے ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ابو داؤد کی حدیث میں "منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبۃ صاحبہ" کے الفاظ ہیں، اب دیکھئے کیا یہ ممکن ہے کہ صف میں ہر ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر ہی کھڑا ہو، اس صورت میں صف میں کھڑے ہونے والے تمام لوگوں کے

قدموں کا برابر ہونا ضروری ہوگا، اور یہ بات محال ہے، نیز حدیث میں آگے "کعبہ بکعبہ" ہے، یہاں "بکعب صاحبہ" نہیں فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر "بمنکب صاحب" اور "برکبۃ صاحبہ" فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ اپنے بغل میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنا ملانا مراد نہیں ہے، اور پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ اپنے ساتھی کے ٹخنے مراد ہیں تو بھی حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق یہ مبالغہ پر محمول ہوگا، کیونکہ بغل میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنے ملانا ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا غیر مقلدین جو ایک دوسرے کے پیر سے پیر چپکا کر کھڑے ہوتے ہیں وہ طریقہ منشأ حدیث کے مطابق نہیں ہے، نیز یہ طریقہ ہیئت صلاۃ کے خلاف بھی ہے، اور اس صورت میں کشادگی بھی درمیان میں ہو جاتی ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سدِّ خلل یعنی کشادگی کو بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ "الزاق" والی حدیث کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ہی خط پر کھڑے ہوتے تھے، اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے۔

ثم لیؤمکم احدکم: پھر تم میں سے کوئی شخص تمہارا امام ہو جائے یہ اس صورت میں ہے جب کہ تمام مقتدی عمر اور فضیلت میں برابر ہوں، ورنہ جو امامت کا زیادہ اہل ہوگا اس کو امام بنا دیا جائے گا۔

فاذا کبر فکبروا: یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ امام کی موافقت لازم ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہیں سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو تمام تکبیرات میں امام کی تکبیرات سے کچھ تاخیر کرنا چاہئے، اگر وہ امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین فقولوا آمین: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور سنیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہیں سے امام اور مقتدی کے آمین

کہنے میں مقارنت کا استحباب مستفاد ہورہا ہے، اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ امام کے لئے سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد آمین کہنا مستحب ہے، اور مقتدی سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے، اور مقتدی سے پہلے رکوع سے واپس بھی آجاتا ہے۔ لہٰذا امام اور مقتدی کی رکوع کی مقدار یکساں ہوجاتی ہے۔

و اذا قرأ فانصتوا: حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے خاموش کھڑا ہوگا، قراءت نہیں کرے گا۔

نماز میں قراءت کا ذکر

﴿۷۷۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّكْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْآیَةَ اَحْیَانًا وَیُطَوِّلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا یُطِیْلُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰكَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِی الصُّبْحِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۰۷/۱، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحة الکتاب، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۷۷۶۔ مسلم شریف: ۱۸۵/۱، باب القراءة فی الظهر والعصر، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۵۱۔

ترجمه: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت سنادیتے تھے، اور پہلی

رکعت جتنی لمبی کرتے تھے، دوسری رکعت اتنی لمبی نہیں کرتے تھے، اسی طرح عصر میں اور اسی طرح فجر میں کرتے تھے۔ (پہلی رکعت کے مقابلہ دوسری رکعت لمبی نہیں کرتے تھے۔)

تشریح: اس حدیث شریف میں چند باتیں خصوصیت سے بیان کی گئی ہیں۔

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر میں یعنی چار رکعت والی نماز میں شروع کی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی بھی قراءت فرماتے تھے، اور بقیہ دو رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

(۲)...... کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سری نمازوں میں بھی ایک آدھ آیت جہراً تلاوت کرنا بطور تعلیم کے ہوتا تھا، مقصود یہ تھا کہ مقتدی بھی جان لیں کہ سری نمازوں میں بھی قراءت ہے۔

(۳)...... شروع کی جن دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید سورتوں کی تلاوت ہوتی ہے ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عموماً دوسری رکعت کے مقابلہ میں دراز فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں۔

سورتین: مطلب یہ ہے کہ شروع کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کی تلاوت فرماتے تھے، مجموعی طور پر دو رکعتوں میں دو سورتیں ہو جاتی تھیں۔

احیاناً: سری نماز میں جہراً ایک آیت بھی سنانا نادر الوقوع عمل تھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ فاتحہ یا سورت کے بعض کلمات پڑھ کر سناتے تھے، (انہی بعض کلمات کے سنانے کو "الآیۃ" سے تعبیر کیا ہے) تا کہ علم ہو جائے کہ کون سی سورت تلاوت کی جارہی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سری نماز میں

آپ کا جہراً پڑھنا بغیر قصد کے تھا، یا بیان جواز کے لئے تھا، یا اس لئے تھا کہ لوگوں کو قراءت کا علم ہو جائے یا پڑھی جانے والی سورت کا علم ہو جائے۔

صاحب مرقاتؒ لکھتے ہیں کہ حافظؒ نے جہراً قراءت کی وجوہ میں سے ایک وجہ بیان جواز بیان کی ہے، ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سری نماز میں جہراً پڑھنا بیان جواز کے لئے نہیں ہو سکتا ہے، اس وجہ سے کہ امام پر جہری نمازوں میں جہر، سری نمازوں میں سر واجب ہے۔

ہاں بیان جواز سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ ایک یا دو آیتوں کا جہراً تلاوت کرنا اور بقیہ آیات کا سراً تلاوت کرنا سراً ہی شمار ہوتا ہے۔

ویطول فی الرکعۃ الاولیٰ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسری رکعت کے مقابلہ میں پہلی رکعت طویل رکھتے تھے، اس کی وجہ کے سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں نشاط زیادہ ہوتا ہے، تو خشوع وخضوع بھی زیادہ ہوگا، لہٰذا پہلی رکعت لمبی رکھی جائے گی، اس کے علاوہ رکعتیں ہلکی رکھی جائیں گی تا کہ اکتاہٹ نہ ہو۔

آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا حکم

آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شوافع وحنابلہ شروع کی دو رکعتوں کی طرح آخری رکعتوں میں بھی فاتحہ ضروری قرار دیتے ہیں، حنفیہ کے یہاں مشہور قول یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے۔

سری نمازوں میں جھراً قراءت: حدیث باب کے اندر راوی نقل کرتے ہیں، "**یسمعنا الآیۃ احیاناً**" سے معلوم ہوتا ہے کہ سری نماز میں کبھی کبھی ایک

آیت جہراً بھی تلاوت کرتے تھے۔

حنفیہ کے یہاں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً قراءت کرنا واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی پر مواظبت فرمائی ہے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص سری نماز میں جہر کرتا ہے یا جہری نماز میں سر کرتا ہے تو اگر یہ بھولے سے ہے تو واجب چھوٹنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، لیکن یہیں پر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر سری نماز میں جہراً یا جہری نماز میں سراً "مـا یجوز به الصلوة" کی مقدار سے کم ہے تو وہ معاف ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سری نمازوں میں جو جہر فرماتے تھے وہ "مـایـجـوز بـه الصلوة" کی مقدار سے کم تھا، لہٰذا ایسی صورت میں کوئی اشکال نہیں رہا، اور اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "مـایـجـوز بـه الـصلوة" کی مقدار تلاوت فرمائی تو یہ کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت فرمانے کا مقصد تعلیم تھا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کو تعلیم کی غرض سے زور سے کہا، جیسا کہ وائل بن حجرؓ کی روات گذر چکی ہے۔ "یـمـد بـه صـوتـه مـا اراه الا لیـعـلمنا" [آمین کہتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی آواز بلند کی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا مقصد ہمیں تعلیم دینا تھا] اسی طرح سری نماز میں آپ تعلیم کی غرض سے جہر فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

پہلی رکعت کی طوالت

حدیث باب کے الفاظ "کـان یـطـول فی الرکعة الاولیٰ" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی رکعت کو طول دیتے تھے۔ حدیث باب میں ظہر، عصر اور فجر کا تذکرہ ہے، بقیہ نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ پہلی رکعت کو

طول دینے کی جو علت ہے وہ مشترک ہے، یہ علت کیا ہے؟ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت جو کہ ابوداؤد میں ہے اس کی صراحت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "فظننا انه یرید بذلک ان یدرک الناس الرکعة الاولیٰ" [ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پہلی رکعت پالیں] یہی جمہور کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف فجر کی پہلی رکعت کو طول دیا جائے گا کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، دیگر نمازوں میں قراءت کے اعتبار سے پہلی اور دوسری رکعتوں کا طول برابر رہے گا۔

اور جن احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقاً پہلی رکعت لمبی ہوگی اس کی توجیہ امام صاحب یہ کرتے ہیں کہ رکعت اولیٰ میں ثناء تسمیہ وغیرہ کا اضافہ ہے، اس لئے وہ لمبی ہوتی ہے، ورنہ اصل قراءت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے: "کان یقرأ فی صلوة الظهر فی الاولیین فی کل رکعة قدر ثلثین آیة، وفی العصر فی الاولیین فی کل رکعة خمس عشر آیة" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں شروع کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر تلاوت فرماتے تھے، اور عصر کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں پندرہ آیتوں کی تلاوت فرماتے تھے۔]

حدیث بالا سے خوب اچھی طرح واضح ہوگیا کہ شروع کی دو رکعتوں میں قراءت کے اعتبار سے کمی بیشی نہیں ہے، البتہ فجر کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے۔

ظہر اور عصر میں قراءت کی مقدار

﴿۷۷۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِيْ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِيْنَ آيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِيْ الْاُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا فِيْ الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهٖ فِيْ الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِيْ الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۸۵/۱۸۶/۱، باب القراءۃ فی الظھر والعصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۵۲۔

حل لغات: نَحزرُ حزر (ن) حزارا اندازہ کرنا، تخمینہ لگانا۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے، چنانچہ ہم نے اندازہ لگایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں "الم تنزیل" کی قراءت کے بقدر قیام کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کی تلاوت کے بقدر قیام کرتے ہیں، اور آخری دو رکعتوں کے قیام کا ہم نے اندازہ لگایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے نصف کے بقدر قیام کرتے ہیں، اور ہم نے عصر کی نماز کی پہلی دونوں رکعتوں کے بارے میں اندازہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دونوں رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے بقدر قیام کرتے ہیں، اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں شروع رکعتوں کے نصف حصہ کے بقدر قیام کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہر اور عصر کی رکعتوں میں قیام کی مقدار کا ذکر ہے، حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں اتنی دیر قیام فرماتے تھے جتنی دیر سورۂ ''الٓم تنزیل السجدۃ'' کی تلاوت کی جاتی ہے، اور سورۂ سجدہ میں کل انتیس آیات ہیں، تو حاصل یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتیس (۲۹) آیات تلاوت کرنے کے بقدر کھڑے ہوتے تھے، اسی مفہوم کی وضاحت اس حدیث میں ہے۔ اور اوپر بھی مذکور ہوئی، یعنی ''کان یقرأ فی صلوۃ الظهر فی الاولیین فی کل رکعة قدر ثلثین آیة'' اور یہ تو ظہر کی شروع کی دو رکعت کا معاملہ تھا، آخر کی دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام شروع کی رکعتوں کے مقابلہ میں نصف ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی آخر کی رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی قراءت فرماتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا، جہاں تک عصر کی نماز کا معاملہ ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی شروع کی دو رکعت میں اتنی مقدار میں کھڑے ہوتے تھے، جتنی مقدار میں ظہر کی آخری دو رکعتوں میں کھڑے ہوتے تھے، اور عصر کی آخری دو رکعتوں کا قیام شرع کی دو رکعت کے قیام کا آدھا ہوتا تھا۔

نماز ظہر میں ''واللیل'' پڑھنے کا ذکر

﴿۷۷۲﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۸۷، باب القراءة فی الصبح، کتاب

الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۵۹۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں "واللیل اذا یغشیٰ" کی تلاوت فرماتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" قراءت فرماتے تھے، اور عصر میں بھی اس مقدار میں قراءت کرتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قراءت فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں کبھی "واللیل" پڑھتے تھے، کبھی "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھتے تھے، اور عصر کی نماز میں بھی ظہر کی نماز کے بقدر تلاوت کرتے تھے، جب کہ فجر میں زیادہ لمبی قراءت کرتے تھے۔

یہاں یہ بات مذکور ہے کہ ظہر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ "واللیل" کی قراءت فرماتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی روایات ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت کا ذکر ہے جس راوی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو سورت پڑھتے سنا روایت کیا ہے۔

قراءت مسنونہ

فقہاء احناف نے نمازوں میں قراءت کی مسنون مقدار بیان کی ہے، اس کے مطابق فجر اور ظہر کی نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد طوالِ مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "حجرات" سے سورۂ "بروج" تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں، عصر اور عشاء کی نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد اوساط مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "بروج" سے سورۂ "لم یکن" تک کی سورتیں اوساط مفصل کہلاتی ہیں، اور مغرب کی

نماز میں قصارِ مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "لم یکن" سے سورۂ "ناس" تک کی سورتیں قصارِ مفصل کہلاتی ہیں۔

نمازِ مغرب میں قراءتِ مسنونہ

﴿٧٧٣﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ١٠٥/١، باب الجهر فی المغرب، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ٧٦٥۔ مسلم شریف: ١٨٧/١، باب القراءة فی الصبح، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ٤٦٣۔

ترجمه: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: بالطور: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام معمول مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے پڑھنے کا تھا۔ سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "فكان يقرأ في الصبح بطوال المفصل وفي المغرب بقصار المفصل" لیکن اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھی، جو کہ طوالِ مفصل میں سے ہے، فتح الباری میں یہ بات لکھی ہے کہ ممکن ہے یہاں "بالطور" کا "ب" "من" کے معنی میں ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "عينا يشرب بها عباد الله" میں "بها" کا "ب" "من" کے معنی میں ہے۔

امام مالکؒ مغرب کی نماز میں طویل سورتوں کے پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جب کہ امام شافعیؒ اس کو مکروہ قرار نہیں دیتے ہیں، اور نہ مستحب قرار دیتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جو چیز حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو تو وہ مستحب ہوتی ہے، اور جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت نہیں فرمائی، لیکن جو چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو جائز کہیں گے، مکروہ نہیں کہیں گے، مغرب کی نماز میں طوال مفصل کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن مواظبت ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کو مستحب نہیں کہیں گے البتہ مکروہ بھی نہیں کہا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں کبھی کبھی طویل قراءت فرمائی ہے، اس کی وجہ یا تو بیان جواز ہے، یا پھر آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ مقتدیوں کو طویل قراءت میں مشقت نہیں ہوگی۔ بلکہ خوشی ہوگی۔

اس حدیث کے راوی جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات کرنے کے لئے تشریف لائے، مغرب کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ طور کی تلاوت فرمائی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت: "**ان عذاب ربک لواقع**" تلاوت فرمائی تو جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "**کانما صدع قلبی**" [میرا دل ریزہ ریزہ ہو گیا] اور جب "**ام خلقوا من غیر شیء**" سے "**المصیطرون**" تک سنا تو میرا حال یہ ہوا کہ "**کانما قلبی یطیر**" [ایسا لگتا تھا کہ میرا دل اڑ جائے گا] اور ایک روایت میں ہے: "**وذلک اول ما وقر الایمان فی قلبی**" یہ وہ پہلی چیز تھی جس نے میرے دل میں ایمان کو جاگزیں کر دیا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کافر و فاسق اپنے کفر اور فسق کے زمانہ کی سنی

ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں تو وہ معتبر ہوں گی، لیکن شرط یہ ہے کہ جس وقت وہ بیان کر رہے ہیں اس وقت ان کے اندر صفت عدالت موجود ہو۔

ایضاً

﴿۷۷۴﴾ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۵، باب القراءۃ فی المغرب، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۶۳۔ مسلم شریف: ۱/۱۸۷، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۶۲۔

ترجمه: حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ "والمرسلات عرفا" پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی مغرب کی نماز میں لمبی سورتیں تلاوت فرماتے تھے، اصل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کوفہ کے حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل، اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کا عمل اختیار کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ہدایت اس لئے دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول بھی اسی کے مطابق تھا، کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے

خلاف بھی کیا ہے۔

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ قال ان ام الفضل سمعتہ وھو یقرأ والمرسلات" [ام فضل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "والمرسلات عرفا" پڑھتے ہوئے سنا] ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سننے کے بعد کہا بیٹے تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے مجھے یہ بات یاد دلادی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے آخری مغرب کی نماز میں یہی "سورۃ والمرسلات" تلاوت فرمائی تھی۔

چونکہ "سورۃ والمرسلات" قصار مفصل میں سے نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں لمبی سورتیں پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کبھی کبھی لمبی سورتیں بھی پڑھ لینا چاہئے تاکہ اس سنت پر عمل بھی ہوتا رہے۔

امام مقتدی کی رعایت کے ساتھ قراءت کرے

﴿۷۷۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهُ قَوْمَهُ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ أَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَآتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأُخْبِرَنَّهُ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ

تَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَقَالَ مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰى، وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى، بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔
(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۹۸ / ۱، باب من شکی امامه اذا طول، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۰۵۔ مسلم شریف: ۱۸۷ / ۱، باب القراء ۃ فی العشاء، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۶۵۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر واپس آ کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے، ایک رات نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنی قوم میں تشریف لائے اور ان کی امامت کی، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ بقرہ کی قراءت شروع کی اتنے میں ایک صاحب نے سلام پھیر لیا اور انہوں نے تنہا نماز پڑھی اور چلے گئے، لوگوں نے ان صاحب سے کہا کہ کیا تم منافق ہو گئے ہو؟ وہ صاحب بولے نہیں، اللہ کی قسم میں منافق نہیں ہوں، میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ضرور جاؤں گا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع کروں گا، چنانچہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹوں والے ہیں، ہم دن کو محنت کرتے ہیں اور معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھی، پھر اپنی قوم میں واپس آئے، اور انہوں نے سورۂ بقرہ کی قراءت شروع کی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''کیا فتنہ میں ڈالنے والا ہے؟ اے معاذ! "والشمس وضحھا، والضحیٰ، واللیل اذا یغشیٰ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھا کرو۔''

تشــــریــــح: امام کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، اگر جماعت میں شامل لوگ کمزور سن رسیدہ اور ضرورت مند ہوں تو قراءت مختصر کرنا چاہئے، اگر کوئی امام مقتدیوں کی رعایت نہیں کرتا ہے، تو مقتدیوں کو خود امام سے اور اگر امام نہ مانے تو حکام بالا سے شکایت کرنے کا حق ہے، اور شکایت کرنا غیبت میں شمار نہ ہوگا۔

بخاری شریف میں اس حدیث سے پہلے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے اس میں یہ بات ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک امام کے بارے میں اسی قسم کی لمبی قراءت کرنے کی شکایت ملی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور فرمایا: "یــــا ایھاالذین ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیجوز فان خلفہ الضعیف والکبیر وذالحاجۃ" [اے لوگو! بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے تو اس کو اختصار ملحوظ رکھنا چاہئے۔]

کان معاذ ابن جبل یصلی مع النبی: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد نبوی میں عشاء کی نماز میں شرکت فرماتے تھے، پھر واپس اپنی قوم میں جا کر عشاء کی فرض نماز ادا فرماتے تھے۔

حدیث کے اس جزء سے یہ بحث چھڑتی ہے کہ کیا نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ادا کر سکتے ہیں؟ اس کو اصطلاح میں ''اقتداء المفترض خلف المتنفل'' کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''اقتداء المفترض خلف المتنفل''

جائز ہے، اور وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز ادا کر لی تو ان کا فریضہ ساقط ہو گیا، اب جب محلّہ والوں کی امامت کر رہے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ نفل ہی کی نیت کی ہوگی، جب کہ محلّہ والے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت میں شریک ہوئے ہوں گے، اس واقعہ کی اطلاع آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ہوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، معلوم ہوا "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز نہیں، امام صاحب کی دلیل حدیث "الامام ضامن" ہے، امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے، اور قاعدہ ہے کہ کوئی شی اپنے سے قوی چیز کو متضمن نہیں ہو سکتی، اس وجہ سے نفل پڑھنے والے امام کی نماز بھی فرض پڑھنے والے مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہو سکتی، کیونکہ فرض نماز نفل نماز سے قوی ہے۔

حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ فرض کی ادائیگی کی نیت کے ساتھ شریک ہوتے تھے، یا نفل کی ادائیگی کی نیت سے، یہ چیز بغیر نیت کرنے والے کے بیان کے تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہو سکتی؛ احتمال دونوں باتوں کا ہے، البتہ اگر نفل کی نیت مان لیں تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں رہے گا، لہٰذا یہی ماننا زیادہ بہتر ہے، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا اس وجہ سے کرتے تھے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء بھی حاصل ہو جائے اور جماعت کے ساتھ شامل ہو کر اپنے محلّہ میں نماز پڑھانے کا ثواب بھی مل جائے۔

عشاء کی نماز میں قراءت

﴿٧٧٦﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْعِشَاءِ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْہُ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۱۰۶/۱، باب القراءة فی العشاء، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۶۹۔مسلم شریف:۱۸۷/۱، باب القراءة فی العشاء، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۶۴۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں "سورة والتین والزیتون" پڑھتے ہوئے سنا، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی اچھی آواز والے کو نہیں سنا۔

تشریح: سورۂ والتین اوساط مفصل میں سے ہے، اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل میں شامل سورتوں کی تلاوت کرنا بہتر ہے، حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں مزید یہ بات کہی ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ دل کش آواز کسی کی نہیں سنی۔

اس حدیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "انہ علیہ السلام قال ما بعث اللہ نبیا قط الا بعثہ حسن الوجہ حسن الصوت، حتی بعث اللہ نبیکم فبعثہ حسن الوجہ وحسن الصوت" [اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی بھیجے سب کے سب حسین اور اچھی آواز والے ہوتے تھے اور تمہارے پاس جس نبی کو بھیجا وہ شکل وصورت میں حسین اور دل کش آواز والا ہے۔]

نماز فجر کی قراءت

﴿۷۷۷﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهٗ بَعْدُ تَخْفِيْفًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:١٨٧/١، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:٤٥٨۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر میں سورۂ "ق و القرآن المجید" اور اس جیسی سورت پڑھتے ہوئے سنا، اور فجر کی نماز کے علاوہ نمازیں ہلکی ہوتی تھیں۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں سورۂ "ق" اور اس کے مانند سورتیں بھی پڑھی ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز میں دیگر نمازوں کے بنسبت لمبی قراءت فرماتے تھے۔

کان یقرأ فی الفجر بقٓ و القرآن المجید: حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے بعد شروع دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت کم ہونے کی وجہ سے لمبی قراءت فرماتے تھے، پھر جب تعداد زیادہ ہوگئی اور ان میں بہت سے تجارت وزراعت سے وابستہ لوگ تھے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر مہربانی کرتے ہوئے لمبی قراءت میں تخفیف کردی، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ "ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس جیسے موقعہ پر لفظ "کان" دوام واستمرار کا فائدہ دیتا ہے، جیسے کہ اہل عرب کا قول ہے "کان حاتم یکرم الضیف" اس میں "کان" دوام کا معنی دے رہا ہے، بعض دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ عرف کے اعتبار سے دوام کا فائدہ دیتا ہے، اصل وضع کے اعتبار سے نہیں دیتا ہے، اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ ان احادیث میں "لفظ کان" استمرار کے لئے نہیں

ہے، یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کبھی فجر کی نماز میں "ق والقرآن المجید" اور اس کے مثل سورت پڑھی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل نہیں تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان "وکان الانسان عجولا" استمرار کے لئے نہیں ہے، اور اس طرح باری تعالیٰ کے فرمان "کیف نکلم من کان فی المهد صبیا" میں بھی "کان" استمرار کے لئے نہیں ہے۔

فجر کی نماز میں سورۂ اذا الشمس پڑھنا

﴿۷۷۸﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۶، باب القراءة فی الصبح، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۵۶۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث بھی سنی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دست شفقت بھی پھیرا ہے، اور برکت کی دعاء بھی دی ہے، یہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو فجر کی نماز میں "والليل اذا عسعس" یعنی سورۃ "اذا الشمس كورت" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، یہ سورت طوال مفصل میں سے ہے، اور فجر کی نماز میں طوال مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا افضل ہے، امام نوویؒ کی صراحت کے مطابق "سورۃ حجرات" سے "سورۃ بروج" تک طوال مفصل کی سورتیں ہیں۔

فجر کی نماز میں سورۂ مؤمنین کی تلاوت

﴿۷۷۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ١٨٦/١، باب القراءة فی الصبح، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۵۶۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز میں سورۂ "مومنین" کی تلاوت فرمائی، یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر آ گیا، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھانسی آ گئی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے۔

تشریح: سورۂ "مؤمنون" کی آیت "ثم ارسلنا موسیٰ واخاه هارون" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اور

"وجعلنا ابن مریم و امه" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی آیت جس میں حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ ہے، اس پر پہنچے، یا دوسری آیت جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اس پر پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ آپ کو کھانسی آنے لگی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت کی تکمیل نہیں کر سکے اور رکوع میں چلے گئے۔

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ السجدہ کی تلاوت

﴿۷۸۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی وَفِی الثَّانِیَةِ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۲/ ۱، باب مایقرأ فی صلوة الفجر یوم الجمعة. کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۱۔مسلم شریف: ۲۸۸/ ۱، باب مایقرأ فی یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۸۰۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں "الم تنزیل" اور دوسری رکعت میں "هل اتی علی الانسان" کی تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت اور دوسری رکعت میں بالترتیب "سورۂ سجدہ" اور "سورۂ دہر" پڑھی ہے، ان دونوں سورتوں کا جمعہ کے دن پڑھنا مستحب

ہے، لیکن کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہئے تا کہ ان دونوں سورتوں کے پڑھے جانے کا وجوب ظاہر نہ ہو۔

جمعہ کے دن ان سورتوں کے پڑھنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان سورتوں میں جنت و جہنم اور ان کے اہل کا تذکرہ ہے، اور قیامت کے احوال کا بیان ہے، اور یہ سب جمعہ کے دن ہی ہونا ہے۔

جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ کی تلاوت

﴿۷۸۱﴾ وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَلَی الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰی مَكَّةَ فَصَلّٰی لَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِی السَّجْدَةِ الْاُوْلٰی وَفِی الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲۸۷/ ۱، باب مایقرأ فی صلوة الجمعة. كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۷۷۔

ترجمه: حضرت عبید اللہ بن ابو رافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ کا خلیفہ مقرر کیا، اور خود مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہو گیا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی، چنانچہ انہوں نے پہلی رکعت میں (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ جمعہ کی تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں سورۂ "اذا جاء ک المنافقون" کی تلاوت فرمائی، پھر انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ "اذا جاءک المنافقون" کی تلاوت سنی تھی؛ لہٰذا جب مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جمعہ کی نماز میں ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔

السجدة الاولی: سجدہ اولیٰ سے مراد پہلی رکعت ہے۔

نماز جمعہ میں "سورۂ جمعہ" اور "سورۂ منافقون" پڑھنے کی حکمت

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مذکورہ بالا دونوں سورتوں کا جمعہ کی نماز میں پڑھنا مستحب ہے، حکماء نے کہا ہے کہ سورۂ جمعہ پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں نماز جمعہ کے وجوب اور اس کے علاوہ دیگر احکام موجود ہیں، اسی کے ساتھ اس میں توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب ہے، اور سورۂ منافقون پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ کے دن اکثر منافق حاضر ہوتے ہیں، اس سورت کے پڑھنے سے منافقوں کو تنبیہ بھی ہوگی، اور وہ اپنے بارے میں وارد شدہ دھمکیوں سے سبق لیں گے، اس حدیث اور دیگر احادیث کے سامنے رکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون یا پھر پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور دوسری رکعت میں "ھل اتٰک" یا پھر پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں "ھل اتٰک حدیث الغاشیة" پڑھنا بہتر ہے، یہ تینوں طریقے ثابت شدہ ہیں، اور باعث ثواب ہیں۔ (فتح الملہم: ۲/۴۱۹)

نمازعیدوجمعہ میں قراءت مسنونہ

﴿۷۸۲﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَفِى الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِى يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِى الصَّلَاتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۸۸/۱، باب مایقرأ فی صلوة الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۷۸۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیة" کی تلاوت فرماتے تھے، اور جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہوجاتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی عیدین اور جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور دوسری رکعت میں "ھل اتاک حدیث الغاشیة" تلاوت فرماتے تھے، اور جمعہ اور عیدین میں سے عید ایک ہی دن ہوجاتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں مذکور سورتیں پڑھ لیا کرتے تھے، یہاں جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیة" پڑھنے کا ذکر ہے، جب کہ ماقبل کی حدیث میں جمعہ کی نماز میں سورۂ منافقون پڑھنے کا تذکرہ تھا، معلوم ہوا

کہ حدیث باب میں جن سورتوں کا ذکر ہے ان کو پڑھتے تھے، اور کبھی ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کا ماقبل کی حدیث میں ذکر ہے، اور کبھی ان کے علاوہ سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

قرأ بهما في الصلوتين: اس جزء سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ عیدین کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھنا مستحب ہے، جب کہ اگلی حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور "اقتربت الساعة" کی تلاوت فرماتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑتا تو آپ تخفیف کی بناء پر حدیث باب میں موجود سورتیں پڑھتے تاکہ مدینہ کے عوالی سے جو لوگ آئے ہیں اور ان کو جمعہ پڑھ کر اپنے گھروں کو لوٹنا ہے ان کے حق میں تخفیف ہو سکے، اور وہ لوگ بسہولت گھر پہونچ کر بقیہ دن اپنے اہل وعیال کے ساتھ گذاریں، اور جب عید جمعہ کے دن کے علاوہ ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور "اقتربت الساعة" پڑھتے تھے، لیکن یہ پڑھنا التزام کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔

عید کی نماز میں سورۂ "ق" پڑھنا

﴿۷۸۳﴾ وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَأَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ١/٢٩١، باب مايقرأ في صلوة العيدين،

کتاب العیدین، حدیث نمبر:۸۹۱۔

ترجمہ: حضرت عبید اللہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا قراءت فرماتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۃ "ق والقرآن المجید" اور سورۃ "اقتربت الساعة" کی قراءت کرتے تھے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ عیدین کی نماز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کونسی سورتیں قراءت فرماتے تھے؟ سوال کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب سے واقف نہیں تھے، کیونکہ بارگاہ نبوت میں جو قرب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھا، سوال کرنے کی غایت یہ تھی کہ سامعین سوال سن کر اپنے ذہن بیدار کریں اور جواب کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں سورۃ "ق والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعة" کی تلاوت فرماتے تھے۔

سال ابا واقد اللیثی: حضرت ابو واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام معلوم نہیں، اور نہ ان کے والد کا نام معلوم ہے، یہ بات ابن الملک نے کہی ہے، تقریب میں یہ بات مذکور ہے کہ ابو واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیؓ ہیں، کہا گیا ہے کہ ان کا نام حارث بن مالک ہے، اور کہا گیا کہ یہ ابن عون ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عون بن حرث ہیں۔

اس جگہ یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ حدیث کے راوی حضرت عبید اللہؒ کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات نہیں ہے، لیکن یہ حدیث دوسرے موقعہ پر بلا شک وشبہ صحیح

متصل مذکور ہے، مسلم شریف میں ہے: "عن عبید اللہ عن ابی واقد قال سألنی عمر بن الخطاب" اس حدیث میں "عبید اللہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ابو واقد لیثی کا واسطہ ہے، لہٰذا یہ حدیث متصل ہوئی۔

فجر کی سنت میں قراءت مسنونہ

﴿۷۸۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِیْ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلوة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دونوں رکعتوں میں "قل یا ایها الکافرون" اور "قل هو الله احد" پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں فجر کی سنتوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ذکر ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں "قل یا ایها الکافرون" اور "قل هو الله احد" پڑھتے تھے؛ لیکن یہ عمل دائمی نہ تھا۔ بلکہ کبھی اس کے علاوہ دیگر آیات بھی پڑھنے کا معمول تھا، جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

رکعتی الفجر: صاحب مرقاۃ نے فجر کی دو رکعتوں سے یہاں نماز فجر سے پہلے جو دو سنتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مراد لی ہیں، اور یہ کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دونوں رکعتوں میں مذکورہ بالا دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۹۵)

قل هو الله احد: صاحب فتح الملہم لکھتے ہیں کہ "قل هو الله احد" اور "قل یا ایها الکافرون" دونوں کو سورۂ اخلاص کہا جاتا ہے، اس وجہ سے کہ یہ سورۂ کافرون توحید عملی کے بیان پر مشتمل ہے؛ جب کہ "قل هو الله" توحید علمی اعتقادی کے بیان پر مشتمل ہے، علامہ زرقانیؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں میں توحید کا بیان ہے، پہلی سورت میں شرک سے نفی ہے، جب کہ دوسری صورت میں الوہیت کا اثبات ہے۔ (فتح الملہم: ۲/۲۸۲)

فائدہ: وتر کے بعد کی نفلوں میں بھی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور فجر کی سنتوں میں بھی حکمت اس میں یہ ہے کہ دن کے اعمال کی ابتداء اور رات کے اعمال کی انتہاء دونوں شرک سے بیزاری اور توحید خالص پر ہو۔ فقط

نماز میں سورت کے درمیان سے پڑھنا

﴿۷۸۵﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ آلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۱، باب استحباب سنة الفجر، کتاب صلوة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنت کی دونوں رکعتوں میں "قولوا آمنا باللہ الخ" [تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ان پر الخ] اور سورۂ آل عمران کی آیت "قل یا اھل الکتاب الخ" [تم کہہ دو اے اہل کتاب آ! ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں] تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی فجر کی سنتوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت کا تذکرہ ہے؛ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں کبھی ان آیات کی تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ درمیان سورت سے پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں میں خاص طور پر ان دونوں آیات کی تلاوت کی وجہ یہ تھی کہ ان آیات میں ایمان اور توحید خالص کا ذکر ہے، مقصد یہ تھا کہ دن کی شروعات ایمان وتوحید کے اعتراف واقرار سے ہو۔

الفصل الثانی

بسم اللہ سے قراءت کی ابتداء

﴿۷۸۲﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلٰوتَهٗ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَالِكَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۵۷، باب من رأی الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۴۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کرتے تھے۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے یعنی قوی نہیں ہے۔

تشریح: حدیث باب میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے قراءت کی ابتداء کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "الحمد للہ رب العالمین" سے قراءت شروع کرتے تھے، دونوں طرح کی حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے، جہاں "الحمد للہ" سے نماز کی ابتداء کا تذکرہ ہے، وہاں مراد یہ ہے کہ جہراً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت کی ابتداء "الحمد للہ" سے فرماتے تھے، اور جہاں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "بسم اللہ" سے ابتداء فرماتے تھے، وہاں یہ مراد ہے کہ جہراً "الحمد للہ" کی ابتداء سے قبل سراً یعنی آہستہ سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھتے تھے۔

یفتتح صلوتہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کا آغاز "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے فرماتے تھے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہاں مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "الحمد للہ" سے پہلے آہستہ سے "بسم اللہ" پڑھی تاکہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو، جن میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز "الحمد للہ" سے شروع کی۔

اشکال مع جواب

اشکال: یہاں پر آہستہ سے بسم اللہ کی قید لگانا خلاف ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں مطلق

اس کا تذکرہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ سے نماز شروع کی، آہستہ کی قید حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

جواب: خلاف ظاہر ضرور ہے، لیکن اس کا ارتکاب اس لئے کیا تا کہ دونوں حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے۔

بلند آواز سے آمین کہنا

﴿۷۸۷﴾ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقَالَ آمِیْنَ مَدَّبِہَا صَوْتَہٗ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۵۷، باب ماجاء فی التامین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۴۸۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۳۵، باب التامین وراء الامام، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۹۳۲۔ دارمی: ۱/۳۱۵، باب الجھر بالتامین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۲۴۷۔ ابن ماجہ شریف: ۶۱، باب الجھر بآمین، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۵۵۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین" کی قراءت فرمائی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کہا اور اس کے ساتھ آواز کو بلند فرمایا۔

تشریح: ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مکمل ہونے کے معاً بعد امام، منفرد، مقتدی سب کو آمین کہنا چاہیے، اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''آمین'' زور سے کہنا چاہئے، حنفیہ کا کہنا ہے کہ آمین آہستہ سے کہنا چاہئے، حنفیہ حدیث باب جیسی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زور سے آمین کہنا تعلیم امت کے لئے تھا، یعنی اس لئے تھا تا کہ لوگ جان لیں کہ ''ولا الضآلین'' کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔

جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سورۂ فاتحہ کے بعد ''ولا الضآلین'' کہنا سیکھ لیا تو پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آہستہ سے ہی آمین کہنے لگے، یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نماز میں چار چیزیں وہ ہیں جن میں امام اخفاء کرے گا۔(۱)اعوذ باللہ. (۲)بسم اللہ. (۳)سبحانک اللھم. (۴)آمین. مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حدیث نمبر: ۷۶۸۔

آمین کہنے کی فضیلت

﴿۷۸۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ زُهَیْرٍ النُّمَیْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِیْ الْمَسْاَلَةِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَیِّ شَیْءٍ یَخْتِمُ قَالَ بِآمِیْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۳۵/۱، باب الناس وراء الامام، کتاب

الصلوۃ، حدیث نمبر: ۹۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوزہیر نمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک رات حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو ہم ایک آدمی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بہت زیادہ گڑگڑا کر دعاء مانگ رہا ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر اس نے مہر لگا دی تو واجب کرلیا'' لوگوں میں سے ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کس چیز کے ساتھ مہر لگادی؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آمین'' کے ساتھ۔

تشـــریـح: اس حدیث شریف میں دعا کے اختتام پر آمین کہنے کی فضیلت کا ذکر ہے، اگر کوئی شخص دعاء مانگنے کے بعد آمین کہہ لے گا تو اس کی دعاء قبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما کر اس کو جنت عطاء فرمائیں گے۔

ذات لیلۃ: رات کا حصہ مراد ہے۔

قد الح فی المسئلۃ: یعنی دعا کرنے اور مانگنے میں بہت الحاوزاری کر رہا تھا۔

اوجـــب: یعنی اپنے لئے جنت کو واجب کرلیا، یعنی جب اس شخص نے دعاء کے بعد آمین کہا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، یا گناہوں کی مغفرت واجب ہوگی، یا دعاء کا قبول ہونا واجب ہوگیا۔

واجب ہونے کا مطلب

یہ بات عقیدہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، اللہ کے فضل کے بھروسے اللہ کے وعدے کی بناء پر کہی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے

وعدے کے خلاف نہیں کرتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو مطیع کو عذاب دے۔ اور نافرمان کو عمدہ بدلے دے، اس وجہ سے کہ اگر اللہ کے لئے مطیع کو ثواب دینا اور نافرمانوں کو عذاب دینا حقیقتاً واجب قرار دیا جائے کہ اس کے خلاف ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا مجبور ہونا لازم آئے گا، اور یہ باطل ہے۔

دعاء پر آمین کہنا

حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دعاء کرنے والے کے لئے دعا کے اختتام پر اختتام پر آمین کہنا مستحب ہے، اگر امام دعاء کر رہا ہے اور لوگ اس کی دعاء پر آمین کہہ رہے ہیں تو پھر امام کو آمین کہنے کی حاجت نہیں ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام کو بھی آمین کہنا چاہئے، یہ حضرات نماز پر قیاس کرتے ہیں کہ امام دعاء بھی کرتا ہے آمین بھی کہتا ہے، ساتھ میں مقتدی بھی آمین کہتے ہیں، اسی طرح دعاء بھی ہونا چاہئے۔

مغرب میں طویل قراءت

﴿٧٨٩﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْأَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِیْ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ١١٤/١، باب القراءة فی صلوة المغرب، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ٩٩٠۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کی تلاوت فرمائی اور اس کو دو رکعتوں میں بانٹ دیا۔

تشریح: مغرب کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عموماً مختصرا قراءت فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی بیان جواز کے لئے طویل قراءت بھی فرماتے تھے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہی عمل مذکور ہے، جو کبھی کبھی کا تھا، مغرب کی نماز میں جائز تو طویل قراءت بھی ہے، لیکن ''قصار مفصل'' یعنی سورۂ لم یکن سے لیکر سورۂ ناس'' تک کی سورتوں کی تلاوت افضل ہے۔

فائدہ: (۱) حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مغرب میں طویل قراءت بھی جائز ہے۔
(۲)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سورت کو دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھنا بھی جائز ہے۔

فجر کی نماز میں معوذتین کی قراءت

﴿۷۹۰﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهٗ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِيْ يَا عُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِيْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِيْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَاَيْتَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: مسند احمد: ۱۴۹/۱۵۰/۴، نسائی شریف: ۱۱۱/۱،

باب الفضل قراءۃ المعوذتین، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر:۹۵۲۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا، تو مجھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عقبہ! کیا میں تم کو دو بہترین سورتیں نہ سکھلاؤں، جو پڑھی گئی ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس'' سکھلائی، حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ان دو سورتوں سے بہت زیادہ خوش نہیں ہوا ہوں چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے اترے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز فجر پڑھانے میں ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی، پھر جب نماز سے فارغ ہوگئے، تو میری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: اے عقبہ! تم نے کیسا دیکھا؟

تشریح: تاریک رات میں سفر کرنے کی وجہ سے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کچھ ہیبت طاری تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے معوذتین جیسی دو عظیم سورتیں سکھلائیں، تاکہ ان سورتوں کی تلاوت کی وجہ سے ان پر جو ہیبت طاری ہے وہ ختم ہو جائے، یہ سورتیں اگرچہ مختصر ہیں، البتہ ان کا نفع عظیم ہے، لیکن الفاظ کے اختصار کی وجہ سے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورے طور پر ان سورتوں کی عظمت کو نہیں سمجھ پائے، جس کی بنا پر ان کو خوشی بہت زیادہ نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت کچھ نہیں فرمایا، لیکن صبح کے وقت جب پڑاؤ کیا، تو فجر کی نماز میں معوذتین کی تلاوت کر کے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اب تم نے ان سورتوں کی عظمت کو سمجھا؟ فجر کی نماز میں طویل قراءت افضل ہے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین کی عظمت کی بناء پر ان ہی کو تلاوت کیا، اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سمجھایا کہ اگر یہ سورتیں اتنی عظمت والی

نہ ہوتیں تو میں ان کو فجر میں تلاوت نہ کرتا۔

الا اعلمک: یوں تو سارا قرآن شریف خیر ہے، لیکن حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت کی حالت کے اعتبار سے یہ سورتیں بے حد مفید تھیں، اس لئے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو "خیر سورتین" فرمایا، سفر وغیرہ میں شریر لوگوں اور دیگر مخلوق جنات وشیاطین وغیرہ اور موذی جانوروں وغیرہ کے شر سے نجات کے لئے اس سورت کی تلاوت بے حد نفع بخش ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ پورے قرآن کریم میں "استعاذہ" کے باب میں معوذتین سے بہتر کوئی سورت نہیں ہے۔

مغرب میں "قل یا ایہا الکافرون" کی تلاوت

﴿۷۹۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ (رواه في شرح السنة) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ۔

حوالہ: بغوی فی شرح السنة: ۳/۸۱، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۶۰۵۔ ابن ماجہ شریف: ۶۰، باب القراءۃ فی المغرب، کتاب اقامة الصلوة و السنة فیها، حدیث نمبر: ۸۳۳۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات میں مغرب کی نماز میں "قل یا ایها الکافرون" اور "قل

ھو اللہ احد" کی تلاوت فرماتے تھے۔(شرح البغوی)

ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے؛ لیکن اس میں "لیلة الجمعة" کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔

تشــریـح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی جمعہ کی شب میں نماز مغرب میں مذکورہ سورت تلاوت فرماتے تھے، یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کبھی کبھی کا معمول ہے، دائمی عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ نہیں تھا، اور راوی کے بیان کا مقصد بھی دائمی عمل بتانا نہیں ہے۔

صلوة المغرب: مغرب کی فرض نماز مراد ہے، سنت مراد ہونے کا بھی احتمال ہے۔

ایک رکعت میں "قل یا ایھا الکافرون" پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے، لفظ "کان" کی وجہ سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی معمول نہیں تھا، اور "کان" یہاں پر استمرار کے لئے نہیں ہے۔

فجر و مغرب کی سنتوں میں قراءت مسنونہ

﴿۷۹۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَا أُحْصِيْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ (رواہ الترمذی) وَرَوَاهُ ابْنُ

مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یُذْکَرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۹۸/ ۱، باب ماجاء فی الرکعتین بعد المغرب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۳۱۔ ابن ماجہ شریف: ۸۱، باب مایقرأ فی الرکعتین بعد المغرب، کتاب اقامة الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۱۶۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس تعداد کو شمار نہیں کر سکتا جس تعداد میں میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد کی دو رکعتوں اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں "قل یا ایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا۔ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں "بعد المغرب" کے الفاظ نہیں ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز فجر سے قبل کی دو سنتوں اور نماز مغرب کے بعد کی سنتوں میں سورۂ اخلاص اور "قل یا ایھا الکافرون" کی تلاوت کثرت سے فرماتے تھے، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کر رہے ہیں کہ میں نے اتنی زیادہ تعداد میں ان سورتوں کو مذکورہ نماز میں پڑھتے سنا کہ اس تعداد کو شمار نہیں کر سکتا۔

حکمت: یہ دونوں سورتیں شرک سے بیزاری، توحید و الوہیت کے مضامین پر مشتمل ہیں، فجر کی سنتوں اور مغرب کے بعد سنتوں میں ان کو پڑھنا اس لئے ہے تاکہ دن کی ابتداء اور دن کی انتہاء دونوں شرک سے بیزاری اور توحید و الوہیت کے اقرار و اعتراف پر ہو۔ فقط واللہ اعلم

نماز میں قراءت مسنونہ

﴿۷۹۳﴾ وَعَنْ سُلَیْمَانَ ابْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ

تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهٗ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ۔ (رواه النسائی) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

حوالہ: نسائی شریف: ۱۱۳/۱، باب تخفیف القیام و القراءۃ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۸۱، ابن ماجہ شریف: ۵۹، باب القراءۃ فی الظہر والعصر، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۲۷۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے کسی بھی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے فلاں شخص سے زیادہ مشابہ ہو، حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی، چنانچہ وہ ظہر کی شروع کی دو رکعتیں لمبی کرتے تھے، اور اخیر کی دو ہلکی کرتے تھے۔ اور عصر بھی وہ ہلکی پڑھتے تھے، مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں اوساط مفصل پڑھتے، اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے۔ (نسائی) ابن ماجہ نے اس روایت کو "یخفف العصر" تک نقل کیا ہے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے، اور یہ مشابہت نماز میں قراءت کی مقدار کی وجہ سے ہے۔

سلیمان بن یسار: بہت بڑے تابعی ہیں۔

من فلان: فلاں سے کون مراد ہے، ایک قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں، ابن عبدالملک نے اسی کو نقل کیا ہے، ایک قول ہے "فلاں" سے مراد عمر بن سلمہ بن نفیع ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ عمر بن العزیز مراد ہیں، علامہ طورپشتی کہتے ہیں کہ عمر ابن العزیز کو مراد لینا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ عمر بن عبدالعزیز کی ولادت ٦١ھ میں نقل کی جاتی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۹/۵۸/۵۷ھ میں سے کسی میں علی اختلاف الاقوال ہوئی ہے۔ لہٰذا عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے نماز پڑھنا ناممکن ہے، البتہ اس مضمون کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آگے باب الرکوع میں فصل ثالث میں آرہی ہے، اس میں فلاں شخص کی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نام سے صراحت ہے، اور یہ درست بھی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ٩١ھ میں ہوئی ہے، وہ روایت یہ ہے: "**انس بن مالک یقول ما صلیت وراء احد بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشبہ صلوۃ بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من هذا الفتی یعنی عمر بن العزیز**.

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جتنے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے اس نوجوان یعنی عمر بن العزیز کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔

فائدہ: حدیث سے فجر میں طوال مفصل، عشاء میں اوساط مفصل، مغرب میں قصار مفصل کی قراءت کا مسنون ہونا معلوم ہوا۔

قراءت فاتحہ خلف الامام

﴿۷۹۴﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ لَاتَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ (رواه ابوداؤد والترمذي) وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاؤُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَؤُا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۱۱۹/ ۱، باب من ترك القراءة، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۸۲۳۔ ترمذی شريف: ۶۹، ۷۰/ ۱، باب ماجاء في القراءة خلف الامام، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۱۱۔ نسائی شريف: ۱۰۶/ ۱، باب قراءة ام القرآن، كتاب الافتتاح، حدیث نمبر:۹۱۹۔

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ رہے تھے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءۃ کی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قراءت کرنا دشوار ہوگیا، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ شاید اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا مت کیا کرو البتہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو، اس لئے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

نسائی نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہی وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وجہ سے میں کہہ رہا تھا کہ مجھے کیا ہوگیا جو قرآن مجھ سے جھگڑ رہا ہے، تو جب میں بلند آواز سے قراءت کروں تو تم لوگ سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ مت پڑھا کرو۔

تشریح: کنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شروع میں اپنے اختیار سے امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دریافت کیا، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قراءت خلف الامام کا اقرار کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا۔

الا بفاتحۃ الکتاب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو مطلقاً قراءت سے منع فرمادیا، لیکن سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اجازت فرمانا، شروع دور میں تھا، جب قرآن مجید کی آیت "واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" [جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو] نازل ہوئی تو سورۂ فاتحہ کی قراءت کا جواز بھی ختم ہوگیا۔

لاصلوۃ لمن لم یقرأھا: سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہاں اصل نماز کی نفی نہیں، بلکہ کمال صلوۃ مراد ہے، یعنی اگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے تو نماز کامل نہیں ہوگی، چنانچہ ترمذی میں روایت ہے: "من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام" [جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی تو اس کی نماز ناقص اور ناتمام ہے] معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ترک ہونے سے کمال صلوۃ فوت ہوتا ہے،

لیکن صلوۃ ہوجاتی ہے، حدیث باب کا یہ جزء امام ومنفرد سے متعلق ہے، مقتدی سے متعلق نہیں ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں صراحت ہے: "من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصلی الا ان یکون وراء الامام" [جس شخص نے سورۂ فاتحہ کے بغیر رکعت پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی، الایہ کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو۔]

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت

﴿٧٩٥﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِیْ اَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَهَرَ فِیْهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه مالك واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی) وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ: ۲۹/ ۳۰، باب ترک القراءة خلف الامام، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۴۔ مسند احمد: ۲/۲۴۰، ابوداؤد شریف: ۱/۱۱۹، باب من ترک القراءة بفاتحة الکتاب اذا جهر، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۸۲۶۔ ترمذی شریف: ۱/۷۱. باب کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۱۲۔ نسائی شریف: ۱/۱۰۶، باب ترک القراءة خلف الامام، کتاب

الافتتاح، حدیث نمبر:۹۱۸۔ابن ماجه شریف: ۱ ۲، باب اذا قرء الامام فانصتوا، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر:۸۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہراً قراءت فرمائی تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قراءت کی ہے؟ تو ایک صاحب بولے جی ہاں اے اللہ کے رسول! حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تب ہی تو میں کہوں کہ مجھے کیا ہوا کہ قرآن مجھ سے جھگڑ رہا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو ان نمازوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہر قراءت فرماتے تھے۔ (مالک، احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی) ابن ماجہ نے بھی اس کے مثل نقل کیا ہے۔

تشریح: فانتهى الناس عن القراءة: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہری نماز میں قراءت سے رک گئے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد مطلق قراءت کی ممانعت ہوگئی تھی، یعنی اس کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہری نمازوں میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور نہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے، اور یہ حدیث گذشتہ حدیث کے لئے ناسخ بھی ہوجائے گی، جس سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے، بعض قراءت خلف الامام کے قائل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے جہری نمازوں میں قراءت کی ممانعت ثابت ہوئی، سری میں بدستور قراءت خلف الامام کی اجازت ہے، اس کے جواب

میں حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: جیسا کہ الکوکب الدری میں ہے کہ چونکہ نماز کی ابتداء صلوۃ اللیل سے ہوئی تھی، شروع میں صرف وہی فرض تھی، جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قراءت کے عادی ہو چکے تھے، اس کے بعد جب صلوات خمسہ کی فرضیت ہوئی تو استصحاب حال کے طور پر فرائض میں خلف الامام بھی وہ قراءت کرتے رہے، اس اثناء میں آیت کریمہ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" کا نزول ہوا، اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز عمل مختلف ہو گیا، بعض حضرات نے تو قراءت خلف الامام کو مطلقاً ترک کر دیا، لیکن بعض حضرات ثواب کی حرص میں "لاحـــــراز الفضیلتین" سکتات الامام میں اپنی رائے واجتہاد سے قراءت فرماتے رہے، اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے رہے اس کی دلیل روایات میں موجود ہے۔

مثل قوله قل قرأ معی احد منکم: اب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اس قراءت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قراءت میں خلجان واقع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس قراءت سے منع فرمایا، ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ سورۂ فاتحہ چونکہ سب کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے، شاید اس میں منازعت اور التباس نہ ہو، صرف اس کی قراءت کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، اور کچھ روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کی قراءت سے بھی منازعت ہوئی ہے تب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا، لیکن صرف جہری نمازوں میں جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، جو صلوۃ صبح کے قصہ میں ہے: "**فانتهى الناس عن القراءة فيها جهر فيه الامام**" اور اب صرف سری نمازوں مین ہے، حاصل یہ کہ اس سلسلہ میں بتدریج نسخ واقع

ہوا اور آخر الامر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمادیا "من کان له امام فقرأة الامام قرأة له قرأة" اور ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "واذا قرء فانصتوا"

نماز میں قراءت قرآن میں تدبر کرنا

﴿۷۹٦﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَالْبَيَاضِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّيْ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ فَلْيَنْظُرْ مَايُنَاجِيْهِ وَلَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔ (رواہ احمد)

حواله: مسند احمد: ۲/٦۷.

ترجمه: حضرت ابن عمر اور حضرت بیاضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے تو اس کو جس چیز کے ذریعہ سے مناجات (سرگوشی) کر رہا ہے اس میں غور کرنا چاہئے، اور تم میں سے کوئی قرآن پڑھنے میں اپنی آواز کو ایک دوسرے پر بلند نہ کرے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ نماز کے دوران جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن میں تدبر کرنا چاہئے کیونکہ نماز کے دوران اور خاص طور پر جب انسان قراءت کرتا ہے تو یہ قراءت درحقیقت رب العالمین سے سرگوشی ہے، لہٰذا جو سرگوشی کر رہا ہے، تو اسے غور کرنا چاہئے، اور جس کو قرآن کے معنی معلوم نہیں اس کو تمام انہماک کے ساتھ تلاوت قرآن سننا چاہئے، تلاوتِ قرآن کے وقت ایک دوسرے پر سبقت لینے کے لئے زور سے تلاوت نہ کرنا چاہئے۔

ان المصلی یناجی ربہ: نمازی دوران نماز اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے قرب معنوی سے کنایہ ہے اس وجہ سے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے۔

فلینظر ماینا جیہ: تو اللہ تعالیٰ سے جو سرگوشی کررہا ہے یعنی ذکرو واذکار اور تلاوت قرآن سب میں غور وفکر اور تدبر کرنا چاہئے، ممانعت نماز کے اندر اور نماز کے باہر دونوں میں ہے، اس بات پر تو امت کا اتفاق ہے کہ مقتدی کے لئے زور سے تلاوت قرآن کرنا مکروہ ہے، اگر چہ وہ امام کی قراءت نہ سن رہا ہو۔

قراءت خلف الامام کی ممانعت

﴿۷۹۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔ (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجة)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۸۹/ ۱، باب الامام یصلی من قعود، کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۶۰۴۔ نسائی شریف: ۱۰۷/ ۱، باب بتاویل قولہ عز وجل واذا قرء القرآن الخ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۲۱، ابن ماجہ شریف: ۶۱، باب اذا قرء الامام فانصتوا، کتاب اقامة الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''امام اس وجہ سے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے، تو امام جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو، اور جب قراءت کرے تو تم لوگ

خاموش رہو۔"

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ امام جوں ہی تکبیر سے فارغ ہو مقتدیوں کو بھی تکبیر کہنا چاہئے، مقتدیوں کو امام سے پہلے تکبیر نہ کہنا چاہئے، اور امام جب قراء ت کرے تو خواہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔

لیؤتم بہ: امام تو اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کیجائے۔

فاذا کبر فکبروا: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ امام جب تکبیر کہے اس کے بعد مقتدی تکبیر کہے، نہ تو امام کے ساتھ تکبیر کہے، اور نہ ہی امام سے پہلے تکبیر کہے، اور یہ چیز تکبیر تحریمہ میں واجب ہے، اس وجہ سے کہ اگر تابع متبوع سے آگے بڑھا جارہا ہے تو وہ تابع ہوگا ہی نہیں، اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیرات میں امام کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، بقیہ تکبیرات میں امام کے بعد تکبیر کہنے کو مقتدی کے حق میں مستحب اس لئے قرار دیا گیا کہ تکبیر تحریمہ کی وجہ سے تابع ہو گئے، اور اگر تکبیرات میں مقارنت ہو رہی ہے تو یہ تابع ہونے کے خلاف نہیں ہے۔

فانصتوا: یہاں مطلب یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو، امام بلند آواز سے قراءت کرے یا آہستہ آواز سے دونوں صورتوں میں مقتدی کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ خاموش رہے، اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: "**واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا**" یعنی جب امام جہراً قراءت کرے تو خاموش رہ کر سنو! اور جب سراً تلاوت کرے تو خاموش رہو! ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کی جائے گی۔

قراءت سے عاجز شخص کیا پڑھے

﴿٧٩٨﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَایُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا لِلّٰهِ فَمَاذَا لِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰکَذَا بِیَدَیْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ یَدَیْهِ مِنَ الْخَیْرِ۔ (رواه ابوداؤد) وَانْتَهَتْ رِوَایَةُ النَّسَائِیِّ عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ١٢١/١، باب مایجزی الامی، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ٨٣٢۔ نسائی شریف: ١٠٧/١، باب مایجزئ من القراءة لمن لایستحسن القرآن، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ٩٢٣۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا "میں قرآن میں سے کچھ پڑھنا سیکھوں یہ میرے بس میں نہیں ہے، مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم دیجئے جو میرے لئے کافی ہوجائے" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم یہ دعا پڑھا کرو: "سبحان الله الخ" اللہ کی ذات پاک ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، کوئی حالت نہیں اور نہ کوئی طاقت مگر اللہ ہی کی طرف سے ہے،" اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، میرے

لئے کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم یہ دعا پڑھو "اللھم ارحمنی" اے اللہ مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت عطا فرما، مجھ کو سیدھا راستہ عطا فرما، اور مجھ کو روزی عطا فرما، چنانچہ اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اوران کو بند کرلیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لئے۔

(ابو داؤد) اور نسائی کی روایت میں یہ حدیث "الا باللہ" کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح: ایک شخص نیا نیا مسلمان ہوا اس کو قرآن کریم میں سے کچھ یاد نہیں تھا، اور فوری طور پر قرآن میں سے اتنا یاد کرنا اس کے بس سے باہر تھا، جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی دشواری کے پیش نظر دو دعائیں بتادیں کہ ان کو یاد کرلو، ان کے پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔

فعلمنی مایجزئنی: مجھے کوئی ایسی دعاء یاد کرادیں جو میرے لئے کافی ہو جائے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں یہ بات لکھی ہے کہ یہاں نماز میں قراءت مراد نہیں ہے کیونکہ نماز میں جتنی مقدار قرآن پڑھنا فرض ہے اس کا سیکھنا لازم ہے، دوسرے اذکار اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، یہاں پر تلاوت قرآن ورد کے طور پر مراد ہے، لیکن دوسرے بعض شراح یہاں قراءت فی الصلوۃ ہی مراد لیتے ہیں، یعنی نماز میں پڑھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ دعائیں سکھائیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: مقدار مفروض کا سیکھنا فرض ہے، تو پھر اس شخص کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء پڑھنے کی اجازت کیوں دی، جتنی لمبی دعاء ہے اتنی مقدار میں قرآن بھی تو یاد کرنا ممکن تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن یاد کرنے

کا حکم کیوں نہیں دیا؟

جواب: شروع اسلام میں بہت مساہلت تھی، اس وقت کا یہ حکم ہے، پھر یہ شخص نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اس لئے کہا کہ جب تک قرآن یاد نہیں ہو رہا ہے اس وقت تک یہ دعاء پڑھ لو۔

اُمی اور گونگے کا حکم

''امی'' کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں یہ شخص گونگے شخص کے مانند ہے، حالت قیام میں خاموش کھڑا رہے گا۔

فقال ھکذا بیدیہ: "قال" یہاں ''اشار'' کے معنی میں ہے، مراد خوشی کا اظہار ہے، جب کسی کے ہاتھ میں کوئی قیمتی چیز آجاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کو بند کرلیتا ہے، اسی طرح اس شخص نے بھی کیا اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ کلمات میرے نزدیک بہت قیمتی ہیں اور میں ان کو حاصل کرکے بہت خوش ہوں۔

قراءت کے دوران آیت کا جواب دینا

﴿۷۹۹﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی قَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۱/۲۳۲، ابوداؤد شریف: ۱/۱۲۸، بالدعاء

فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "سبح اسم ربک الاعلیٰ" آیت تلاوت فرماتے تو "سبحان ربک الاعلیٰ" کہتے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی "سبح الخ" تلاوت کرتے [تسبیح بیان کیجئے اپنے رب کی جو بہت بلند ہے] تو اس حکم کی تعمیل میں فوراً "سبحان ربی الاعلیٰ" کہتے [پاک ہے میرا رب جو بلند ہے۔]

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل حالت نماز کا نہیں ہے، اور اگر نماز ہی مراد ہو تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل نفل نماز کے ساتھ خاص ہوگا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفل نمازوں میں کوئی بھی آیت دعاء پڑھتے تو رک کر دعا فرماتے تھے، حدیث ہے: "وما اتی علی آیة رحمة الا وقف وسأل"

آیات قرآنی کا جواب دینا

﴿۸۰۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ بِالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ فَانْتَهٰی اِلٰی اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ، فَلْیَقُلْ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ فَانْتَهٰی اِلٰی اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُحْیِیَ الْمَوْتٰی فَلْیَقُلْ بَلٰی وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهُ یُؤْمِنُوْنَ فَلْیَقُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

وَالتِّرمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱۲۹/۱، باب مقدار الرکوع والسجود، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۸۷،ترمذی شریف: ۱۷۲/۱، باب ومن سورة التین، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر:۳۳۴۷۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی شخص سورۃ"والتین والزیتون" کی قراءت کرے تو جب وہ "الیس الله باحکم الحاکمین" [کیا اللہ سب حاکموں میں سے بڑے حاکم نہیں ہیں] پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ وہ کہے"بلیٰ وانا علی ذلک من الشاھدین" [کیوں نہیں میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں] اور جب وہ شخص سورۃ"لا اقسم بیوم القیامة" [میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی] کی تلاوت کرے، تو جب وہ"الیس ذلک بقادر علی ان یحی الموتی" [کیا اللہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے] پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ وہ کہے "بلی" [کیوں نہیں اللہ اس پر قادر ہے] اور جو شخص سورۃ"والمرسلات" [قسم ہے چلنے والی ہواؤں کی] کی تلاوت کرے، پس جب وہ "فبای حدیث بعده یؤمنون" [اب اس کے بعد کس بات پر یقین لائیں گے؟] پر پہونچے تو اس کو چاہئے کہ کہے"آمنا بالله" [ہم اللہ پر ایمان لائے] (ابوداؤد) ترمذی نے "وانا علی ذلک من الشاهدین" تک کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بعض آیات پر پہونچنے کے بعد ان کے جواب دینے کا حکم دیا ہے، لیکن اگر نماز میں یہ الفاظ تلاوت کئے گئے تو جواب نہ دینا چاہئے، تاکہ قرآن اور غیر قرآن میں اشتباہ پیدا نہ ہو، البتہ آدمی جب اپنے طور پر تلاوت کر رہا ہو تو جواب دینا بہتر ہے تاکہ زبان سے بھی اس اقرار کی تجدید ہو جائے کہ اللہ سب سے بڑا حاکم ہے، اللہ

تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اس طرح دیگر آیات کے جواب دینے میں بھی زبانی طور سے اقرار ہوتا ہے، اگر نماز میں یہ آیات تلاوت ہوں تو جواب نہیں دیا جائے گا یا پھر زیادہ سے زیادہ نفل نمازوں میں جواب دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جواب کے الفاظ نماز سے باہر تلاوت کی صورت میں بھی کہے جائیں اور نماز کی قراءت میں بھی، نماز خواہ فرض ہو یا غیر فرض۔

امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے باہر کہے جائیں اور غیر فرض نماز میں بھی کہے جائیں۔

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز سے باہر کہے جائیں نماز میں نہ کہنے چاہئیں، نہ فرض میں نہ نفل میں، کیونکہ اگر نماز کی قراءت میں یہ الفاظ کہے جائیں گے تو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ الفاظ بھی قرآن ہی کے ہیں، اس وہم سے بچانے کے لئے نماز کا استثنا ضروری ہے۔

سورۂ رحمٰن کی آیت کا جواب

﴿۸۰۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى آخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قَالُوْا لَابِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۶۴، باب ومن سورۃ الرحمن، کتاب

تفسیر القرآن، حدیث نمبر:۳۲۹۱۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے "سورۃ رحمن" شروع سے اخیر تک تلاوت فرمائی، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خاموش رہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے "لیلة الجن" میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو تم سے بہتر ردعمل تو ان کا تھا، میں جب جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فبای آلاء ربکما تکذبان" [پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے] پر پہنچتے تو وہ کہتے تھے: "لا بشیء الخ" نہیں ہمارے رب ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، اور سب تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں، (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: جب سورۂ رحمٰن کی تلاوت کوئی کرے اور مذکورہ آیت پر پہنچے تو جو کلمات جنات نے کہے تھے وہ کہے؛ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف ہے، اور ناشکری نہ کرنے کا اظہار ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سورۂ رحمٰن سن کر یہ کلمات نہیں کہے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس معاملہ کے اعتبار سے تو جنات ہی تم سے بہتر ہیں، انہوں نے مذکورہ کلمات کہے، اور تم نے نہیں کہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ جنات حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے افضل ہیں، قرآن مجید کی اس آیت کے جواب میں مذکورہ کلمات کہنا مستحب ہے، لیکن فرض نمازوں میں ان کلمات کو نہ کہا جائے، ورنہ بہت ممکن ہے کہ بعض عوام ان کلمات کو بھی قرآن کا جزء سمجھ بیٹھیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی تلاوت

﴿۸۰۲﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَجُلاً مِنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمَدًا۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۱۸، باب مالرجل یعید سورۃ واحدۃ فی رکعتین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۱۶۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن عبد اللہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے ان کو اطلاع دی کہ اس نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، مجھے نہیں معلوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا بھول کر کیا یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان بوجھ کر پڑھا۔

تشریح: ایک ہی سورت کو دو رکعت میں پڑھنا جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ہر رکعت میں الگ الگ سورت پڑھی جائے، آپ کا دائمی عمل یہی تھا، شاید باید ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کیا ہو۔

فی الرکعتین کلتیھما: "رکعتین" کے بعد "کلتیھا" کی وضاحت کرکے یہ

بتانا مقصود ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت الارض" پوری پڑھی، ایسا نہیں تھا کہ بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھا، اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی۔

فلا ادری: راوی کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا جان بوجھ کر کیا یا بھول کر کیا، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان جواز کیلئے کیا تھا، افضل ہر رکعت میں الگ الگ سورتیں پڑھنا ہے۔

ایک حصہ ایک رکعت میں دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا

﴿۸۰۳﴾ وَعَنْ عُرْوَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ: ۲۸، باب القراءة فی الصبح، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۳۔

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھی۔

تشریح: ایک رکعت میں سورت کا ایک حصہ پڑھنا اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا مابقیہ پڑھنا درست ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور حدیث باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے بھی یہ ثابت ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا دائمی عمل یہی تھا۔

بسورة البقرة: سورۂ بقرہ کا بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھا، اور دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر رکعت میں مکمل سورۂ بقرہ کی تلاوت کی، اس وجہ سے کہ فجر کے وقت اس بات کی گنجائش نہیں کہ ہر رکعت میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جا سکے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کی نظیر ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کو دو حصوں میں کرکے دو رکعتوں میں پڑھا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر رکعت میں ایک مکمل سورت تلاوت فرماتے تھے۔

فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھنا

﴿۸۰۴﴾ وَعَنِ الْفَرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرِ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَا أَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ إِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ: ۲۸، باب القراءة فی الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۵۔

ترجمہ: حضرت فرافصہ بن عمیر حنفیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سن کر سورۂ یوسف یاد کی، حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورۂ یوسف بہت کثرت سے تلاوت فرماتے تھے، اتنی کثرت تھی کہ ایک تابعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سن کر سورۂ یوسف یاد کرلی۔

الحنفی: قبیلہ حنفیہ کی طرف نسبت ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: فقہاء نے ایک سورت پر مداومت کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، فقہاء کا قول اس حدیث کے منافی معلوم ہوتا ہے۔

جواب: فقہاء کے قول اور حدیث باب میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ فقہاء نے ایک ہی سورت پر جو مداومت کو مکروہ قرار دیا ہے اس سے مراد تمام نمازوں میں ایک ہی سورت متعین کرکے پڑھنا ہے، اور اس کے مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں باقی تمام قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے، جہاں تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے تو اولاً تو وہ کثرت سے سورۂ یوسف پڑھتے تھے، کثرت کا مطلب مداومت نہیں ہے، نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے، بقیہ نمازوں میں دوسری سورتیں پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ:۳۰۷)

نماز فجر میں سورۂ ''حج'' پڑھنا

﴿۸۰۵﴾ وَعَنْ عَامِرِ ابْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ

الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ يُوْسُفَ وَسُوْرَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيْئَةً قِيْلَ لَهٗ إِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُوْمُ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ أَجَلْ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ:۲۸، باب القراءة فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۴۔

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز میں سورۂ یوسف اور سورۂ حج کی تلاوت فرمائی، اور تلاوت بھی ٹھہر ٹھہر کی، حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر طلوع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہوں گے؟ حضرت عامر نے جواب دیا، ہاں۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کے اول وقت میں نماز شروع فرماتے تھے، اور فجر کی ایک رکعت میں سورۂ یوسف کی تلاوت فرماتے تھے، جب کہ دوسری رکعت میں سورۂ حج کی تلاوت فرماتے تھے۔

قراءة بطيئة: یعنی تجوید وترتیل کا خیال رکھ کر پڑھا۔

قيل له: ایک شخص نے حضرت عامر سے عرض کیا جیسا آپ بتا رہے ہیں اگر ویسا ہی معاملہ ہے تب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول وقت میں یعنی غلس ہی میں نماز شروع کر دیتے ہوں گے۔

قال اجل: حضرت عامر نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کے اول وقت یعنی غلس میں نماز شروع فرما دیتے تھے، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ "غلس" میں فجر کی نماز شروع کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور یہ جواز پر محمول ہے، استحباب پر محمول نہیں ہے،

اور حدیث باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو عمل مذکور ہے، وہ دائمی عمل نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک فجر کا وقت مستحب اسفار میں ہے، غلس میں نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اولیٰ نہیں ہے۔

نماز میں ہر چھوٹی بڑی سورت پڑھنا درست ہے

﴿۸۰۶﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔ **(رواه مالك)**

تنبیه: لم اجد هذه الرواية في المؤطا ولكن وجدت في سنن ابي داؤد.

حواله: ابو داؤد شريف: ۱۱۸/۱، باب من رأى التخفيف فيها، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۸۱۴۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ طوال مفصل میں سے نہ کوئی بڑی سورت ایسی ہے اور نہ کوئی چھوٹی سورت ایسی ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے ہوئے سنی نہ ہو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک تمام سورتیں فرض نمازوں میں پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تمام سورتوں کا پڑھنا درست ہے۔

المکتوبۃ: فرض کی پانچ نمازیں مراد ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام سورتیں بیان جواز کے طور پر پڑھیں، تا کہ لوگوں کو علم ہو جائے۔

نماز مغرب میں سورۂ دخان پڑھنا

﴿۸۰۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔ (رواه النسائی مرسلا)

حوالہ: نسائی شریف: ۱/۱۱۴، باب القراءة فی المغرب، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ "دخان" پڑھی۔

تشریح: عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کے بیٹے ہیں، کبار تابعین میں سے ہیں۔

حٰمٓ الدخان: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں سورۂ "حٰمٓ الدخان" پڑھی، اس میں دو احتمال ہیں:

(۱)......مغرب کی ہر رکعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ سورت پڑھی۔

(۲)......مذکورہ سورت کا بعض حصہ پہلی رکعت میں اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھا۔

اور یہ پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا، دائمی عمل نہیں تھا، اس لئے کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا افضل ہے۔ ۞۞۞

تم

الجزء السادس بحمد الله تعالیٰ

و احسانه و توفیقه تعالیٰ و بمنه و کرمه

ویلیه الجزء السابع اوله باب الرکوع ان شاء

الله تعالیٰ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب

علینا انک انت التواب الرحیم بحرمة حبیبک

سید المرسلین وصلی الله تعالیٰ علیه

وعلیٰ اٰله و اصحابه اجمعین

الی یوم الدین

محمد فاروق غفرله